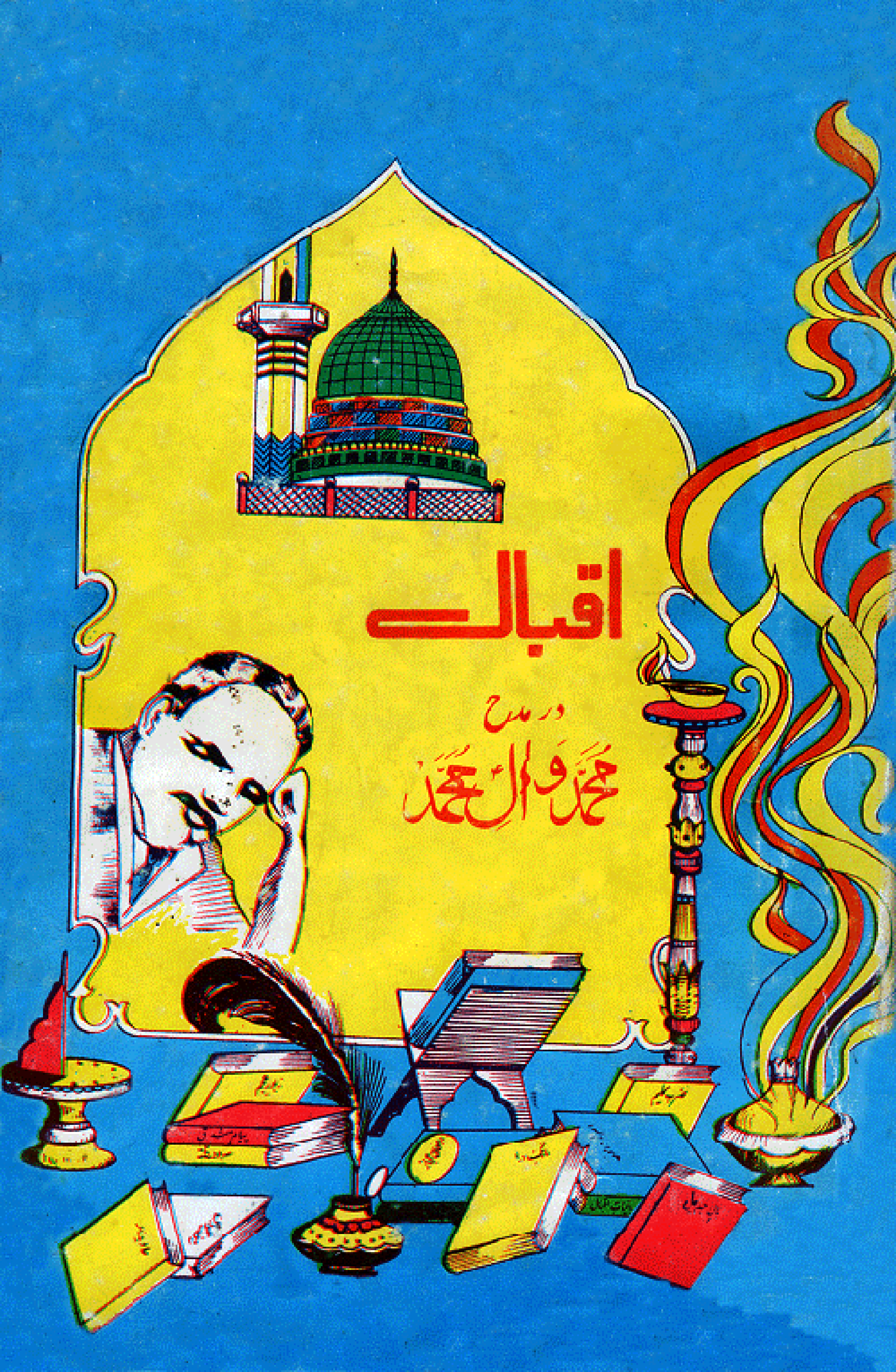
اقبال
در مدح
محمد و آلِ محمد

اِنتساب

میں اپنی شب و روز کی اِس دقیقہ رسی، عرق ریزی اور کاوشوں کے نتیجے کو اپنی چہیتی بیٹی سیدہ قرۃ العین حیدر زیدی کے نام سے منسوب کرتا ہوں:

: احقر الکونین :

سید اشرف عمرانی کیتھلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من آنم کہ من دانم

سید احسن عمرانی

یہ وہ مظلوم محاورہ ہے جو ابنِ آدم سے لے کر آج تک شعری و ادبی شخصیات عجز و انکساری کے معنوں میں استعمال کر رہی ہیں۔ مظلوم میں اسے اس لئے کہتا ہوں کہ کثرت کے ساتھ نامور شاعر، ممتاز ادیب اور مفکر و دانشور اپنے ہاں تقریظات یا تقریظاتی انداز کے عنوانات میں ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار رسماً اس محاورے سے کرتے آرہے ہیں اور یہ مظلوم محاورہ بیابانِ زیادہ کفالت چلا آرہا ہے کہ خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو، مجھے مزید اپنی عجز و انکساری کی بھینٹ نہ چڑھاؤ، مگر صاحب! ان کی یہ صدا صدا بصحرا ثابت ہوئی ہے۔ الحمدللہ کہ آج یہی محاورہ "من آنم کہ من دانم" میری عرضِ گذاشت کا جلی عنوان ہے۔ اور اگر میں یہاں یہ کہہ دوں تو بے جا ہوگا کہ حق بحقدار رسید!

حقیقتِ امر یہ ہے کہ صدیوں کی تلاشِ بسیار کے بعد اس محاورے کو اپنا ملزوم بصورت احسن عمرانی ملا ہے۔ انشاءاللہ آج سے یہ محاورہ لازماً اپنے ملزوم احسن عمرانی کے ساتھ پہچانا جائے گا۔ ہاں تو صاحب اسے میری خوش قسمتی کہہ لیجئے یا حسنِ اتفاق کا نام دیجئے، میں آپ کے ایما پر چھپ رہا ہوں۔ جہاں تک میرے فن کا تعلق ہے میں شدت کے ساتھ خود میں ندامت محسوس کرتا ہوں کہ اقبال علیہ رحمہ کا کلام بلاغت نظام، اور دوسری طرف محمد و آلِ محمد کی شان میں اور ستم ظریفی یہ کہ مجھ ایسے کم علم سے احباب کا مسلسل اصرار احسن بھائی کی دلی خواہش کہ بس بس اس موضوع پہ کام کر دیں، ادھر میرا حال بقول شاعر سنیئے ذرا،

غبارِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم
انہیں مجبور نہ لگے جائے آئینوں کو

اب جاؤں تو جاؤں کہاں، بہرکیف یہ ذمہ داری برائے خوشنودیٔ احباب اپنے سر لے تو لی، مگر اپنی کم علمی کا احساس دامن گیر رہا۔ لیکن اللہ کارساز ہے، اس نے علامہ سہیل بخاری مدظلہٗ اور ڈاکٹر عسکری بن احمد کو میرے لئے سہارا بنا دیا۔ ان بزرگوں کی بروقت حوصلہ افزائی میرے کام آئی اور قدم قدم پر ان کی راہنمائی نے مشعلِ راہ کا کام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان بزرگوں کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو میں کبھی یہ کام نہ کر پاتا۔

میں اپنے ان محسنین کا بھی بہت بہت شکر گذار ہوں جنہوں نے کتابوں کے سلسلہ میں میری اعانت فرمائی۔ یعنی مجھے میرے موضوع سے متعلق کتابیں فراہم کیں۔ ان میں سرِ فہرست برادرم سید جمیل احمد رضوی، ایم اے (عربی)، ایم اے لائبریری سائنس، اسسٹنٹ لائبریرین پنجاب یونیورسٹی کی ذاتِ گرامی آتی ہے جنہوں نے مجھے یونیورسٹی لائبریری سے اقبال پر بہت سے مقالے اور کتابیں بہم پہنچائیں۔ دوسرے ڈاکٹر عسکری بن احمد ہیں جنہوں نے اپنے والد مرحوم علامہ الحاج مرزا احمد علی (امرتسری)، اعلی اللہ مقامہٗ کی لائبریری سے مجھے ہر وقت استفادہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور اس سلسلہ کی آخری کڑی بیگم اطاعت حسین زیدی ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی لائبریری سے کچھ کتابیں دیں۔ ان کی لائبریری دیکھ کر ان کے مذہبی جنون اور شوق کا پتہ چلتا ہے۔

آخر میں میں اپنے ان احباب اور بزرگوں کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے کتاب اقبال کی مدیح محمدؐ و آلِ محمدؐ کا مسودہ پڑھا اور ازخود اس پر اپنے خیال کا اظہار فرمایا، یا میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی رائے قائم کریں۔ میری اس درخواست کو شرفِ قبولیت عطا فرمانے والوں میں جناب ڈاکٹر مسعود رضا خاکی ایم اے پی ایچ ڈی جنرل سیکرٹری حلقۂ شعراء اہلبیتؑ، شاعرِ اہلبیتؑ حضرت قیصر بارہوی اور برادرم سید جمیل احمد رضوی ایم اے اسسٹنٹ لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لاہور کے اسمائے گرامی سرِ فہرست آتے ہیں۔ علاوہ ازیں احباب کا میں تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے نظم یا نثر میں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔ ان میں جناب سید ظہور حسین رضا زیدی مدظلہٗ کی ذاتِ گرامی پیش کی جا سکتی ہے جنہوں نے اپنے فن کو بروئے کار لا کر کتاب کی اشاعت پر قطعہ تاریخ لکھ کر اردو ادب میں ایک گرانقدر اضافہ فرمایا ہے۔

خاکپائے اہلِ ادب

سید اختر عراقی کیتھلی

سید افضال حسین زیدی
ٹرسٹی پراویڈنٹ فنڈ بیسکو لمیٹڈ

کچھ عمرانی صاحب کے بارے میں

برادرِ بزرگ سید اقبال حسین زیدی احسن عمرانی صاحب مدظلہ العالی کی احسن تصنیف " اقبال در مدح محمد و آلِ محمد " ضیا بخش فکر و نظر ہے ۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا چھوٹا منہ بڑی بات کے سوا کچھ نہیں لیکن جناب بھائی صاحب قبلہ کے ارشاد کی تعمیل میں کچھ کہنا بھی ضروری ہے ۔ اس لئے قارئین کرام کی دلچسپی کیلئے مصنف موصوف کے ابتدائی رجحانات اور ادبی مذاق مختصر الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش بے محل نہ ہوگی ۔

جناب احسن عمرانی صاحب صوبہ پنجاب ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل میں ماہ دسمبر ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے ۔ کیتھل تاریخی حیثیت کا حامل ہے ۔ مہابھارت کے زمانے سے پہلے بھی آباد تھا ۔ اور ہندو تہذیب کا گہوارہ نیز علم و ادب کا مرکز تھا ۔ مہابھارت کے بعد راماین کا دور شروع ہوا ۔ راماین کا مشہور کردار ہنومان بھی کیتھل میں پیدا ہوا تھا ۔

کیتھل میں مسلمانوں کی آمد سلطان شہاب الدین کے ہندوستان پر پہلے حملے کے دوران ۱۱۹۱ء میں ہوئی ۔ دوسرا حملہ ۱۱۹۲ء میں ہوا ۔ دہلی اور اجمیر پر قبضہ ہو جانے کے نتیجہ میں مسلمان ہندوؤں کے مقدس شہر کیتھل میں داخل ہو گئے ۔ بزرگانِ دین کی تبلیغی سعی و برکات سے کیتھل " کیتھل شریف " اور اسلامی ادب کا مرکز ہو گیا

ہمارے شجرۂ نسب کے مطابق حضرت زید شہید ابن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی اولاد سے حضرت جمال الدین و کمال الدین زیدی الترمذی علیہم الرحمۃ ۱۱۹۲ء میں سلطان شہاب الدین کے ہمراہ تشریف لائے ۔ انکا تالاب کی فضا تبلیغ الدین کے لئے منتخب فرما کر حضرت کمال الدین زیدی الترمذی

WARNING

Copyright & Printing: All rights of these Books DVDs are reserved with Imamia Organization Pakistan, Peshawar Region Only.
Reproduction of these DVDs or copy & sale is illegal & is an offence under section 66, 66-B of copyright ordinance 1962, which is punishable imprisonment of Three years or fine of Rupees One Lac or both.

Islamic Digital Library

More then

350 Books Available

Imamia Organization

Pakistan

Peshawar Region

Cell: 03435511505

اقامت پذیر ہوئے ۔ آنجناب کا مزار بھی اسی تالاب کے کنارے واقع ہے ۔ حضرت حسین زیدی الترمذی علیہ الرحمہ بھی شجرۂ نسب میں بسلسلہ حضرت جمال الدین زیدی الترمذی ہمارے بزرگ ہیں آپ میر حجازی کے نام سے مشہور ہیں ۔ ہمارے پردادا سید علی حسین زیدی صاحب رسالدار کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۴۳-۴۴ء میں راجہ اودے سنگھ کی وفات کی خبر سن کر انگریزوں کی انبالہ چھاؤنی سے کرنل کلارک نے "میجر کریٹ" کی سرکردگی میں ایک لشکر تیار کر کے کیتھل پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا جس میں ہمارے پردادا سید حسین علی صاحب رسالدار تھے ۔ سید صاحب موصوف نے لشکر کو شہر کے باہر ٹھہرایا اور خود تنہا شہر میں داخل ہوئے ۔ شہریوں سے گفت و شنید کے بعد انگریزوں کا قبضہ شہر پر کرا دیا ۔ یہ ایک کارنامہ تھا ۔ حکومت خوش ہوئی اور کیتھل کے قریب ہی ایک گاؤں انعام میں دینے کی پیش کش کی لیکن سید صاحب نے قبول نہ فرمایا یہ کہتے ہوئے کہ " میں تو باہر فوج کی کمان پر رہوں گا اور میری عدم موجودگی میں تحصیل کے چپراسی میری بہو بیٹیوں کو مالیانہ کی ادائگی کے سلسلہ میں دھمکائیں گے " ۔ یہ واقعہ سید صاحب کی فطری استغنا اور خودداری پر روشنی ڈالتا ہے ۔

کیتھل ہمیشہ براہ راست دلی کے ماتحت رہا جس کی وجہ سے اردو ادب کو غیر فانی فروغ حاصل ہوا ۔ البتہ سکھوں کی چند سالہ حکومت کی مداخلت زبان پر اثر انداز ہوئی ـــــ احسن عمرانی صاحب اسی کیتھل کے سادات خاندان کے ایک فرد ہونیکا شرف رکھتے ہیں ۔ اور خاندانی روایات کی پیروی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں ۔ عمرانی صاحب کا ذہنی رجحان بچپن ہی سے ادب کی جانب رہا ۔ موصوف طالب علمی کے ابتدائی دور ہی سے بزم ادب کے انعقاد ، شعر کہنے اور پڑھنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے آرہے ہیں ۔ اسکول میں اساتذہ کرام کی حوصلہ افزائی ان کے کام آئی ۔ اسکول کی جانب سے انعام میں کتابیں بھی پائیں ۔ علامہ اقبال کی بانگ درا نے رفتار شوق تیز کر دی ۔ دسویں جماعت کے طالب علمی کی عمر ہی میں ادبی کتابوں کا قابل ذکر ذخیرہ ہو گیا ۔ والدین تعلیم کی طرف توجہ کی کوششوں میں محو اور عمرانی ـــــ علامہ اقبال کی ادبی چاشنی سے مسرور ایک کیف زا منظر پیش کر رہا تھا ۔ عمرانی ـــــ کو جب چھیڑ دیا ، علامہ کا ذکر اشعار کی تشریح نظریات پر بحث ، صبح سے شام ہو گئی ، بحث نا تمام رہی ۔

ان تمام کیفیات کا جائزہ لینے کے بعد میں یہ رائے قائم کر سکتا ہوں کہ برادر محترم عمرانی صاحب مدظلہ اگر اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا مظاہرہ کرنا چاہیں تو زیر نظر کتاب " اقبال در مدح محمدؐ و آل محمدؐ " کی صورت میں کر سکتے ہیں

قارئین کرام کتاب ملاحظہ فرمائیں ۔ عمرانی نے جن کاوشوں کا مظاہرہ اپنی تحریر میں فرمایا ہے وہ میری

توقعات اور مشاہدات کے عین مطابق ہیں۔ عظیم کردار کے حامل بھی عظیم ہوتے ہیں۔ امید کہ یہ سعی دینی اور
دنیوی کامیابیوں کا باعث قرار پائے گی۔

سیّد افضال حسین زیدی

لاہور

جناب ڈاکٹر مسعود رضا خاکی
ایم۔اے۔ پی ایچ ڈی
پروفیسر گورنمنٹ کالج ——— لاہور

احسن عمرانی اور اُن کی نثر نگاری

"اقبال در مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ" کی روشنی میں

احسن عمرانی سے میری ملاقات مجالسِ مرثیہ خوانی میں ہوئی اور میں انہیں ایک باذوق سامع کی حیثیت سے پہچاننے لگا۔ پھر معاصرہ اور مسالمہ میں ان کے کچھ جوہر کھلے۔ ان کی شعر فہمی اور باریک بینی کے ساتھ ناقدانہ گرفت کے کچھ پہلو میرے سامنے آئے!

"تعارفِ اسلام" کے مطالعہ نے احسن عمرانی کی ارادت اور تدینی صلاحیتوں سے روشناس کرایا۔ ان کے انتخاب اور احتساب کا طریقہ کار معلوم ہوا۔

رُو برُو گفتگو کے مواقع ملے تو یہ معلوم ہوا کہ ادبی فنون کو مذہبی جنون کے ساتھ ہم آہنگ کریں تو احسن عمرانی کے فکری خدوخال واضح ہو جائیں گے۔

تحریر ہو یا تقریر، فکر ہو یا نظر، گفتگو ہو یا جستجو احسن عمرانی کو ہر زاویے سے دین کے ساتھ وابستہ ہی دیکھا۔ اس وابستگی کا سبب ان کے خاندان کی قدیم روایات، اسلاف کی شرافتِ نسبی اور ان کے اجداد کی خدماتِ مذہبی میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

احسن عمرانی کی پرورش جس ماحول میں ہوئی اور جس انداز میں ہوئی وہ دین داری کا ذوق پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوا۔ اس کو حالات کی سازگاری کہہ لیجئے یا تائیدِ غفاری کہ ادبی بے راہ روی کے گرداب میں پڑنے کی بجائے وہ اپنی فکر کو زمانۂ شباب ہی میں دینی صداقتوں کے سفینے کے ساتھ وابستہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!!

تعلیم و تربیت کی تفاصیل معلوم کرنے کی میں نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کیونکہ:-

تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جب بھی احسن عمرانی سے تحریری یا تقریری رابطہ قائم ہوا میں نے یہ محسوس کیا کہ میں ایک جاگتے ہوئے ذہن کے پڑھے لکھے آدمی سے ہمکلام ہوں۔ یہی نہیں بلکہ ان کے بعض اشارات اور استفسارات نے اکثر سوچنے پر مجبور کر دیا اور یہ احساس ہونے لگا کہ احسن عمرانی کوئی عام فرد نہیں بلکہ اس میں کچھ خصوصیات ایسی ہیں جو عام لوگوں میں نہیں ہوتیں۔ مثلاً اچھے برے، کھوٹے اور کھرے کی تمیز کے ساتھ اظہارِ حقیقت کی جرأت ہر ایک میں نہیں ہوا کرتی بلکہ بعض خواص بھی اس جرأت سے محروم ہوتے ہیں۔

احسن عمرانی کو بعض لوگ نکتہ چیں بھی کہتے ہیں کیونکہ نظم و نثر کی کوئی بھی صنف ہو اور احسن عمرانی سامع ہو یا قاری، صاحبِ قلم نے جہاں بھی کوئی پہلو کمزور چھوڑا ہے، احسن عمرانی کی نگاہ وہیں مرکوز ہو کر رہ گئی ہے اور یہ ان کی ایک اضافی خصوصیت ہے کہ بات جب تک صاف نہیں ہو جاتی وہ آگے بڑھنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ یہ صلاحیت وسعتِ مطالعہ، بیدارئ ذہن اور گہرے فکر و فہم سے پیدا ہوتی ہے۔ یا پھر خداداد ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ میں انہیں نکتہ چیں کہنے والوں سے اختلاف کرتے ہوئے، احسن عمرانی کو نکتہ بیں اور نکتہ رس کہتا ہوں۔ اور ان کے سامنے احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

احسن عمرانی جس کام کا بیڑہ اٹھاتے ہیں اسے تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ دھن کے پکّے بھی ہیں اور بات کے سچے بھی۔ ان کے شوق اور لگن کو دیکھ کر حصولِ مقصد کے سلسلے میں عشق کا مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔ مثلاً ان کی تالیف "اقبال در مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ" اسی جنونِ شوق کا ایک زندہ ثبوت ہے۔

جب یہ کتاب میرے سامنے آئی تو احسن عمرانی کے بارے میں جو نظریات میں نے پہلے قائم کئے تھے ان کی بڑی حد تک توثیق ہو گئی۔ یہ کتاب نثر میں ہے لیکن ایک شاعر کے بارے میں اور شاعر بھی وہ جسے حکیم الامت، مفکرِ پاکستان اور شاعرِ مشرق جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کے سرسری مطالعہ ہی سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ احسن عمرانی نے اس کتاب کے ذریعے کم از کم تین زبانوں سے واقفیت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ آیاتِ قرآنی کے حوالے سے عربی زبان کے علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ علامہ اقبال کے فارسی کلام پر گہری نظر فارسی زبان کے علم کی نشاندہی کرتی ہے۔ علامہ اقبال کے اردو کلام اور اس کے تاثراتی جائزے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ احسن عمرانی اردو زبان و ادب پر کس حد تک اپنی گرفت قائم کئے ہوئے ہیں۔

اقبالیات ایک باقاعدہ علمی موضوع ہے بلکہ ایک مکمل شعبۂ علم ہے اور گزشتہ چالیس سال سے مسلسل اس شعبہ میں کام ہو رہا ہے۔ احسن عمرانی نے جس زاویۂ نظر سے کلامِ اقبال کا جائزہ لیا ہے وہ بھی کوئی اچھوتا نہیں۔ لیکن اس

موضوع پر نستاً بہت ہی کم لکھا گیا ہے۔

علامہ اقبال کو اگر دینِ اسلام کے واسطے اور وسیلے سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو احسن عمرانی کے منتخب کردہ موضوع کی اہمیت کا اندازہ لگانے میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔ موجودہ تہذیب کی تابندگی کے زمانے میں مغربی ثقافت جارحیت کے مقابلے میں جو علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے جو دفاعی جنگ لڑی ہے اور جہاد بالقلم کے جوہر جس انداز سے دکھائے ہیں وہ ان کے زمانے کے تقاضوں کے مطابق بہت ہی ضروری تھا لیکن جو بات خاص طور پر قابلِ غور ہے وہ علامہ اقبال کا نظریۂ کردار ہے۔ اعلیٰ کردار کے وہ نمونے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق دنیا کے لئے قابلِ تقلید ہو سکتے ہیں ان کی تلاش میں علامہ اقبال کی نظر میں پھر پھر کر محمدؐ و آلِ محمدؐ ہی پر ٹھہرتی ہیں۔ اس لحاظ سے زیرِ نظر کتاب کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس میں علامہ اقبال کے اس نظریے کی تائید و تحسین کی کوشش ملتی ہے۔

علامہ اقبال کا ایک مشہور شعر ہے:

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے فقرِ غیور !!

اس شعر میں اسلام کی عملی صورت کا ایک تصور سامنے آتا ہے۔ اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی تاریخ میں بڑا فرق ہے اور ہماری سب سے بڑی بدقسمتی یہی رہی ہے کہ لوگوں نے اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی تاریخ کو ایک ہی چیز سمجھ لیا ہے اور رفتہ رفتہ مسلمان بادشاہوں کی فتوحات کو اسلامی فتوحات کہا جانے لگا۔ اسلام کا دائرہ پھیلا۔ افریقہ، یورپ، ایشیا جیسے براعظم اس دائرے میں سما گئے۔ اور یہ دائرہ پھیلتا ہی چلا گیا۔ لیکن اسلامی طرزِ زندگی کا قرآنی تصور اسلام کے اس پھیلاؤ میں خال خال ہی نظر آتا ہے۔ اس کوتاہی کے نتیجے میں غیر اسلامی ثقافتوں نے پر پرزے نکالے اور اسلامی طرزِ زندگی اور اسلامی کردار الشاذ کالمعدوم کی صورت اختیار کر گئے۔ مسلمانوں کا دائرۂ سلطنت جس تیزی سے پھیلا تھا اسی قدر سرعت کے ساتھ سمٹتا چلا گیا۔ اور وہ صورت ہو گئی جس کا مرثیہ مولانا حالی نے "مسدس مدّ و جزرِ اسلام" میں اور جس کا عکس علامہ اقبال نے خصوصیت کے ساتھ شکوہ اور جوابِ شکوہ میں پیش کیا ہے۔

اس صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے اور قنوطی رجحانات کو رجائیت سے بدلنے کے لئے ضروری تھا کہ مثبت اندازِ نظر بھی پیش کیا جائے۔ علامہ اقبال نے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اور اپنے فلسفۂ خودی کو وضاحت کے ساتھ سمجھانے کے لئے تعمیرِ کردار کا جو مثبت طریقہ اختیار کیا ہے وہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مدح اور ان کی سیرت کا تعارف ہے۔ انسان ترقی کر کے ارتقاء کی جس منزل پر پہنچ سکتا ہے اور کمالِ انسانی کا امکانی مقام علامہ اقبال کے نزدیک جو بھی ہو سکتا ہے وہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کا مقام ہے۔

احسن عمرانی نے اس نکتہ کو سمجھا ہے اور زیرِ نظر کتاب میں مختلف ذیلی ابواب کے تحت علامہ اقبال کے اشعار جمع

کرکے اس نکتہ کی وضاحت کی ہے ۔

پہلا باب مدحِ مصطفیٰ ؐ کے بارے میں ہے۔ کلامِ اقبالؔ سے اٹھتر (۷۸) اشعار جن میں نعتِ سرورِ کونین کا خصوصی پہلو نکلتا ہے اس باب میں جمع کر دیئے گئے ہیں ۔ اور باب کے آخر میں " متفرقاتِ اقبالؔ " کے عنوان سے علامہ کے اشعار ترجمہ کے ساتھ دیئے گئے ہیں ۔ سرورق پر یہ شعر درج کیا گیا ہے :

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

دوسرا باب مدحِ علی المرتضیٰ ؑ سے متعلق ہے ۔ پچاس صفحات کا یہ باب ایک سو سولہ (۱۱۶) اشعار کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے ۔ آغاز اس شعر سے ہوتا ہے ۔

فیضِ اقبالؔ ہے اسی در کا
بندۂ شاہِ لافتیٰ ہوں میں

تیسرا باب نورِ چشمِ رحمۃ للعالمین کی مدح سے متعلق صرف بیس (۲۰) اشعار اور سترہ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے ۔

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ ؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہراؑ عزیز

چوتھا باب حضرت امام حسنؑ کے بارے میں ہے اور کلامِ اقبالؔ سے احسنؔ عمرانی کو بہت کم شواہد اس سلسلے میں مل سکے ہیں ۔ تاہم انہوں نے کوشش کی ہے ۔ پانچ صفحات پر مشتمل اس باب میں چند ایسے اشعار سامنے لائے گئے ہیں جن کی بابت یقین سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان اشعار کا پس منظر سیرتِ حضرت امام حسن علیہ السلام ہے ۔

پانچواں باب پنجتن پاک ؑ کی آخری فرد حضرت امام حسینؑ کی مدح میں ہے ۔ (۳۵) پینتیس صفحات پر مشتمل اس باب میں علامہ اقبالؔ کے باسٹھ (۶۲) ایسے اشعار کا تعارف کرایا گیا ہے جو مدحِ سید الشہداء میں ہے ۔ آغازِ کلام اس شعر سے ہوتا ہے ۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

مذکورہ بالا پانچوں ابواب میں جن اشعار کا انتخاب کر کے موضوع سے متعلق احسنؔ عمرانی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں سے بیشتر اشعار ایسے ہیں جن میں وضاحت کے ساتھ موصوف ہستیوں کی مدح کے اشارات ملتے ہیں ۔ اگر وہ کلامِ اقبالؔ میں مزید غواصی کرتے تو انہیں اور بھی اشعار مل سکتے تھے ۔ علامہ اقبالؔ کا کمال" برجستہ

حرفِ گفتنی" میں ہے۔ انہوں نے ایمائیت اور رمزیت سے بہت کام لیا ہے۔ علامتوں، کنایوں اور اشاروں سے کام لینا بھی وہ خوب جانتے ہیں۔ چنانچہ کلامِ اقبال میں مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں بظاہر لفظی اعتبار سے ان بزرگ ہستیوں کے نام نہیں ملتے لیکن معنوی اعتبار سے ان کا تعارف ملتا ہے۔

انتخابِ اشعار بھی ایک فن ہے اور اس سے منتخب کرنے والے کے ذوق کا پتہ بھی چلتا ہے۔ لیکن بعض صورتوں میں پیشِ نظر تقاضوں اور وقتی مقاصد کی تکمیل کے لئے ایسے رویّے اختیار کئے جاتے ہیں جن کی بنا پر اپنے ذوق سے ہٹ کر بھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ تعلیم و تعلّم میں عموماً ایسا ہوتا ہے۔ تبلیغ و تدریس میں بھی اکثر یہی صورت پیش آتی ہے۔ جس طبقہ کے لئے کتاب لکھی جاتی ہے اس کی ضروریات کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ احسن عمرانی نے بھی یہ سب صورتیں اپنے سامنے ضرور رکھی ہوں گی۔ اور اسی لئے انہوں نے واضح قسم کے اشعار سے کام لیا ہے۔

"اقبال در مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ" میں احسن عمرانی کا اندازِ تحریر تجزیاتی اور تاثراتی رنگ لئے ہوئے ہے۔ ان کا عموماً یہ انداز ہوتا ہے کہ وہ ایک نکتہ متعین کر کے اس کی تائید میں اشعار جمع کرتے ہیں، ہر شعر کو پہلے خود سمجھنے اور پھر سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت وہ کلمات ہیں جو تحسین، ستائش اور تحیّر کی کیفیات کا اظہار کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ اس کتاب کا موضوع اور اندازِ تحریر دونوں ہی احسن عمرانی کی افتادِ طبع سے ہم آہنگی رکھتے ہیں۔

میں نے موضوعِ کتاب کے بارے میں آغازِ مقدمہ ہی میں وضاحت کر دی ہے اور ضمناً احسن عمرانی کے اندازِ تحریر کا ذکر بھی آگیا ہے۔ البتہ ان کی نثر نگاری کے بارے میں چند باتیں تشنۂ وضاحت ہیں۔

احسن عمرانی کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مضمون کم از کم الفاظ میں ادا کر دیا جائے۔ اس کے لئے بعض اوقات وہ مشکل اور ادق تراکیب کے ساتھ نامانوس الفاظ بھی استعمال کر جاتے ہیں۔ یہ اندازِ تحریر علمی موضوعات کے لئے ناموزوں بھی نہیں سمجھا جاتا۔ سادہ اور عام فہم نثر کے ساتھ مرصّع اور پُر تکلف نثر کے نمونے بھی احسن عمرانی کی تحریر میں موجود ہیں۔ جملے کی ساخت، الفاظ کی نشست اور ترکیب مفہوم کی مطابقت لئے ہوتے ہیں۔ جملوں کا باہمی ربط اور پیراگراف کی تشکیل بھی مقصد کے تعیّن کے ساتھ ہم آہنگ رہتی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں اس موزونیت کے باوجود ایک بات جو ہر جگہ غالب نظر آتی ہے وہ تحسینی، تاثراتی اور تجزیاتی اندازِ نگارش ہے۔ جو علمی موضوعات کے لئے آج کل رائج نہیں ہے۔ اس لحاظ سے احسن عمرانی کی یہ کتاب قدیم اور جدید اسالیب کے درمیان کی ایک فراموش کردہ صورت کو سامنے لاتی ہے۔

مجموعی حیثیت سے احسن عمرانی اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ اس نوعیت کی ان کی یہ پہلی نثری تخلیق ہے۔ جیسے جیسے اس سرمائے میں اضافہ ہوتا جائے گا، فکر و قلم کی رفتار میں

میں ٹھہراؤ اور نظریات میں استقامت کا اضافہ خود بخود ہوتا چلا جائے گا۔

بقول علامہ اقبال

معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

ڈاکٹر آغا مسعود رضا خاکی ؔ

ایم۔اے' پی۔ایچ۔ڈی

۱۹۷۷ - ۹ - ۲۹

جناب سید اقبال حسین زیدی

ایم۔اے، ایل ایل بی

ڈپٹی رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی ـــــ لاہور

چند الفاظ

عزیزم سید احسن عمرانی کی عزیز تر تصنیف یعنی "اقبال در مدح محمدؐ و آلِ محمدؐ" نظر نواز ہے۔ مصنف نے اتنے مناظر یکجا کر دیئے ہیں کہ سرسری جائزہ کے لئے بھی نظریں درکار ہیں۔ میں نہ تو کوئی شاعر ہوں اور نہ ہی ادیب، مگر اس کے باوجود، دل میں ایک امنگ سی محسوس کرتا ہوں کہ مصنف کے لئے خدمت ادب کے سلسلہ میں چند الفاظ ہی کا تحفہ پیش کروں۔

احسن عمرانی کی شخصیت کے تعارف میں اکثر مقالہ نگار حضرات اظہارِ خیال فرما چکے ہیں۔ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ صرف عطائے پروردگار ہے جسے وہ مناسب سمجھتا ہے اس کو دیتا ہے۔

احسن عمرانی کی تصنیف "اقبال در مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ" نازک وقت کی نازک پیشکش ہے۔ اس سے پیشتر بھی اس موضوع پر بہت سی کتابیں مارکیٹ میں آچکی ہیں۔ مثلاً اس موضوع کی پہلی کتاب "پیامِ اقبال" سیزدہ صد سالہ یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ ہجری میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی۔ اس موقع پر لکھنؤ سے علامہ نقن صاحب قبلہ نے شہیدِ انسانیت پیش کی جبکہ پنجاب (لاہور) سے ضیغمِ اسلام علامہ مرزا احمد علی مرحوم نے کتابچہ "پیامِ اقبال" شائع کیا تھا۔ بعد ازاں ادارہ معارفِ اسلام (رجسٹرڈ) لاہور سے ایک اور کتابچہ "نوائے اقبال" شائع ہوا۔ ان دو کتابچوں کے بعد کراچی سے سید رئیس احمد جعفری نے "عشقِ رسولؐ" کے نام سے ایک کتاب پیش کی۔ دوسری کتاب سید محبوب علی زیدی نے "اقبال اور حبِ آئمہ اطہار" تصنیف کی جسے لاہور سے شیخ غلام علی اینڈ سنز نے شائع کیا۔ تیسری کتاب سید نجم الحسن صاحب نے پنڈی والی سے "اقبالؔ آلِ محمدؐ کے دربار میں" پیش کی جو زبان و بیان کے اعتبار سے نہایت کمزور، حوالہ جات سے بری، تشریحات سے تشنہ اور اشعار کا انتخاب اس بات کی دلیل ہے کہ مصنف موصوف نے علامہ صاحب کی اصل کتب دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی، ورنہ ان سے کبھی یہ غلطی نہ ہوتی کہ وہ اس زبان زدِ عام شعر کو علامہ صاحب سے منسوب کرتے۔

وہ شعر یہ ہے :-

اسلام کے دامن میں اور اس کے سوا کیا ہے

اک ضربِ یدُ اللّٰہی ، اک سجدۂ شبیری

یہ شعر وقار انبالوی صاحب کا ہے۔ جس کی تحقیق عمرانی صاحب نے کی اور تحریری ثبوت اسی کتاب میں موجود ہے۔ اور یہ احسن عمرانی کی بالغ نظری اور تحقیق کی ایک اعلیٰ مثال کہی جا سکتی ہے۔ اس سلسلہ کی آخری کتاب "اقبال در مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ" حق برادرز کی سال اقبال کی نسبت سے ایک اعلیٰ اور معیاری پیشکش ہے۔ اس کتاب کے مصنف احسن عمرانی ہیں۔

یہ کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس سلسلہ کی پہلی اور آخری کتاب کہی جا سکتی ہے کیونکہ اس کی ترتیب میں پہلے حضور نبیؐ اکرم کا باب ہے۔ اس کے بعد علیؑ المرتضیٰ، فاطمۃ الزہراؑ، حسنؑ مجتبیٰؑ، سیّدؑ الشہدا اور آخر میں تمام آلِؑ محمد علیہ السلام سے متعلق اشعار کا انتخاب اور ان کی تشریحات، حوالہ جات کے ساتھ مصنف موصوف نے سپردِ قرطاس کی ہیں۔

اہلِ علم و ادب بہتر جانتے ہیں کہ ادبی دنیا میں تحقیق و تنقید کا میدان ایک سنگلاخ اور پُرخار وادی ہے۔ اس وادی میں احسن عمرانی کی کاوشیں اور کاوشوں میں فکر کا اچھوتا پن لیکن شگفتہ اندازِ ادب کرشمہ سے کم نہیں! ورق گردانی کے دوران زبان پہ بے اختیار آجاتا ہے :-

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است

کتاب میں ابواب کی ترتیب، مناسب اور برمحل اشعار کا انتخاب کوزے میں دریا نہیں بلکہ ایک کوزے میں دریاؤں کے سمو دینے کے مترادف ہے۔ اس جدید اسلوب نے قارئین کو مختلف کتابوں کے حوالہ جات حاصل کرنے کی زحمت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ احسن عمرانی کی یہ ایک دیانتدارانہ کاوش ہے اور موصوف کے لازوال جذبۂ ایمانی کی آئینہ دار بھی ہے۔ میری دعا ہے کہ اس پُرخلوص اور شاقہ محنت کا صلہ بتصدق محمدؐ و آلِ محمدؐ پروردگارِ عالم عطا فرمائے اور قوم اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھے۔ آمین ثم آمین

سیّد اقبال حسین زیدی

اقبالؒ اور حبِّ رسولؐ واہلِ بیتِ رسولؐ

خداوند عالم نے اپنی محبت کا معیار اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قرار دیا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (آلِ عمران : ۳۱) "اے رسول ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو کہ خدا (بھی) تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔" دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں پیغمبر کی پیروی کو اپنی اطاعت سے تعبیر کیا ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء : ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے خدا کی اطاعت کی۔ آلِ محمد علیہم السلام کی محبت کو اجرِ رسالت قرار دیا۔ اور تبلیغِ رسالت کے اجر کو ادا کرنے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل کیا۔ چنانچہ سورہ شوریٰ میں فرمانِ خداتعالیٰ ہے: قُلْ لَّاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی (شوریٰ : ۲۳) اے رسولؐ! تم کہہ دو کہ میں اس (تبلیغِ رسالت) کا اپنے قرابتداروں (اہلبیت) کی محبت کے سوا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔"

اگر ہم اسلامی ادب پر نظر ڈالیں تو ہمیں ہر دور میں ایسے حضرات نظر آتے ہیں جنہوں نے رسولؐ و آلِ رسولؐ کو ہدیہ عقیدت پیش کیا اور اس عقیدت کو اپنی نجات کا وسیلہ سمجھا۔ عہدِ رسالت مآب میں بھی متعدد شعراء دربار میں آپ کے فضائل کو بیان کیا گیا۔ حضرت حسان بن ثابت کے دیوان میں بہت سا نعتیہ کلام موجود ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل دو شعر لکھے جاتے ہیں۔

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ	وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءًا مِنْ كُلِّ عَیْبٍ	كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

دیوانِ حسان، صفحہ

یعنی میری آنکھوں نے آپ سے زیادہ حسین کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ صاحب جمال کسی عورت نے نہیں جنا۔ آپ ہر نقص سے پاک و پاکیزہ پیدا کئے گئے ہیں گویا کہ آپ کی تخلیق آپ کے حسب منشا ہوئی ہے۔

امام شافعیؒ نے بھی حب رسولؐ و آل رسولؐ میں بہت سے اشعار کہے ہیں۔ اجر رسالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یا آل بیت رسول اللہ حبکم فرض من اللہ فی القرآن انزلہ

یکفیکم من عظیم الفخر انکم من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

(شافعی۔ دیوان ص ۷۲)

اے اہل بیت رسولؐ! آپ کی محبت کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا اور اس کا حکم قرآن میں نازل کیا۔ آپ کے فخر کے لئے یہی بات کافی ہے کہ جو آپ پر درود نہ بھیجے، اس کی کوئی نماز ہی نہیں ہوتی۔

شیخ سعدیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "گلستان" میں دربار رسالت میں جو نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے اس کو ایک ایسے سدا بہار پھول سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ جو ہر وقت فضا کو معطر رکھتا ہے اور شمع رسالت کے پروانے اس سے حظ اٹھاتے ہیں۔

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

(سعدی۔ گلستان ص ۹)

وہ (رسالت مآبؐ) اپنے کمال کے سبب بلند مرتبہ پر پہنچے۔ اپنے جمال سے تاریکی کو روشن کیا۔ ان کی تمام خصلتیں اچھی ہیں ان پر اور انکی آل پر درود بھیجو۔

اس وقت اسلامی ادب کا اس پہلو سے جائزہ لینا مقصود نہیں۔ اس بارے میں بہت سی کتابیں احاطۂ تحریر میں آچکی ہیں جن میں نعتیہ کلام کا انتخاب ترتیب زمانی سے کیا گیا ہے۔ ہمارا مقصد اقبالیات کے ادب کو اس زاویۂ نگاہ سے دیکھنا ہے کہ اس میں کون سی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جو حب رسولؐ، عشق رسولؐ اور حب اہل بیت اطہارؑ کے متعلق ہیں اور ان میں کلام اقبال کا جائزہ مذکورہ حیثیت سے لیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ دیکھنا

ہے کہ احسن مرانی صاحب کی زیر حوالہ کتاب " اقبال در مدح محمدؐ و آلِ محمدؐ " کا اس ادب میں کیا مقام ہے ان تحریری آثار (Graphic records) کو زمانی ترتیب سے زیر بحث لایا جاتا ہے۔

اقبالیات کے لٹریچر میں علامہ مرزا احمد علی اعلی اللہ مقامہٗ نے ایک رسالہ نوائے اقبال کے نام سے لکھا۔ اس کو ادارۂ معارفِ اسلام، لاہور نے شائع کیا۔ اس پر سنِ اشاعت درج نہیں۔ لیکن اندرونی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۹۵۳ء یا ۱۹۵۴ء میں طبع کیا گیا۔ علامہ مرحوم اس تالیف کے بارے میں لکھتے ہیں :

" حضرت اقبال کے خوابِ تخیل کی تعبیر قائد اعظم معمارِ قوم آقائی محترم حضرت محمد علی جناح کی قائدانہ تدبیر سے پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ جس کے لئے تمام دنیا عموماً اور مسلمان خصوصاً خدا تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کریں اتنا ہی کم ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا پاکستان کے تخیل گر نے پاکستان کی بقا کے لئے بھی ہدایات چھوڑی ہیں؟ اسی غرض کے لئے میں نے کلام اقبال کے مختلف اور منتشر پہلوؤں کو دیکھا اور اپنی تحقیق و تدقیق کا نتیجہ جناب اقبال کی یاد میں مختلف عناوین کے ذیل میں تقسیم کر کے جمع کر دیئے جو اہلِ پاکستان کے غور و خوض اور عمل کے لئے اس صحیفہ میں لکھا جاتا ہے۔ تاکہ ملک کو استحکام اور ملتِ اسلام کو سرخروئی حاصل ہو۔"

(مرزا احمد علی۔ نوائے اقبال، ص۔ ۸)

اس رسالے میں مختلف عنوان قائم کر کے کلام اقبال کے حوالوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ صفحہ ۲۶ پر ایک عنوان جلی الفاظ میں ہے " حقائقِ اقبال کے عملی نمونے " اس کے ذیل میں رقمطراز ہیں :-

" میں یہاں صرف ان ممتاز ہستیوں کا ذکر کرونگا جو دماغِ اقبال پر غالب تھیں۔ اور اسی لئے اس نے ان کا ذکر مفصل اور منفرد کیا ہے۔"

(ایضاً، ص۔ ۲۶)

اس میں جنابِ رسالت مآبؐ علی مرتضیٰ، فاطمہ زہرا، حسنِ مجتبیٰؑ، امام حسینؑ اور امام مہدیؑ کے بارے میں کلام اقبال کا انتخاب دیا گیا ہے۔ چونکہ اس رسالے کا دائرہ بہت مختصر ہے۔ اس لئے اسمیں صرف منتخب اشعار ہی نقل کئے گئے ہیں۔ اشعار کی تشریح میں جو حوالے دیئے گئے ہیں، وہ بہت مفید ہیں۔ چونکہ اس کے مؤلف ایک جید عالم دین تھے۔ اس لئے انہوں نے دامنِ موضوع کے اختصار کے باوصف بہت عالمانہ انداز سے باتیں کی ہیں۔ یہ اس سلسلے کا پہلا رسالہ معلوم ہوتا ہے۔ جس میں اہلِ بیت اطہارؑ کے متعلق کلام اقبال سے انتخاب پیش کیا گیا ہے۔

اقبالیات میں عشقِ رسولؐ پر سب سے پہلی کتاب رئیس احمد جعفری مرحوم نے "اقبال اور عشقِ رسولؐ" کے عنوان سے تحریر کی۔ اس کو پہلی بار ۱۹۵۶ء میں شیخ غلام علی اینڈ سنز نے شائع کیا۔ اس کی دوسری اشاعت ۱۹۶۳ء میں ہوئی۔ یہ ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کے شروع میں علامہ اقبال سے پہلے نعتیہ کلام کو موردِ بحث بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد اقبال کے عہد کا نعتیہ کلام زیرِ تبصرہ لایا گیا ہے۔ پھر کلامِ اقبال میں سے وہ اشعار پیش کیے گئے ہیں جو رسالتمآبؐ کی مدح میں ہیں۔ ان میں بعض ایسے اشعار بھی ہیں جو پس منظر کو واضح کرنے کے لئے نقل کئے گئے ہیں۔ اگرچہ براہِ راست وہ نعتیہ کلام میں نہیں آتے۔ کتاب کے آخر میں کہا گیا ہے کہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ ورنہ علامہ کے کلام میں بہت زیادہ اشعار اس موضوع سے متعلق ہیں۔

"اقبال کی شاعرانہ شہرت و عظمت جن ستونوں پر قائم ہے وہ ہیں حبِ وطن، جذبۂ ملی، فلسفہ آفرینی، بلندیٔ خیال، عمقِ فکر، اندازِ بیان، رفعتِ تخیل اور سیاسیاتِ بین الاقوامی اور کوئی شبہ نہیں یہ ستون بڑے پائیدار ہیں۔ ان میں تزلزل نہیں پیدا ہو سکتا۔ ان کا استحکام اور ان کی پائیداری روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ لیکن میرے خیال میں اقبال کی شاعری کا مرکز، محور اور مرجع و مصدر صرف حبِّ رسولؐ ہے۔ اقبال کو ذاتِ رسالت پناہی سے والہانہ عشق ہے۔ یہی عشق ان کی زندگی ہے۔ اسی عشق نے ان کے خیالات میں بلندی اور جذبات میں گیرائی پیدا کی ہے۔ اسی عشق کی بدولت وہ اسلام سے روشناس ہوا۔ اس نے خداؐ کو پہچانا اور قوم رسولِ ہاشمیؐ کی نقابت کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا"

(رئیس احمد جعفری۔ اقبال اور عشقِ رسولؐ، ص۔ ۱۱)

"اقبال بہت بڑے فلسفی تھے، مفکر تھے، شاعر تھے، ادیب تھے، حکیم الامت تھے، ترجمانِ حقیقت تھے لیکن میری نظر میں ان حیثیتوں پر بالا ان کی یہ حیثیت تھی کہ وہ عاشقِ رسولؐ تھے۔ ان کے نطق و کلام کا مرکز، ان کی زندگی کا مقصد، ان کے پیام کا محور، ان کی دعوت کا منشا صرف حبِّ رسولؐ تھا۔ اقبال کی شاعری، پیام، دعوت اور زندگی کا اگر صرف ایک شعر میں خلاصہ کرنا مقصود ہو تو بے تامل ان کا یہ شعر پیش کیا جا سکتا ہے

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است!!"

(ایضاً، ص۔ ۴)

اس سلسلے کی تیسری کتاب سید محمد عبدالرشید فاضل کی ہے جو "اقبال اور عشقِ رسالتمآبؐ" کے نام سے کراچی سے شائع ہوئی۔ اس کے شروع میں علامہ اقبال کا سوانحی خاکہ دیا ہے اور ان اسباب و عوامل سے بحث کی گئی ہے جو ابد میں عشقِ رسولؐ کا باعث بنے۔ پھر آثارِ اقبال سے وہ اشعار پیش کئے گئے ہیں جو اس مقدس جذبے کی غمازی کرتے ہیں۔ کلام اقبال کو ترتیب زمانی سے دیکھا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر فکرِ اقبال کے ارتقا کو سامنے رکھ کر اس کتاب کو لکھا گیا ہے۔ زندگی کے آخری دور میں علامہ کا یہ عشق عروج پر دکھائی دیتا ہے۔ جب وقت رسالتمآبؐ کا اسمِ گرامی زبان پر آتا ہے تو رقتِ قلب سے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

"زندگی کے آخری زمانے میں تو یہ حال ہوگیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا تو بے اختیار رو پڑتے تھے"۔ (جوہر اقبال نمبر ص۔ ۳۹، بحوالہ اقبال اور عشق رسالتمآبؐ ص۔ ۵۰)

اس کتاب پر سنِ اشاعت درج نہیں لیکن اندازہ یہی ہے کہ یہ رئیس احمد جعفری مرحوم کی کتاب کے بعد لکھی گئی ہے۔ اشعار نقل کرتے وقت علامہ کی کتابوں کے نام تو دیئے گئے ہیں لیکن صفحات کے حوالے نہیں دیئے گئے۔ کتابیات کی کمی بھی محسوس ہوتی ہے۔ کتاب کے آخری حصے میں اقبال سے پہلے شعراء کے نعتیہ کلام کے نمونے دیئے گئے ہیں۔ اور تقابلی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ علامہ کا عشقِ رسولؐ اپنی ذات سے بڑھ کر ملت کے لئے ہے۔ اور مسلمانوں کی زبوں حالی اس کا باعث بنی جب کہ دیگر نعتیہ کلام میں یہ مقدس رشتہ شاعر کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ دراصل حالی مرحوم نے ملت کا درد محسوس کرتے ہوئے جس عمارت کی بنیاد رکھی، علامہ نے نہ صرف اس پر ایک شاندار عمارت تعمیر کی بلکہ اسے فلک الافلاک تک پہنچا دیا۔

اس سلسلے کی چوتھی کتاب محبوب علی زیدی کی "اقبال اور حبِّ اہلِ بیتِ اطہار" ہے۔ یہ ۱۹۶۵ء میں لاہور میں شیخ غلام علی اینڈ سنز کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ اقبالیات کے لٹریچر میں یہ پہلی مفصل کتاب ہے۔ جس میں کلام اقبال سے وہ اشعار لئے گئے ہیں جو رسولؐ و آلِ رسولؐ سے متعلق ہیں۔ چونکہ یہ کتاب رئیس احمد جعفری مرحوم کی کتاب کے سنِ اشاعت سے تقریباً دس سال بعد لکھی گئی۔ اس لئے زیدی صاحب نے جعفری صاحب سے معذرت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں اقبال اور عشقِ رسولؐ کو بھی اجاگر کیا جائے گا

"چونکہ رسولؐ مقبول مالکِ بیتِ نبوت ہونے کی حیثیت سے اہلِ بیتِ اطہارؑ سے الگ نہیں ہیں۔
اسی لئے میں جرأت رندانہ کرتے ہوئے جعفری صاحب سے معذرت کے ساتھ اقبال اور عشقِ رسولؐ کو بھی اجاگر کروں گا۔

(محبوب علی زیدی۔ اقبال اور حبِّ اہلِ بیتِ اطہار۔ ص۔ ۱۲)

زیدی صاحب نے اپنی کتاب میں جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"بفضلِ خدا تحریر یہ انتہائی کوشش رہی ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے وہ قرآن کریم، احادیث شریف اور معروف علماء کی تصانیف سے نقل ہو تاکہ اعتراضات کی گنجائش نہ نکل سکے۔ نیز میں ہرگز نہیں چاہتا کہ میرے قلم سے مسلمانوں کے کسی فرقے کی دل آزاری ہو"

(ایضاً ص ۱۲، ۱۳)

اس میں علامہ کے اشعار نقل کر کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ آخر میں کتابیات بھی ہے۔ قرآن اور حدیث کو بھی موقع کی مناسبت سے نقل کیا ہے۔

۱۹۶۹ء میں پنجاب یونیورسٹی میں ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کی زیر نگرانی ایک مقالہ لکھا گیا۔ جس کا نام "اقبال اور عشقِ رسالت مآب" ہے۔ مقالہ نگار خادم حسین (تجمل حسین) ہیں جنہوں نے ایم۔ اے (اردو) کی جزوی تکمیل کے لئے اس کو لکھا۔ اس غیر مطبوعہ مقالے کے مندرجات درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ عشقِ رسولؐ کی ماہیت۔

۲۔ حیاتِ اقبال۔

۳۔ تصوراتِ اقبال کی اساس

۴۔ اقبال کے اردو کلام میں عشقِ رسولؐ کی ضیا باریاں۔

۵۔ اقبال کے فارسی کلام میں عشقِ رسولؐ کی ضیا باریاں۔

اس کے آخری دو ابواب میں علامہ کی کتابوں سے وہ اشعار لئے گئے ہیں جو عشقِ رسولؐ کے بارے میں ہیں۔ کتابوں کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔ چونکہ یہ مقالہ ایم۔ اے کی ڈگری کے حصول کے لئے سپردِ قلم کیا گیا ہے اس لئے اس میں فنِ تحقیق کے اصولوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ آخر میں کتابیات ہے جو دیگر محققین کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔

اس سلسلے کی چھٹی کتاب کے مصنف سید نجم الحسن تقوی ہیں اور کتاب کا عنوان ہے "اقبال آلِ محمدؐ کے دربار میں"۔ یہ ۱۹۹۰ء میں پنڈی وال سے انجمن غلامانِ اسلام پاکستان کی جانب سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں جنابِ رسالت مآبؐ کے بارے میں اشعار شامل نہیں کئے گئے۔

"اس کتابچہ میں اقبال مرحوم کو اہل بیتِ رسولؐ یعنی آئمہ معصومینؑ کے حضور پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ مداحِ اقبال مدارجِ آئمہ ہدیٰ کو سمجھ کر معرفتِ امام حاصل کریں۔ اور جب معرفتِ امام ہو جائے تو پھر اپنے اسی ممدوح کے کلام میں مدارجِ نبوت کو تلاش کر کے معرفتِ نبی کو پا سکیں اور معرفتِ نبی حاصل کر سکیں

بعد معرفت اہل بیت کا حصول آسان ہو جائے گا۔ وہ صحیح اسلام کو سمجھ سکیں گے اور اس پر عمل پیرا ہو سکیں گے۔"

(سید نجم الحسن نقوی۔ اقبال آل محمد کے دربار میں ص۔ ۲)

اس کتاب میں اشعار کو نقل کرتے وقت کتابوں کے حوالے نہیں دیے گئے۔ آیات و احادیث کی تخریج بھی نہیں کی گئی۔ ماخذ و مصادر کی فہرست کی کمی بھی محسوس ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ اشتہارات نے کتاب کے ظاہری حسن کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے۔

یہ کتاب ۱۹۷۷ میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ اس کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فاضل مؤلف نے اس موضوع پر احاطہ تحریر میں آنے والے تمام آثار کو سامنے نہیں رکھا۔ سید محبوب عالم زیدی کی کتاب ۱۹۷۵ میں شائع ہوئی اور یہ اس کے دو سال بعد منظر عام پر آئی۔ بظاہر اس کتاب کو زیدی صاحب کی تالیف سے ایک قدم آگے ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اس کے مطالعے کے بعد یہی رائے قائم ہوتی ہے کہ یہ نہ صرف مندرجات کے لحاظ سے اس سے پیچھے ہے۔ بلکہ اسلوب و طرز نگارش کے اعتبار سے بھی اس پایہ کی نہیں۔

اس موضوع پر اس وقت تک آخری کتاب "اقبال در مدح محمدؐ و آل محمدؐ" احسن عمرانی صاحب کی تالیف ہے۔ اس کے کچھ حصے راقم الحروف نے دیکھے ہیں۔ کتاب سے پہلے صاحب کتاب کے متعلق کچھ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ عمرانی صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ دینی حلقوں میں ان کی ذات خاصی معروف ہے۔ "پیشے کے لحاظ سے آپ صحافی ہیں۔ کئی ایک مذہبی اخبارات و رسائل کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ مثلاً نجم الفساد، البشر، معارف اسلام اور میلاد ڈائجسٹ کے چیف ایڈیٹر رہے۔ ان دنوں ادارہ معارف اسلام کے دفتر میں ملازم ہیں۔ قدیم شعراء میں غالب اور انیس سے متاثر ہیں۔ جدید شعراء میں جوش اور مجید امجد کے قائل ہیں۔"

(ظفر علی خان۔ جھنگ کے اردو شعراء (تحقیقی و تنقیدی مقالہ) ص۔ ۱۸۶)

کتاب سے محبت، مطالعہ کا شوق، انتھک محنت، انتہائی ناساعد حالات میں مسلسل کام، بے لوث دینی خدمت دوستوں کے ساتھ خلوص ——— ان عناصر کو یکجا کریں تو احسن عمرانی کی شخصیت بنتی ہے۔

زیر نظر کتاب انہوں نے نہایت محنت کے ساتھ لکھی ہے۔ انہوں نے کلام اقبال کی جو تشریح کی ہے۔ اس میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ ممکن ہے کہ قارئین ان کے انداز فکر سے متفق نہ ہوں، لیکن یہ بات قابل ستائش ہے کہ انہوں نے نہایت جانفشانی سے کام لیا ہے اور اپنے زاویۂ نگاہ کو لکھنے سے پہلے کافی غور و فکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی راقم الحروف یہ بات کہنے کی جسارت کرتا ہے کہ انہوں نے تشریحات میں بعض امور ایسے لکھے ہیں جن کا ماخذ بتا دیا جاتا تو یہ طرز تحریر فن تحقیق سے زیادہ قریب ہوتا۔ کتاب کے پہلے حصے میں اشعار نقل کرتے وقت آثار اقبال کے حوالے نہیں دیے۔ اس کتاب کی اصل قدر و قیمت کا اندازہ تو قارئین کرام ہی کریں گے،

لیکن یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے اقبالیات کے لٹریچر میں ایک گرانقدر اضافہ ہوگا۔ سالِ رواں (۱۹۷۷ء) سالِ اقبال ہے اور اس موقع پر ایسی کتاب کا لکھا جانا عین وقت کی پکار ہے۔

سید جمیل احمد رضوی

کاروانِ عشق کا پرستار ـــــ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی غلامی ۱۸۵۷ء میں تکمیل پذیر ہو گئی۔ سلطان ٹیپو شہیدؒ، مفتی محمد باقر اور لاکھوں دیگر مجاہدین کی قربانیاں بھی ان کو غلامی سے نہ بچا سکیں اور حالت یہ ہو گئی کہ اب مسلمان، سیاسی، ذہنی اور معاشی غرض ہر لحاظ سے مغربی اقوام، انگریز کے دست نگر ہو گئے۔ مسلمانوں کی اس محتاجی اور غلامی نے ان کی سوچ پر زبردست اثر کیا اور نفسیاتی طور پر وہ سماجی احساسِ کمتری کی زبردست لپیٹ میں آ گئے۔ اب وہ اپنی حکمران قوم سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کو، اپنے سے برتر سمجھنے لگے۔ نتیجۃً مغرب کے افکار اور تمدن کی تقلید کرنا ہی برتری سمجھی جانے لگی۔ یہ دَور مکمل طور پر مسلمانوں کی مرعوبیت کا دَور تھا۔

سرسید احمد خان اور ان کے ساتھیوں نے مسلمانوں کو ان کی سیاسی، ذہنی اور معاشی پستی کی ناگفتہ بہ حالت سے نکالنے کے لئے کوششیں شروع کیں۔ اور سیاسی، تعلیمی اور سماجی و معاشی طور پر ان کی تعمیر و ترقی کے لئے پلیٹ فارم مہیا کئے۔ مسلم لیگ کی پیشرو جماعت آل انڈیا محمڈن ایجوکیشن اور علی گڑھ کالج نے مسلمانوں کے شعور کو بیدار کرنے اور ۱۸۵۷ء کے واقعے سے پیدا ہونے والی یاسیت کو ختم کرنے کی تحریک شروع کی۔ انہوں نے مسلمانوں کو ان کی عظمتِ رفتہ کی یاد دلائی اور انہیں سماجی و معاشی طور پر ابھرنے اور سیاسی و تعلیمی میدان میں آگے آنے کے لئے ابھارا۔ ان مصلحین کی اس جدوجہد اور اس دَور کی تمام علمی تحریروں پر مرعوبیت کی چھاپ، واضح طور پر موجود ہے۔ اور ان کا تمام تر انداز معذرت خواہانہ (APOLOGISING) ہے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں اور اسلام کی بہتر صفات اور ان کی عظمتِ رفتہ کی باتوں کو مغربی حوالوں کے ذریعے بہتر ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کبھی جمہوریت کے حوالے سے اسلام میں جمہوریت کی بات کی۔ کبھی ان کے موجودہ نظام کی بعض خوبیوں کو اسلام کے قدیم دَور میں تلاش کیا۔ بہرحال ان کے تحریر و عمل میں معذرت خواہانہ انداز شدت سے موجود رہا۔ جو اس ہمہ گیر مرعوبیت کا پرتو تھا جو اس وقت تمام ملتِ اسلامیہ پر چھائی ہوئی تھی اور اس وقت

صرف ہند کا مسلمان ہی نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام مغرب کے استعماری پنجے کی گرفت میں تھی اور اب تو اس میں اس پنجے کی گرفت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ہمت بھی قریب قریب دم توڑ چکی تھی ۔ اس لئے مذکورہ معذرت خواہانہ انداز کا اختیار کیا جانا شاید اسی وجہ سے تھا کہ اس وقت مسلمان قوم کو ہر چیز کو حتیٰ کہ اپنی عمدہ اقدار تک کو بھی مغربی عینک سے پرکھنے کی عادت ہو چکی تھی وہ کسی بھی علم و فن، سیاسی نظام حتیٰ کہ تعلیم و طب کو بھی مغربی سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے ۔ وہ اپنے دیس کے کپڑے پر بھی افرنگ کا ٹھپہ لگا ہوا دیکھ کر پسندیدگی کا اظہار کرتے تھے ۔

ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں اصلاح کا کام کس قدر مشکل تھا ۔ اسی کٹھن صورت حال کی وجہ سے سر سید احمد خان اور ان کے ساتھیوں نے مشرقیت کو مغربیت کے حوالوں سے روشناس کرانے کی تحریک جاری کی ۔ لیکن حیرت و تعجب کا مقام ہے کہ اسی دور میں پنجاب کے دل لاہور سے مولانا محمد حسین آزاد نے مشرقیت کو براہِ راست خود مشرقیت ہی کے لئے حوالے سے روشناس کرانے کی داغ بیل ڈالی اور علوم شرقیہ کے کالج کی بنیاد رکھدی جو بعد میں پنجاب یونیورسٹی کی تاسیس کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا ۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ادبی اور سماجی اصلاح کے لئے انجمن پنجاب کے ذریعے بھرپور کام لیا گیا ۔

بہر حال ابھی ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو اس تباہ کن مرعوبیت کے دلدل سے نکالنے کے لئے معذرت خواہانہ انداز ترک کیا جائے اور انہیں براہِ راست ان کی قومی خصوصیات سے آگاہ کیا جائے ۔ ان کی عظمت رفتہ ان کو یاد دلائی جائے اور ان کے مقابلے میں مغربی تہذیب و تمدن، سیاست و معیشت ، تعلیم و تربیت اور اس کے دیگر نظاموں کی خرابیاں ، آگے بڑھ کر ان کو بتائی جائیں ۔ تاکہ مسلمان مغربی سراب کے فریب سے نجات حاصل کر کے خود اپنے لئے تعمیر و ترقی کی راہ متعین کریں ۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہ دور بھی آگیا کہ عالمگیر پیمانے پر خونریزی کرنے کے بعد یورپی اقوام کی طاقت مضمحل ہو گئی تھی ۔ ان کے استعماری پنجے کی گرفت ڈھیلی ہونے لگی تھی ۔ اب وقت آ پہنچا تھا کہ مسلمانوں کو خود انہی کے حوالے سے اپنی پہچان کرائی جائے ۔ اور ان کو ان کے مقام برتر کا احساس دلایا جائے ۔

اس دور کے تعلیمیافتہ لوگوں میں یہ احساس بیدار ہونا شروع ہو گیا تھا ۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے مسلم لیگ میدان میں آچکی تھی ۔ ایسے میں قدرت سرزمینِ سیالکوٹ کی ایک فرد علامہ اقبال کو اس امر کے لئے چن چکی تھی کہ وہ مسلمانوں کی بہترین اقدار کو دوبارہ ان سے متعارف کرائیں ۔ اور مغربی تعلیم یافتہ اور مغرب دیدہ ہونے کی بنا پر مغرب سے ان کا تقابل کر کے مغرب کی خرابیاں ان پر

عیاں کریں۔ چنانچہ اقبالؔ نے اس کے لئے کمر ہمت باندھی اور اپنے زبان و بیان کو مسلمانوں کی بیداری کے لئے استعمال کیا۔ اس کے لئے انہوں نے "خودی" کا نظریہ پیش کیا۔ اور مسلمانوں کو اپنی خودی بلند کرنے کی دعوت دی تاکہ جس احساسِ کمتری نے مسلمانوں میں اپنی جڑیں گاڑ رکھی ہیں اسے اکھاڑ پھینکا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مغربی تہذیب کو بھی آئینہ دکھایا اور میکیاولی کی عطا کردہ اخلاق سے عاری مغربی، لادینی چنگیزی سیاست کو بے نقاب کیا۔ جس میں مذہب کو صرف استحصال و استعمار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا:

میری نگاہ میں ہے یہ سیاست لادین
کنیزِ اہرمن و دوں نہاد و مُردہ ضمیر
ہوئی ہے ترکِ کلیسا سے حاکمِ آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیوِ بے زنجیر
متاعِ غیر پہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
تو ہیں ہراول لشکر کلیسا کے سفیر

اقبالؔ کو مغربی علوم و تمدن کی جلوہ سامانیاں اور ملمع سازیاں مرعوب نہ کر سکیں بلکہ انہوں نے اپنے فہم و فکر کو محمد و آلِ محمد کے منبع سے حاصل کیا۔ خود فرماتے ہیں:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ تھا میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو ملتِ اسلامیہ کی قومیت کا مرکزی نقطہ قرار دیتے ہیں اور وطن کی بنیاد پر قومیت کی زبردست تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہے اگر قومیتِ اسلام پابندِ مقام
ہند ہی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہے نہ شام

آہ یثرب دیس ہے مُسلم کا تو، ماویٰ ہے تو
نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو !!!

علامہ اقبال نے عقلی غلامی کی تردید کے لئے جذبۂ خلوص پر زور دیا ہے اور اس کے لئے 'عشق' کی اصطلاح استعمال کی اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ میں 'عشق' کی کارفرمائی ثابت کی۔ 'عشق' سے بے بہرہ عقلی غلامی میں جکڑے ہوئے ملّاؤں کی پرزور مذمت کی اور قرآن پر ان کی چیرہ دستیوں اور اسلام کو اپنی ذہنی قلابازیوں کی آماجگاہ بنانے پر ان کو سخت الفاظ میں تنبیہ کی۔ ان کے نزدیک یہی لوگ ملتِ اسلامیہ کے زوال کے باعث تھے۔ ایسے لوگوں نے ملت کی کشتی کو بھنور میں سے نکالنے کی بجائے اس کو ڈبونے کی کوششیں کی تھیں اور یہ علامہ کے نزدیک بہت بڑی 'بوالعجبی' تھی۔ وہ ایسے لوگوں کے بارے میں ایک جگہ فرماتے ہیں

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

ملتِ اسلامیہ کو 'عشق' کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ وہ ان کے سامنے 'عشق' کے آئیڈیل (نمونے) بھی پیش فرماتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کا خود رویہ یہ ہے کہ وہ تعلیم کے ساتھ مثالی نمونہ بھی پیش کرتا ہے۔ قرآن نے ابراہیم علیہ السلام کو آئیڈیل مسلم کی حیثیت سے پیش کیا اور ان کے بارے میں فرمایا:

مَا كَانَ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ
حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۝

(ابراہیم) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو بالکل (مثالی)
کھرے مسلمان تھے۔

اور پھر مسلمانوں کو یہ بھی ہدایت کی کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۝

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (کی حیاتِ مقدسہ) میں بہترین
نمونۂ عمل موجود ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى آدَمَ وَنُوْحًا وَّآلَ اِبْرَاهِيْمَ وَآلَ
عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ ٥

بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام عالمین میں سے آدمؑ و نوحؑ کی شخصیتوں،
اور آلِ ابراہیمؑ (اولادِ ابراہیمؑ کا معصوم سلسلۂ انبیاء) اور آلِ
عمران (یعنی آلِ محمدؐ کا معصوم سلسلۂ اوصیاء و آئمہؑ) کو مثالی
حیثیت سے چن لیا ہے (اب یہ ملّتِ اسلامیہ کے لئے مثالی نمونۂ عمل ہیں)

سب پر یہ روشن ہے کہ اسلام کے یہ نمونے اور ہیرو (HERO) مغرب کے ہیروز کے مقابلے میں بالاتر اور کہیں زیادہ قدآور ہیں اور مسلمانوں کے دلوں میں اب تک ان کی عظمت کے نقوش جگمگاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے حوالے سے جو اقدار مسلمانوں کے سامنے پیش کی جائیں گی وہ دل و جان سے انہیں اپنانے کی کوشش کریں گے۔

علامہ اقبال کی تمام تر شاعری کی بنیاد ہی 'کاروانِ عشق' ہے۔ اور اس کاروان کی عقیدت و محبت کا احساس اس پر پورے طور پر چھایا ہوا ہے۔ کہیں وہ 'صدقِ خلیل' کو عشق کہہ رہے ہیں تو کہیں 'صبرِ حسین' کو عشق کی امتیازی قدر بتا رہے ہیں۔ کہیں وہ عشق کے لئے علی کی ذاتِ گرامی کو 'سرمایۂ ایمان' قرار دے رہے ہیں اور کہیں جھوم جھوم کر کہتے ہیں:

جمالِ عشق و مستی نے نوازی!
جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؑ
زوالِ عشق و مستی حرفِ رازیؒ

اور پھر محورِ آلِ محمدؐ اور عصمت کا مرکزی نقطہ جنابِ زہرا سلام اللہ علیہا کی ذاتِ والا صفات کے بارے میں اپنی مشہور مثنوی رموزِ بے خودی میں اعلان کرتے ہیں:

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

اقبال نے اپنی شاعری میں جابجا ان "قافلہ سالارانِ عشق" کو امّتِ مسلم کی عظمت کے تمثیل (Symbol) کے طور پر استعمال کیا ہے اور ان کے حضور اکثر اپنا خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ حقیقت

بھی ہے کہ یہ آسمانِ ہدایت کے وہ درخشندہ ستارے ہیں جن کے ذریعے ہم صراطِ مستقیم پہ گامزن ہو سکتے ہیں اور ان کی مثال فرمانِ رسولؐ کے مطابق دین و دنیا میں کشتیٔ نجات کی ہے ۔ اگر مسلمان قوم کو اس دنیا میں سر ابھار کر جینا ہے تو اسے ضرور اس 'کاروانِ عشق' کے آستانے پر اپنا سر جھکانا پڑے گا ۔

زیرِ نظر کتاب میں ملک کے ممتاز شاعر جناب احسن عمرانی نے خاکِ مدینہ و نجف کے منتشر ذرات کو یکجا کر کے اس دیدہ زیب شیشے میں جمع کر دیا ہے تاکہ وہ ملتِ اسلامیہ کے لئے کحلِ نظر کا کام دے اور وہ اقبال کے پیام کی روح سے آشنا ہو سکے ۔ مدحِ آلِ محمدؐ ہی وہ روح ہے جو اقبال کے تمام کلام میں جاری و ساری ہے ۔ اور پھر اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ شعرِ شاعر کی تشریح بزبانِ شاعر ہے ۔ شاعر ہی شاعر کو بہتر طور پہ سمجھ سکتا ہے ۔ اور انہوں نے اتنی شگفتگی سے شعرِ اقبال کی شرح کی ہے ۔ اور اس کے افکار کو ایک سلک میں پرو دیا ہے کہ اقبال کی فکر قاری کے ذہن کے تاریک گوشوں کو روشن کرتی چلی جاتی ہے اور ذرا بھی گرانی محسوس نہیں ہوتی اور کیوں نہ ہو آخر اقبال کی شرح اقبالؒ کی زبانی ہوئی ہے ۔

یہ کتاب ہر طرح جامع ہے اور اپنے موضوع کا مکمل طور پر احاطہ کرتی ہے ۔ نیز سلکِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ہر گوہرِ شہوار کے بارے میں اقبال کے احساسات و جذباتِ عقیدت کو پیش کرتی ہے جبکہ اس سے پیشتر شائع ہونے والی ایک کتاب 'اقبال آلِ محمدؐ کے دربار میں' رسالت مآبؐ کے تذکرہ سے خالی رہی اور ایک اور کتاب 'اقبال اور حبِ اہلبیتِ اطہار' میں جناب مہدی المنتظرؑ کے بارے میں اقبال کے افکار کو پیش نہیں کیا گیا ۔

شاہ مفخر عالم جعفری ایم۔اے

جناب علامہ سہیل بنارسی
سابق چیف ریڈر بلدیہ بنارس (انڈیا)

اقبال در مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ

یہ شاندار تصنیف اس جواں سال مصنف کے زورِ قلم کا نتیجہ اور ذہنی تجلیات کا شاندار کرشمہ ہے جس کی نیم پختہ زندگی جس کا بیشتر حصہ ادبی وادی کی سرد و گرم ہواؤں میں بسر ہوا، مصنف موصوف سید اقبال حسین زیدی اپنے تخلص "احسن عرانی" (چنیوٹی) کے ساتھ ادبی ماحول میں خاص مقام کے حامل ہیں۔ ادارہ معارفِ اسلام لاہور کی روحِ رواں اور پاکستان رائٹرز گلڈز کے ممبر ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں۔ طبیعت کا جھکاؤ دینی خدمات کی جانب ہے۔ فطرتِ فیاض سے موصوف نے بہت کچھ پایا ہے۔ کاش زمانہ بھی ساتھ دے سکے اٹھارہ سال سے زیادہ کی مستقل کارکردگی کے تجربے نے وہ وسعتِ نظر عطا کی ہے کہ نظم کی جولانگاہ ہو یا نثر کا میدان ان کی سعی ہر جگہ مشکور نظر آتی ہے۔ قریب تر مطالعہ کی بنا پر یہ کہنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں ہوتی کہ احسن عرانی کا ادبی شعور بیدار اور ارتقائی رفتار برسرِ کار ہے۔ ایسے ادبی اور دینی مجاہد کے روشن مستقبل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونا چاہیئے۔

زیرِ مطالعہ تصنیف "اقبال در مدحِ محمد و آلِ محمدؐ" از اول تا آخر تصنیف و تالیف کے حسین امتزاج کی عکاسی کرتی ہے۔ مضامین کے انتخاب اور برمحل استعمال میں جس بالغ نظری سے کام لیا گیا ہے قابلِ ستائش ہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے خیالات کی عظمت، کلام کی ندرت اور رہنمایانِ دین کے ساتھ بے پناہ عقیدت نے ہر مکتبۂ فکر سے وابستہ افراد کو اپنے اپنے حوصلے کے مطابق طبع آزمائی کی دعوت دی ہے۔ اہلِ قلم لبیک کہہ کر اٹھے، آگے بڑھے اور بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ ایک سلسلہ ہے جو مسلسل منظرِ عام پر آ رہا ہے۔ حق بھی یہی ہے کہ سعی بار ور ہو کر زمانے کو نئی روح بخشتی رہے۔ احسن عرانی صاحب نے عقیدت مندانہ کاوشوں کے ساتھ

انتخاب میں غیر معمولی دلچسپی لی اور کتاب کی صورت میں خوش اسلوب سے قارئینِ کرام کے ملاحظے کے لیے پیش کرنے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ یہ کتاب ہر پہلو سے ایک مکمل کتاب کہے جانے کے قابل ہے۔ دیکھنے میں نگاہوں کی زینت، پڑھنے میں ذہن و روح کی لذت!

اُمید ہے کہ مصنّف موصوف کی یہ پُرخلوص کوشش ثمر لائے گی اور مقبولِ خاص و عام ہو کر حوصلہ افزائی کا باعث ہوگی۔ بعد تمنائے نیک

سُہَیلؔ بنارسی

پنجشنبہ ۲۷ جنوری ۱۹۷۶ء ۲۶ صفر المظفر ۱۳۹۶ سنہ ہجری !!!

شاعرِ حسینیت حضرت قیصر بارہوی
صدر حلقۂ شعراء اہلِ بیت (پاکستان)

اقبال درمدحِ محمدؐ وآلِ محمدؐ

"اقبالؒ درمدحِ محمدؐ وآلِ محمدؐ"

ایک ایسی منفرد اور معالجِ روح کتاب کا نام ہے جس کا مطالعہ آبِ حیات سے کم نہیں۔

وہ لوگ جو اپنے شعور کو پروان چڑھاتے ہیں یقیناً ایسی ہی کتابوں سے محبت کرتے ہیں۔

جس طرح اچھی غذا انسان کے جسم کو بہترین خون فراہم کر کے صحت مند رکھتی ہے اسی طرح اچھی کتاب روح کو بیمار نہیں ہونے دیتی۔

کیا روح بھی بیمار ہوسکتی ہے؟ یہ سوال آپ ضرور کریں گے۔ جی ہاں روح کی بیماری کا باعث وہ کتابیں ہیں جو صرف ذہنی عیاشی اور غلیظ ماحول کا آئینہ دکھا کر انسان کو حیوان کا روپ دھارنا سکھاتی ہیں۔ رنگین لفظوں میں نفس پرستی کر بھونڈے بہت دلکش، نہایت دل زیب اور حسین ترین نظارہ پیش کرتے ہیں لیکن معاشرے کی ناؤ ڈبو دیتے ہیں۔

معاشرے کی ناؤ کو ڈوبنے سے بچانا آسان کام نہیں۔ اس کے لئے انیسؔ کا شعور اور اقبال کا اندازِ فکر درکار ہے۔ کیونکہ زیرِ نظر کتاب صرف اقبال سے متعلق ہے اس لئے گفتگو بھی صرف اقبال ہی پر ہوگی۔

آئیے اقبال کو تلاش کریں۔ اقبال علامہ ہیں۔ ضرور کہیں ایسی جگہ ملیں گے جہاں علم کی بارش ہو رہی ہو، جہاں علم بول رہا ہو، ہمیں معلوم ہے کہ اقبالؒ تمام دنیا کے ماہرینِ علوم سے مل چکے ہیں۔ اقبال نے مغرب کے

دانشوروں سے مطمئن ہوئے نہ مشرق کے نکتہ چینیوں سے متاثر ہو سکے۔ اقبالؔ کی نگاہ کا سفر تمام ہوا تو انا مدینۃ العلم و علیٌ بابہا کی فضاؤں میں تمام ہوا۔

کیا اقبالؔ کبھی زرد دھوپ کے پہاڑ یا برف کے جھولوں میں نظارہ کش ملیں گے یا دور برگد کے نیچے کبھی دوشیزۂ صحرا سے ہمکلام نظر آئیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

اقبالؔ تو اس دربار میں سجدہ ریز ہیں جہاں انسانی عظمتوں کا درس دیا جا رہا ہے۔ اشرف المخلوقات کے معنی بتائے جا رہے ہیں۔ تخلیق کائنات کا مقصد بیان کیا جا رہا ہے۔ اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ کی تفسیر سنائی جا رہی ہے۔

یہ بارگاہ، صرف محمدؐ و آلِ محمدؐ کی بارگاہ ہے اور اقبالؔ کی درسگاہ!

اقبالؔ دنیا کے تاجداروں کے سامنے نہیں جھکتے بلکہ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ کی مصداق ہستیوں کے آستانے پر دستورِ اسلام کو منظوم کرنے کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اقبالؔ کی دعائیں قبول ہوئیں۔ عاشقِ رسولؐ نے آلِ رسولؐ کا وسیلہ اختیار کیا اور سب کچھ پا لیا۔

ناظرین!

یہ بھی کتنی عجیب بات ہے اور کس قدر حسین اتفاق ہے کہ اقبالؔ در مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے مؤلف بھی سید اقبال حسین ہیں، دنیائے فکر و سخن میں احسنؔ عمرانی کے نام سے مشہور ہیں۔ دیکھیے احسنؔ عمرانی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ کتنا خوبصورت اور بالیدگیِ رُوح کے لئے کتنا اچھا نسخہ ہے۔ نام ہی سے ظاہر ہے "اقبالؔ در مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ"۔ اقبالؔ نے محمدؐ و آلِ محمدؐ سے جو کچھ پایا وہ فرزندانِ اسلام میں تقسیم کر رہے ہیں۔

احسنؔ عمرانی صاحب ماشاء اللہ بہت خوب لکھتے ہیں اور انفرادیت کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ وہ دن دور نہیں کہ احسنؔ عمرانی کا منفرد اندازِ تحریر منفرد اربابِ فن سے خراجِ تحسین حاصل کرے گا۔

راقم الحروف کو احسنؔ عمرانی سے بڑا پیار ہے۔ جس طرح ایک بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی سے ——— لہٰذا ہزار ہا دعاؤں کے ساتھ چند سطور سپردِ قلم کی گئیں۔

قیصر بارہوی

۸، اپریل ۱۹۷۷ء

جناب سکندر سہراب
ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔

تکمیل جمیل

سید بھائی کے دوستوں کی فہرست بہت طویل ہے ۔ ان کے حلقۂ احباب میں ہر مکتب فکر کے لوگ ہیں ۔ نذیر اکبر آبادی کی طرح ان کا مزاج عوامی ہے ۔ کسی بھی رنگ میں ہو وہ زندگی کو بہت قریب سے دیکھتے ہیں ۔ شہر میں کوئی محفل، کوئی ہنگامہ ہو سید بھائی کو موقع ملے تو ضرور جاتے ہیں ۔ اور کبھی مجھ جیسے گوشہ نشین کو بھی ساتھ کھینچ لے جاتے ہیں ۔ طبیعت کی ہنگامہ پسندی اور زندہ دلی نے ان کے شب و روز مصروفیت کے نام لکھ دیئے ہیں ۔ ایسے میں مطالعہ کے لئے وقت نکالنا اور ایک ضخیم کتاب کو سچ مچ مکمل کر دینا ہی سید بھائی کے عزم و عظمت کی دلیل ہے ۔ میرے خیال میں ایسے بے نیاز اور عدیم الفرصت انسان کے ہاتھوں ـــــ اقبال در مدح محمدؐ و آل محمدؐ ـــــ جیسی کتاب کی تکمیل ہو جانا ـــــ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ۔

اس موضوع پر جن کتابوں کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے ان حضرت علامہ مرزا احمد علی مرحوم کی "پیام اقبال" اور "نوائے اقبال" ہیں ۔ علامہ صاحب کی علمی فضیلت اور گرانقدر دینی خدمات سے کون انکار کر سکتا ہے ۔ وہ ایک جیّد اور باعمل عالم تھے ۔ ان کا میدان بہت وسیع تھا ۔ شاید اسی لئے وہ اس طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکے ۔ اور صرف اشعار کے تراجم تک محدود رہے ۔ رئیس احمد جعفری نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا اور "کتاب عشق رسولؐ" لکھدی ۔ رئیس نے حضور کریمؐ کی شان میں اقبال کے تمام اشعار کو یکجا کیا ہے ۔ ذکر اہل بیت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ۔ جبکہ ذکرِ رسولؐ کے ساتھ ذکرِ اہل بیت بھی ہوتا تو تشنگی محسوس نہ ہوتی ۔

سید محبوب زیدی نے اپنی کتاب "اقبال اور حدیث ائمۂ اطہار" میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی مگر امام مہدیؑ ـــــ کا ذکر نہیں کیا ۔

اس موضوع پر ایک اور کتاب ـــــ "اقبال آل محمدؐ کے دربار میں" نظر سے گذری جس کے مصنف سید

نجم الحسن ہیں۔ ایم۔اے اردو ہونے کے ناطے سے اگر وہ زبان و بیان کی دلکشی اور اثر انگیزی کی طرف تھوڑا سا دھیان دیتے تو تحریر میں جان پیدا ہو جاتی۔ ان کی تحریر میں مادری زبان کا اثر غالب ہے۔ اس کے علاوہ اس میں نبی مکرمؐ کے باب کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے وقار انبالوی کے شعر

اسلام کے دامن میں اور اس کے سوا کیا ہے
اک ضربِ یداللٰہی، اک سجدۂ شبیریؑ

کو اقبال سے منسوب کر دیا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے انہوں نے تحقیق کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔

ان تمام کتابوں کو سامنے رکھ کر جب میں سید بھائی کی کتاب "اقبال در مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ" کو دیکھتا ہوں تو بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ صرف غزل اور سلام ہی کے شاعر نہیں بلکہ ایک خوبصورت نثر نگار بھی ہیں۔ ان کا انداز بیان، اشعار کی تشریح اور اس پر اپنی رائے ——— مختلف شعرائے کرام کے اشعار کو نہایت چابکدستی سے انگوٹھی میں نگینے کی طرح جڑنا ——— ان کی ایک ایک بات نقاد اور قاری سے زبردست داد وصول کرتی ہے۔ میرے نزدیک اس موضوع پر یہ ایک مکمل اور جامع کتاب ہے۔ جس میں حضورؐ اکرم سے لے کر امام مہدیؑ تک کی تاریخ ——— اقبال کے اشعار کی روشنی میں لکھ دی ہے۔

زبان، بیان، ترتیب، تشریح غرض کوئی پہلو کمزور نہیں۔ جو احباب سید بھائی کو اب تک صرف ایک شاعر کی حیثیت سے جانتے تھے وہ مانیں گے کہ وہ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ اونچے پلے کے نثر نگار بھی ہیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ سید بھائی .... تحصیل کیتھل ضلع کرنال (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن بھی ایک ایسے ہی علاقے چنیوٹ ضلع جھنگ میں گزرا۔ مگر ان کی اردو ——— اتنی شستہ ہے کہ ان پر کبھی کبھی لکھنوی ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ اگر وہ سنجیدگی سے کام کریں اور گردشِ زمانہ انہیں فرصت دے تو وہ اس میدان میں بہت آگے جا سکتے ہیں۔ اس موضوع پر یہ ہر طرح سے ایک کامیاب کتاب ہے۔ جس طرح نماز درود کے بغیر اور درود آلِ محمدؐ کے بغیر نامکمل ہے اسی طرح اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا سرکل اس کتاب کے بغیر نامکمل ہے۔ اردو ادب میں یہ کتاب ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سید بھائی کو عمرِ خضر عطا فرمائے۔

سکندر سہراب میو، ایم۔اے

عالیجناب ڈاکٹر عسکری بن احمد

ایم بی بی ایس (پنجاب)

بیڈیکل آفیسر (نیپا) (NIPA) - لاہور

مجلسِ اقبال

اقبال کا دعوٰی ہے :-

بیا بمجلسِ اقبال یک دو ساغر کش

اگرچہ سر نتراشد قلندری داند !

مجلسِ اقبال میں آ۔ دو ایک ساغر پی اور پھر دیکھ سر منڈوانے

کے بغیر ہی کیونکر قلندری آجاتی ہے :-

میرے بہترین رفیقِ کار اور قابلِ ستائش قلمکار عزیزم احسن عمرانی نے اس کتاب (اقبال در مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ)

کی شکل میں ایک ایسی ہی مجلس قائم کی ہے۔ جس میں میرِ مجلس علامہ اقبال ہیں - آئیے! دو چار گھڑی بیٹھئے! آئیے

صاحب آئیے! اور قلندر یعنی مردِ حُر بننے کا کرشمہ دیکھئے!

⦿ فکرِ اقبال کے ڈھانچے (STRUCTURE) میں خودی وخودداری یا الغو BELOVED EGO

ریڑھ کی ہڈی ہے۔ خودی شخصیت کا نکھار ہے۔ علامہ اقبال نے اسی عظمتِ انسانی اور شرفِ مسلمانی کو جلا دی۔

نوجوانوں کے خون کو گرمایا اور ملتِ بیضا کو ولولۂ تازہ دیا۔

"خودی سے بے خودی تک" اور "خودی سے خدا تک" پہنچانے کے لئے جو بنیادی اقدار اقبال نے پیشِ نظر

رکھیں وہ عشق و مستی، صدق و صفا اور فقر و استغنا، زور و مردانگی ہیں - ان اقدار کے IDEALS جو علامہ اقبال

علیہ الرحمہ کے سامنے ہر آن بڑی شان سے رہتے ہیں وہ عشقِ ابراہیمی، ضربِ کلیمی اور پھر فرقِ خیر (مصطفوی) میں

عشقِ ید اللّٰہی، اسد اللّٰہی، زورِ حیدری، فقرِ خیبر گیری اور بوترابی، استغنائے سلمانی، صدقِ سلمانی، سوزِ بلالی

فقرِ بوذری اور فقرِ شبیری ہیں۔

ان اقدار پر عمل پیرا ہونے سے جو کردار پیدا ہوتا ہے علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اسے ابراہیمی و کلیمی اور رحمتہ

للعالمین کے سوا حیدری و کراری اور شبیری کے ناموں سے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ

کہ بطور مسلک کے اگر اقبال نے کسی کو تلمیح و شاعرانہ علامت بنایا ہے اور اپنایا ہے تو وہ صرف "مسلکِ شبیری" ہے۔

اور پھر فاش کہہ دیا " با من میا کہ مسلکِ شبیرم آرزو ست " یہ امتقد اور ہمقدم تو وہی ہو گا جو میری طرح مسلک شبیری پہ گامزن ہو۔

مسلکِ شیر و شاہین کے پس منظر میں بھی " شیرِ مولا " اور " شاہینِ شاہِ لولاک " کے حقائق ہی ملیں گے۔

ایسا کردار ہی معراجِ مسلمانی ہے۔ ایسا صاحبِ کردار ہی مردِ مومن اور فردِ کامل ہے۔ ایسا مردِ خدا ہی فوق البشر ہے۔ ایسا مردِ مومن تکمیلِ خودی کی بنا پہ ہی بلند ترین شخصیت TOWER PERSONALITY کا مالک ہوتا ہے۔ اسی لئے اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا ہے اور مرجع انام ہو جاتا ہے۔ مردانِ حُر اسے اپنا امام ماننے لگ جاتا ہے۔ اور درویشانِ خدا مست اسے اپنا پیر و مرشد بنا لیتے ہیں اور مردانِ قلندر اپنے وجدان سے اپنا پیشوا جان لیتے ہیں۔ مردِ قلندر وہ کامل انسان ہوتا ہے جو خودی (خود) کے اثبات سے خُدا کے اثبات تک جا پہنچتا ہے۔ من عرفَ نفسہٗ فقد عرفَ ربّہٗ کا مصداق ہوتا ہے۔

اقبال کے فلسفۂ خودی کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ خودی کی کامل ترین صورت خدا ہے جو اپنی شانِ یکتائی میں سب سے اعلیٰ ہے۔ انسانی خودی انفرادیت کی منازل طے کرتے ہوئے خدا سے قریب تر ہو جاتی ہے۔ لیکن اپنا علیحدہ وجود برقرار رکھتی ہے۔ علامہ اقبال کا نظریۂ خودی اسی مقام پر ہمہ اوست کے نظریے سے مختلف ہو جاتا ہے۔

" بنایت مردِ مومن " مولا صفات ہو جاتا ہے۔ یزداں صفت انسان ہو جاتا ہے۔ صبغۃ اللہ اس پر اتنا زیادہ چڑھ جاتا ہے کہ خدائی رنگ کی وجہ سے لوگ نصیری کی طرح بھول بھول کر اسے خدا کہنے لگ جاتے ہیں۔ چونکہ وہ خدا کا ہم رنگ ہو جاتا ہے۔ کائنات پر اسے تصرف حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی تصرف کو معجزات کا نام دیا جاتا ہے۔ تسخیرِ حیات، تسخیرِ کائنات، تسخیرِ شش جہات اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہوتا ہے۔ ہاتھ کا نہیں انگلی کا بلکہ آنکھ کے اشارہ کا

ع ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کارآفریں، کارکشا، کارساز

گویا یدُ اللہ ہو جاتا ہے۔ اس کا ہر فعل فعلِ خدا ہو جاتا ہے۔ اور اسی رنگ کی بنا پہ وہ خود بھی مولا ہو جاتا ہے۔ اور راہِ نجات یا صراطِ مستقیم پر راہ نما ہو جاتا ہے۔

ایسا بندۂ مولا صفات ہی نائبِ حق ہوتا ہے۔ وہی خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ وہ نبی ہوتا ہے۔ وہ امام الانبیاء ہوتا ہے۔ وہ رسول ہوتا ہے۔ وہ امام المرسلین ہوتا ہے، بعد رسول وہ وصی رسول ہوتا ہے۔ اور بعد ختم الرسل ایسا ہی مولا صفات امام ہوتا ہے۔ ولی اللہ ہوتا ہے۔ وصی رسول اور اولی الامر ہوتا ہے۔ گویا امیر المومنین ہوتا ہے۔

ہوئی جس کی خودی پہلے تیز ÷ وہی مہدی وہی آخر زمانی

اور ایسا ہی موصوف صفات آخری اول الامر صاحب العصر والزمان اور مہدیٔ دوراں ہوتا ہے۔

◉ آج دنیا اقبال، اقبال پکار رہی ہے۔ مگر اقبال خود کس کو پکارتا رہا۔ یہی وہ نفسِ مضمون ہے جسے عزیزی احسن عمرانی نے اپنی تصنیفِ لطیف "اقبال در مدحِ محمد و آلِ محمدؐ" میں چھیڑا ہے اور ایسے ایسے مضراب لگائے ہیں کہ یادگارِ زمانہ رہیں گے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ خود ابراہیمؑ و آلِ ابراہیمؑ کے بعد محمدؐ و آلِ محمدؐ کے اذکار ہی کرتا رہا۔

دور بین نگاہیں صاف دیکھ سکتی ہیں کہ اس کے "سوزِ دروں"، اس کے "پیچ و تابِ رازی" اور اس کے "سوز و سازِ رومی" کے پیچھے یہی چبھن تو ہے۔ جب وہ بیخودی میں کبھی یوں کبھی یوں کہہ دیتا ہے۔

"اس زمانے میں کوئی حیدرؑ کرار بھی ہے؟"..........

"قافلۂ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں!"..........

"رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی"..........

"کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں"..........

پیچ و تاب میں پکارتا ہے:-

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا ÷ اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا

(ترجمہ: اے زمانے کے گھوڑے کے سوار آ، اے امکان کی آنکھ کے نور آ!)

اور کبھی بیخودی میں چلاتا ہے:-

دنیا کو ہے اس مہدیٔ برحق کی ضرورت

ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالمِ افکار

◉ مردِ مسلم کے لئے محض قرآن کو کافی نہیں جانا بلکہ جہاں قرآن کے متعلق علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن ÷ نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

وہیں یہ یقینِ محکم بھی خود پیش فرمایا:-

رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم ÷ ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

اقبال یوں قرآن اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ثقلین کو زیستِ مسلمان کے لئے ضروری جانتے تھے۔

◉ غرض اپنی شاعری، اپنے فلسفہ، اپنے فکر، اپنے دین، اپنے پیغام اور اپنے مشن کے لئے علامہ علیہ الرحمہ کو ایسے نمونہ ہائے تقلید، ایسے اسوۂ حسنہ کی تلاش تھی جو ہر پہلو سے ماڈلز MODELS اور مثالی ہوں۔

اس سرگردانی میں وہ برسوں پھرتے رہے یہاں تک کہ اوّلیں دور کشمکش میں گرو نانک کے متعلق کہہ دیا "ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے" (بانگِ درا بعنوان نانک) اور کبھی مہر لعینی کی طرف نگاہِ التفات جمائی۔ بالآخر اس کا سچا تجسّس انہیں حق کی طرف لے گیا اور انہیں دربارِ محمدؐ و آلِ محمدؐ میں لے آیا۔ جو بولتے قرآن تھے۔ جو قرآن کے (EMBODIMENTS) تھے۔ جن کے کردار قرآنی سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ جن کا خلق قرآن تھا گویا وہ قرآنِ ناطق تھے۔ عشقِ محمدؐ تو پہلے ہی سر پہ سوار تھا پنجتنِ پاک کے باقی افراد کے عشق سے بھی سرشار ہو گئے۔ اب اقبال کے مقدر کا ستارہ اقبال پہ ہوا۔ اور وہ سارے مسلمانوں کے محبوب ہو گئے۔

اس دور کی ان کیفیات کو خود انہوں نے یوں شعر بند کیا ہے۔

تب و تابِ بتکدۂ عجم نرسد بسوز و گدازِ من

کہ بیک نگاہِ محمدِ عربی گرفت حجازِ من

ترجمہ: بتکدۂ عجم کی تب و تاب میرے دل میں سوز و گداز پیدا نہ کر سکی وہ
اس لئے کہ محمدِ عربی کی ایک نگاہ نے میرے دل کے حجاز کو قابو میں کر لیا ہے۔

حمد بے حد مر خدائے پاک را آں کہ آسماں داد مشتِ خاک را

بے حد تعریف اس رسولِ عربی کی جس نے مٹھی خاک کو آسمان بنا دیا۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

از ولائے دودمانش زندہ ام در جہاں مثلِ گہر تابندہ ام

میں تو مسلم آن شاہِ مرداں علیؓ ہی کے خاندان کی ولا و محبت سے زندہ ہوں اور دنیا میں موتی کی طرح تابندہ ہوں۔ اسی سے میں اقبال کی صاحبِ اقبال ہو گیا ہوں۔

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفےٰ است

ورنہ گردِ تربتش گردیدمے سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے!

خدا کا آئین میرے پاؤں کی زنجیر ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ ص کے فرمان کا پاس ہے ورنہ میں تو نورِ چشمِ رحمۃ للعالمین حضرت فاطمۃ الزہرا سیدۃ النساء العالمین کی قبرِ پاک ص کے گرد طواف کرتا اور اس کی خاک پر سجدوں کی بارش کرتا۔

اے صبا! اے پیکِ دور افتادگاں اشکِ ما بر خاکِ پاکِ اُو رساں!!

اے بادِ صبا! اے دور افتادوں کی قاصد! ہمارے آنسو امام حسینؓ کی خاکِ پاک پر پہنچا۔

نظمیں

تہذیبِ فرنگی نے باندازِ فرنگی !! مہدی کے تخیل سے کیا زندہ وطن کو

اے وہ کہ تو مہدی کے تخیل سے ہے بیزار نومید نہ کر آہوئے مشکینِ ختن کو

◉ غرضیکہ یہ ظاہر ہے کہ اسلامی مکاتیبِ فکر میں سے اقبال کو ذہنی پناہ اگر کہیں ملی تو وہ شیعہ برانڈ آف تھاٹ میں ملی۔ لہٰذا ان کے فکر و فن اور شعر و سخن اور پیغام و مشن میں یہی رنگ رنگِ غالب ہے۔ جبھی تو کہا گیا ہے۔

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا

تفضیلِ علیؑ ہم نے سنی اس کی زبانی !! (بانگِ درا)

علامہ اقبال اپنی دعاؤں میں اپنے لئے اور امتِ محمدیہ کے لئے جو مانگا کرتے تھے، ان میں بھی یہی رنگ ہے

مجھے نانِ جویں بخشی ہے تو نے اسے بازوئے حیدرؑ بھی عطا کر !

ریگِ عراق منتظر کشتِ حجاز تشنہ کام

خونِ حسینؑ باز دہ کوفہ و شام خویش را

یا اللہ حسینؑ کی رسمِ ایثار کو پھر دنیا میں عام کر دے۔

◉ یہ سال تو سالِ اقبال ہے۔ اس کی تقریبات میں سب سے اہم اقبال و اقبالیات پر کتب ہیں۔ علامہ کی ساری کد و کاوش اور فکر و شعر و نگارش پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی جائے گی۔ ان میں احسن عمرانی کی تصنیف "اقبال در مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ" انشاء اللہ سب سے اونچی ہوگی۔ کیونکہ اس کا نفسِ مضمون وہی ہے جو اقبال کی ہر بات کے اندر رمز و سِرّ اور کنایہ و اشارہ کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ جسے وہ کہیں رمزِ مصطفےٰ کہتا ہے کہیں رمزِ قرآن۔ کبھی سِرِّ کلیمی اور کبھی سِرِّ ابراہیمی کہتا ہے۔ احسن عمرانی نے ایسے ہی اسرار و رموز اور کنایات و اشارات اور لفظیات و شاعرانہ علامات کی تشریح بڑی زوداں اور کمالِ جانفشانی سے کی ہے۔ زبان شگفتہ ہے، بیان شستہ ہے۔ سلیس ہونے کے باوجود بامحاورہ ہے۔ روزمرہ ہے۔ حاشیہ پر اسلامی لٹریچر کے حوالہ جات سے چمن آرائی ہے۔ یوں لگے جیسے کہ بہار آئی ہے۔

احسن عمرانی اپنی شاعرانہ پختہ بیانی میں نامور ہیں۔ حلقہ شعرائے اہلبیتؑ کے خاص رکن ہیں۔ کون سا مشاعرہ ہوگا جس میں احسن نہ ہوں۔ حلقہ میں خاص اہمیت کے مالک ہیں۔ اختر مرحوم جلیوٹی سے شرفِ تلمذ رکھتے ہیں۔ چوٹی کی شخصیات کے مالک ادیب اپنے حلقۂ یاراں میں رکھتے ہیں۔ جن میں وہ اپنے ادیبانہ ذوق کے لئے ہر دلعزیز ہیں۔ قومی ورکر کی حیثیت سے بے داغ کیریئر رکھتے ہیں۔

ادارہ معارفِ اسلام کے رکنِ رکین ہونے کے علاوہ ماہنامہ معارفِ اسلام کے سابق آنریری ایڈیٹر ہیں۔ یہاں میں ان کو اپنا مخلص ترین رفیق کار پایا ہوں۔ مذہبی ادب میں کارگزاری اور صحافت میں بڑی سرگرم عملداری کی بنا پر یہ رائٹرز گلڈ کے ممبر منتخب ہوئے۔ اپنے عنوان اور اپنی شان کے تقاضوں پر یہ کتاب اس کی مستحق ہے کہ اس کی نقاب کشائی کی تقریب رائٹرز گلڈ کی طرف سے ہو۔

اللہ تعالیٰ احسن عمران کی یہ مخلص سعی قبول فرمائے اور "اقبال در مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ" کو مقبول فرمائے:۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَسَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا آلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَآلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥

خاکپائے اہلِ بیتؑ

بندۂ ربِّ صمد ڈاکٹر عسکری بن احمد

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ

(القرآن الحکیم)

ہم نے ہر رسول کو اس لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے
حکم سے۔ یعنی رسول مطاعِ مطلق ہے۔ (النساء)

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(علامہ اقبالؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

:- ترجمہ :-

تسبیح کرتی ہے اپنے پروردگار کی جو مخلوقات آسمانوں
میں ہے اور زمین میں۔ اسی کی حکومت ہے اسی کو شایاں
ہیں سب تعریفیں اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

اہلِ حق را رمزِ توحید از بر است

در اٰتی الرحمٰن عبداً مضمر است

اسرار و رموز صفحہ ۱۰۵

اقبال کے ہاں فلسفۂ توحید دانندہ کون ہے۔ اس حقیقت کا اندازہ علامہ مرحوم کے مندرجہ بالا شعر سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ وہ (اقبال) رمز آشنائے توحید والوہیت ان بندگانِ خدا کو قرار دیتا ہے جو حق شناس ہونے کے ساتھ ساتھ حق پر قائم ہیں۔ اسی توحید سے علم وفضل و فرزانگی، حکمت و دانائی اور قوت و استحکام عبد (بندے) میں موجود ہے۔

چوں مقامِ عبدہ محکم شود

کاسۂ دریوزہ جامِ جم شود

اسرار و رموز صفحہ ۱۰۵

حکیم الامت شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال مقامِ عبد کے تعین کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ وہ (عبد) بات کا دھنی، قول کا پکا، وعدے کا سچا اور ارادے کا ناقابلِ تسخیر قلعہ ہوتا ہے۔ دریا اپنا رخ بدل سکتے ہیں، پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتے ہیں۔ برعکس اس کے بندۂ حق کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش آنا، ناممکن، ناممکن! ناممکن۔ اور جب

عہد رفعت کی منزل کو چھو جائے تو پھر گدائے بے نوا کا کاسۂ سر (کشکول) ساغر جمشید ہوا کرتا ہے۔ اللہ اکبر!

علامہ موصوف نے کس خوبصورت انداز اور دلنشین پیرائے میں عظمت آدم کا فلسفہ پیش کیا ہے۔

از رسالت در جہاں تکوینِ ما

از رسالت دینِ ما آئینِ ما

اسرار و رموز صفحہ ۱۱۶

علامہ صاحب! مقامِ عبد اور فلسفۂ عظمتِ آدمؑ کی گتھی سلجھانے کے بعد عبد کے وجود ذی جود کے عالم شہود میں آنے کا سبب " CAUSE " درحقیقت اس ذاتِ بابرکات، لائقِ صلوٰۃ، احمدِ مجتبیٰؐ، محمد مصطفیٰؐ کو بتاتے ہیں جن کے لئے حدیثِ قدسی میں ارشادِ رب العزت ہے: لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ، اے محبوب بندے میرے (محمدؐ) اگر میں (اللہ) تجھے پیدا نہ کرتا تو پھر دنیا کی کوئی چیز پیدا نہ کرتا، یہ زمیں کا فرشِ عنبریں اور آسمان کے تاروں ٹکی حسین جھلملاتی چادر کیوں پھیلاتا۔ یہ سب کچھ تیرے دم قدم کی بدولت ہے!

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد

بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

اسرار و رموز صفحہ ۱۱۶

شاعرِ مشرق فرماتے ہیں کہ خلاقِ دوجہاں، مالکِ کون و مکاں، ہمارے نبی اکرمؐ، ہادیِ مکرم محمد مصطفیٰؐ والا حشم پر اختتامِ رسالت و نبوت کا اعلان کرتا ہے اور خود سرکارِ دوجہاں احمد مجتبیٰؐ محمد مصطفیٰؐ نے اپنی زبانِ وحی ترجمان سے یوں ارشاد فرمایا۔ "لَا نَبِیَّ بَعْدِی" کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور اگر کوئی سر پھرا نبی ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ یقیناً کاذب ہوگا۔

جب ہم تاریخِ اسلام کو گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک ایسا اہم واقعہ بھی تاریخ کے اوراق میں جلی حروف میں ملتا ہے۔ جہاں پروردگارِ عالم اپنے محبوب کو یہ حکم دیتا ہے کہ اے میرے حبیب! پہنچا دے وہ پیغام جو تیری طرف

لہ جمشید ملک ایران کا ایک فرمانروا گذرا ہے۔ جس کے پاس ایک ایسا ساغر (پیالہ) تھا جس کی IMPORTANCE اہمیت اور خصوصیت یہ تھی کہ وہ (جمشید) تمام دنیا کا عکس اس میں دیکھ لیتا تھا۔ جم سے مراد جمشید ہے

(عمرانی)

نازل کیا۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو، تو نے رسالت کا کوئی کام نہیں کیا۔ اِدھر جبرئیلِ امین نے یہ پیغام ربِ جلیل پہنچایا، اُدھر رسولؐ نے "غدیرِ خم" پر پڑاؤ ڈالا۔ جو حاجی آگے جا چکے تھے انہیں اُلٹے پاؤں لوٹنے کو کہا، جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار کیا، جب جانے اور آنے والے اکٹھے ہو گئے، تو علیؑ کا ہاتھ تھام کر فرمایا۔ سنو! مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ[1] کہ جس جس کا میں (محمدؐ) مولا و آقا اس اس کا علیؑ مولا بھی ہے اور آقا بھی۔

جب خدا کا حبیبؐ پیغامِ ربِ جلیل پہنچا چکا تو فوراً یہ آیت اُتری: [2] اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ کہ آج کے دن ہم نے دین کو مکمل اور نعمت کو اپنی تمام کر دیا۔

رونق از ما محفلِ ایام را

او رُسل را ختم و ما اقوام را

اسرار و رموز صفحہ ۱۱۶

دنیائے آب و گِل میں یہ رونقِ دوام، زینتِ صبح، حسنِ شام کا حسین امتزاج ہمارے ہی دم سے بہم ہے۔ اور ہمارے پیارے نبیٔ مکرم، ہادیٔ اعظم، سرکارِ دو عالم، محمدؐ مصطفےٰ نے اپنے بعد

لا نبی بعدی ز احسانِ خدا است

پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰ است

اسرار و رموز صفحہ ۱۱۶

کا اعلانِ عام کر کے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، رسالت و نبوت کا اختتام کر دیا۔ اگر اس واضح اعلان کے بعد بھی کوئی سر پھرا، دعویٰ نبوت کرے تو وہ سراسر کاذب ہے۔ جھوٹوں پر اللہ کی بے شمار لعنت۔

---

[1] بحکم ربّ العزت رسولِ اکرمؐ کا یہ فرمان مشکوٰۃ شریف جلد ۲، مناقبِ علیؑ صفحہ ۲۵۹، جامع الترمذی صفحہ ۶۱۶، تفسیر دُرِّ منثور مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۵۹ اور علاوہ ازیں بارہ اور کتبِ احادیث میں یہ واقعہ موجود ہے۔ (عمرانی)

[2] سورۃ المائدہ پارہ ۶ (القرآن)۔ دین کے کامل و اکمل ہونے کی سند اور اپنی نعمت کے تمام ہونے کا اعلان پروردگارِ عالم بعد اعلانِ ولایتِ علیؑ المرتضیٰ کرتا ہے۔ جب کہ اس اعلان کے بغیر رسالت نامکمل اور نعمت ناتمام ہو تو بغیر اقرارِ ولایتِ علیؑ کوئی مسلمان کیسے ہو سکتا ہے۔ (عمرانی)

قوم را سرمایۂ قوت ازو
حفظِ سرِّ وحدتِ ملّت ازو

اسرار و رموز صفحہ ۱۱۸

قوم کی ہمت و طاقت ملّت کا تحفظ اور حفاظت کا راز بس اور بس اسی میں مضمر و پوشیدہ ہے کہ وہ آپس میں اتحاد و اتفاق پیار اور محبت سے رہیں۔ اور یہی وہ دولت بے بہا ہے جس کو زوال نہیں۔ اور یہ گرانمایہ سرمایہ یکجہتی و یگانگت، خلوص و مروت اور بھائی چارے کی فضا میں ہاتھ آتا ہے۔ یہی شعور قوم، ملک اور ملّت کی بقائے دوام کا ضامن ہوتا ہے۔ اگر مندرجہ بالا شعر کا مختصر ترجمہ علامّہ موصوف کے اس شعر سے کیا جائے تو کہیں زیادہ بہتر ہوگا۔

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

کیا یہ حقیقت نہیں کہ دریا میں اٹھی ہوئی ایک لہر (موج) بڑی سے بڑی کشتی کو ڈبو دیتی ہے۔ جبکہ یہ دریا میں ہو۔ اور دریا و سمندر سے باہر یہ موج کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

در دلِ مُسلم مُقامِ مُصطفٰےؐ است
آبروئے ما زِ نامِ مُصطفٰےؐ است

اسرار و رموز صفحہ ۱۲۰

ارشادِ رب العزت "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ" نبی کو مومنین پر ان کے نفس سے زیادہ حقِ تصرف ہے۔ مسلمان کا دل وہ جگہ ہے جہاں محمد مصطفٰیؐ کی محبت قیام پذیر ہے اور یہی چیز مسلم کیلئے فخر و مباہات اور آبرو کا باعث ہوتی ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ عاشقانِ رسولؐ، کلمہ گویانِ محمدؐ، مسلمانانِ عالَم کے دلوں اور دماغوں پر اگر کسی کی بادشاہت و حکمرانی ہے تو وہ صرف سرکارِ دوجہاں، رحمتِ کون و مکاں، احمد مجتبٰے محمد مصطفٰےؐ کی ذاتِ گرامی ہے۔ جس طرح ہم پر اطاعت پروردگارِ دوعالم واجب ہے اسی طرح اتباعِ رسولِ اکرمؐ بھی ہم پر لازم ہے۔ اسی اتباع میں ناموری اور خوشنودیٔ حق تعالٰی کا راز پنہاں ہے۔

طورِ موجے از غبارِ خانہ اش
کعبہ را بیتُ الحرم کاشانہ اش

اسرار و رموز صفحہ ۱۲۰

سبحان اللہ! کس خوبصورت پیرائے میں حکیم الامت شاعرِ مشرق فرماتے ہیں کہ حضورؐ نبی اکرم کے بیت الشرف سے آیا ہوا "ہوا" کا ایک جھونکا پوری انسانیت کے لئے باعثِ راحت و اطمینان ٹھہرا۔ کفر و شرک، فسق و فجور کا گھٹا ٹوپ اندھیرا صرف گھٹا ہی نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافور ہو گیا۔ اور انوارِ الٰہی کے چراغ روشن ہو گئے۔ جیسا کہ کبھی کوہِ طور پر اس کے جمالِ جہاں آرا کی ایک ہلکی سی چھوٹ پڑی تھی[1]۔ علامہ موصوف کے اشعار پُر مغز، لاثانی و پُر معانی اسی لئے ہیں کہ آپ کی نس نس میں عشقِ رسولؐ جاگزیں ہو چکا تھا۔

شعرِ لبریزِ معانی گفتہ ام

درثنائے خواجہ گوہر سفتہ ام — اسرار و رموز صفحہ ۲۲

اس شعر سے ہمارے مندرجہ بالا بیان کی تائید بخوبی ہو جاتی ہے۔

کمتر از آنے ز اوقاتش ابد

کاسب افزائش از ذاتش ابد — اسرار و رموز صفحہ ۲

سرکارِ دو جہاں، رحمتِ کون و مکان، وجہِ تخلیقِ آدمؑ، نبیؐ اکرم، ہادیِ اعظم، نورِ مجسم اتباعِ حق تعالیٰ اور مرضاتِ ایزدی کا گراں قدر اعزاز پا کر اس اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچ چکے تھے۔ جس کو "مقامِ محمود" کہتے ہیں۔ حقیقتِ امر یہی ہے کہ دنیا نے آپؐ ہی کی تعلیمات کی روشنی میں چل کر اعلیٰ منزل اور ارفع مقام حاصل کیا۔

---

[1] جہاں تک حقائق و واقعات اور تحقیقات کا تعلق ہے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ادھر حضرت موسیٰؑ کے پیہم اصرار پر کہ اے ربِ قدیر مجھے اپنا جمالِ جہاں آرا دکھا، اور ادھر سے جواب "لَنْ تَرَانِیْ" سننے کے باوجود یہی ضد، آخرش درخواست شرفِ قبولیت کی منزل میں داخل ہوئی، کوہِ طور پر موسیٰؑ اور ان کے حواریوں کو بلا کر ایک ہلکی سی جھلک دکھلائی تھی کہ حضرت موسیٰؑ کے ہوش جاتے رہے، ساتھیوں کا ذکر تو ہی کیا۔ اور وہ ہلکی سی چھوٹ جس نے موسیٰؑ کے ہوش گم کر دیئے تھے، وہ سرکارِ دو جہاں محمد مصطفیٰؐ کے حسن و قدس کے رُخِ روشن کی ذرا سی کرن تھی۔ (عمرانی)

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش
تاجِ کسریٰ زیرِ پائے اُمتش ۱؎

اسرار و رموز صفحہ

علامہ مرحوم اس شعر میں یہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری پس ماندگی کا سب سے بڑا سبب نااتفاقی اور ایک دوسرے سے دوری ہے۔ اگر آج بھی ہم اس گئے گزرے وقت میں اتفاق و اتحاد اور پیرویٔ سرکارِ رسالت مآب پر عمل کریں تو تخت و تاجِ قیصر و کسریٰ آج بھی امتِ مسلمہ کے پاؤں کی ٹھوکر میں ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ رسالت مآب کے بتائے ہوئے اصول و ضوابطِ حیات پر گامزن ہوں، یہی فرزندِ اسلام، پرستارانِ توحید کے لئے خیر اور منافع بخش ہے۔ حضور سرکارِ رسالت مآب کی سادگی اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کا یہ عالم تھا کہ کبھی حریر و دیبا، کمخواب و اطلس کے بستر پر نہ سوئے جبکہ زمین و آسمان کی ہر چیز زیرِ نگیں تھی۔ مگر آنحضورؐ فرشِ خاک پر لیٹ کر راحت محسوس کرتے، اگر عبادتِ حق تعالیٰ سے فارغ ہو کر شب کے کسی حصے میں لیٹے بھی ہیں تو کھال کے بستر یا چٹائی پر ورگرنہ خاک کا فرش آپ کا بستر ہوتا تھا۔

در شبستانِ حرا خلوت گزید ۲؎
قوم و آئین و حکومت آفرید

اسرار و رموز صفحہ

تاریخِ اسلام کے قاری سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آنحضورؐ نبی اکرمؐ کا اعلانِ بعثت سے پہلے معمول تھا کہ آپؐ آبادی سے دور ایک پہاڑ کی کھوہ میں تحمید و تقدیسِ الٰہی اور ذکرِ حق تعالیٰ میں محو رہتے، جہاں آپؐ یہ عمل کرتے تھے اس کو "غارِ حرا" کہا جاتا ہے۔ اسی مقام پر آپؐ پر وحیِ الٰہی کا نزول ہوا۔ آغازِ وحیِ الٰہی کے بعد سرکارؐ نے شب و روز کی محنتِ شاقہ، تکالیف و مصائب کی سختیاں جھیل کر پیغامِ الٰہی، بندگانِ الٰہی تک پہنچانے کی سعیِ جمیل کی اور جلد ہی امتِ وسطیٰ کو ترتیب دے کر انہیں قانونِ الٰہی کے ساتھ ساتھ ایک مملکت خداداد دے کر شتر کینہ لوگوں میں مہر و وفا کی روح پھونک دی۔ اسی مضمون کو مولانا الطاف حسین صاحب حالیؔ نے "مسدسِ حالی" میں یوں پیش کیا ہے:

۱؎ آج تک "فرشِ محمدیؐ" اسی لئے مشہور ہے۔ (ع)

۲؎ "غار" کھوہ کو کہتے ہیں۔ "حرا" اس پہاڑ کا نام ہے جس کے دامن میں حضور نبی اکرمؐ عباداتِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ یہ پہاڑ مدینۃ المنورہ سے کچھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ "غارِ حرا" کا طول ۴ گز اور عرض پونے دو گز ہے۔ (عمرانی)

اُتر کر حِرا سے سُوئے قوم آیا

اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

علامہ نے آنحضرت نبی اکرمؐ کی شب بیداری کے متعلق فرمایا ہے:

ماندِ شبہا چشمِ اُو محرومِ نوم

تا بہ تختِ خسروی خوابیدہ قوم

اسرارِ و رموز صفحہ ۲

تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضورؐ پوری پوری رات عبادتِ الٰہی میں معروف رہتے۔ تحمید و تقدیسِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کے پائے اقدس متورم ہو جایا کرتے تھے۔ جناب اُمِّ سلمہؓ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو جہاں ساری ساری رات ذکرِ الٰہی میں سرو قد کھڑے رہتے۔ صحابہ کرامؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ ہم نے سرکارِ دو عالم، نورِ مجسم، محسنِ اعظم کو کبھی رات کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بلکہ رات بھر نمازیں پڑھتے تھے۔ اگر روایات کو کلامِ الٰہی سے پرکھا جائے تو ربّ العزت کے اس ارشادِ مبارک پر نظر پڑتی ہے[1] یَاۤاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ اے میرے حبیب کالی کملی والے (محمدؐ) کھڑے رہا کریں رات کو مگر تھوڑا، آدھی رات بلکہ اس سے بھی کم۔

در دُعائے نصرت آمین تیغ اُو[2]

قاطعِ نسلِ سلاطین تیغ اُو

اسرارِ و رموز صفحہ ۲

نبی اکرمؐ کے نفسِ مطہرہ کا یہ عالم تھا کہ آپؐ تیروں، تلواروں، نیزوں اور خنجروں کی کڑکتی بجلیوں میں

---

[1] "سورۃ مزمل" (القرآن حکیم)

[2] جہاں فتح و نصرت کی دعائیں آپؐ کی تلوار آمین کہتی تھی، وہاں یہ تلوار میدانِ قتال میں نسلِ سلاطین کو ختم کرنے والی تھی۔ (مترجم)

نہایت اطمینان کے ساتھ خشوع و خضوع سے عبادت پروردگار اور ذکرِ الٰہی ادا کرتے ۔ یہاں تک کہ اگر گھمسان کی لڑائی میں نماز کا وقت آجاتا تو حیات و موت سے بے نیاز ہو کر خالقِ دوجہاں کے حضور، حضور معہ یار و انصار سجدہ ریز ہو جاتے ۔ حضورؐ ختمی مرتبت نے اس ظلم و جور کے خلاف آوازۂ حق بلند کیا ، جو نسلاً بعد نسلاً ایک انسان نے دوسرے انسان پر روا رکھا ہوا تھا ۔ آپؐ نے انسان کے وضع کردہ قانون کو کالعدم قرار دے کر ایک نہایت عمدہ ، صاف ستھرا ، سیدھا سادا ضابطۂ حیات اندر دے قرآن ہم تک پہنچایا ۔ جس کو عرف عام میں " اسلام " کہتے ہیں ۔ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات کا نام ہے اور اسی میں سلامتی ہے ۔ یہی وہ دین ہے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے ۔

وقتِ ہیجا تیغ اُو آہن گداز

دیدۂ اُو اشکبار اندر نماز

اسرار و رموز صفحہ ۳

وہ شجاعانِ عرب و عجم جن کی شجاعت کا لوہا مانا جاتا تھا وہ بھی سرکارِ رسالت مآبؐ کو سب سے زیادہ شجاع مانتے تھے ۔ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ جب غزوۂ بدر میں گھمسان کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے سرکارِ ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں پناہ لی ۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ غزوہ حنین میں آنحضورؐ اپنی جگہ پر کھڑے رہے ۔ یہاں تک کہ جنگ شدت اختیار کر گئی تو لشکرِ اسلام نے آپؐ ہی کے پہلو میں عافیت تلاش کی ۔ حضورؐ کی تلوار آہن گداز اور خارا شگاف تھی ، مگر قسم ربِ ذوالجلال والاکرام کی کہ آپؐ ایسے اشجع العرب جب مصلّائے عبادت پر نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو زار و قطار ، روتے ۔ آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگ جاتی ۔ قرینہ یہ بتلاتا ہے کہ نماز میں آہ و زاری اور اشکباری اللہ تعالیٰ کی بزرگی کے سامنے تھی جو امت کے لئے ایک درس تھا ۔

در جہاں آئینِ نو آغاز کرد

مسندِ اقوامِ پیشیں درنورد

اسرار و رموز صفحہ ۲

جب تاریخِ عالم کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سرکارِ رسالت مآبؐ کی بعثت سے قبل ایک جمود کا عالم تھا ، ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی ، لوٹ کھسوٹ ، مار دھاڑ اور ظلم و بربریت

کا بازار گرم تھا۔ اِس عالمِ ہُو، دورِ پُر آشوب میں آزادی سے سانس لینا بھی انسان کے بس کی بات نہ تھی، انسان انسان کے حقوق کا غاصب تھا، اپنی طاقت و ہمّت اور بربریت کے بل بوتے پر مطلق العنان "ڈکٹیٹرشپ" حکومتیں قائم کرنا ایک معمول بن چکا تھا۔ یہ درندہ صفت، خونخوار بھیڑیئے کی فرمانروایانِ عالم بے کس و لاچار انسانوں کے خون سے ہولی کھیلنا ایک شغل سمجھتے تھے۔ غریب و نادار، مجبور اور دکھی انسانیت کی عزت و ناموس کا کسی کو پاس نہ تھا، ادھر سرکارِ دوجہاں کا وجودِ ذی جُود عالمِ شہود میں آیا اور حالات نے کروٹ بدلی، صدیوں کا معتوب و مغضوب، انسان، آزادی سے سانس لینے کا حق دار ہوا۔ سرکارِ دو عالم کی قیادت میں ظلم و تشدد اور جبر و استحصال کے خلاف اعلانِ جہاد کیا گیا، تائید ایزدی نے عزت بخشی، بس پھر کیا تھا، انسان انسانیت کے اصل روپ میں آیا، آدمی میں آدمیت کی خوبو آگئی، تیرگی چھٹ گئی، زندگی کا نیا سورج بادقار انداز میں طلوع ہوا۔ زمین کا ذرہ ذرہ چمک اٹھا۔

از کلیدِ دین درِ دُنیا کشاد

ہمچو اُو بطنِ اُمِ گیتی نزاد — اسرار و رموز صفحہ ۲۰

اِس میں کلام نہیں کہ سرکارِ دو جہاں کی آمد سے پیشتر دنیا نے عرب و عجم بالکل غیر مہذب تھی۔ بے حسی کا یہ عالم تھا کہ نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی صلاحیت تک مفقود ہو چکی تھی۔ یہ تو خلاقِ دوجہاں کا احسان ہے یا سرکارِ دو عالم کی تعلیم کا اعجاز کہ اہلِ عرب و عجم کی یکسر کایا پلٹ گئی۔ آپؐ کی سیرت طیبہ مسلمانانِ عالم کے لئے مشعلِ راہ ہے کہ جس کی روشنی میں ہم منزلِ مقصود تک بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔ اگر آج بھی ہم (مسلمان) اسوۂ رسالت مآبؐ کو اپنالیں تو دین اور دنیا دونوں کی کنجی ہمارے ہاتھ ہو۔ ماسوا جناب آمنہ سلام اللہ علیہا کے کوئی ماں روئے زمین پر نہ پہلے ہوئی نہ اب ہے اور نہ ہی آئندہ ہوگی جو سرکارِ ختمی مرتبت ایسی عظیم شخصیت کو جنم دے۔[1]

در نگاہِ اُو یکے بالا و پست

با غلامِ خویش بر یک خوان نشست — اسرار و رموز صفحہ ۲۰

---

[1] یہ عزت و شرف اور عظمتِ دوام جناب آمنہ سلام اللہ علیہا کی ذات بابرکات ہی کو زیب دیتی ہے۔ (عمرانی)

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کی ایک نگاہِ کرم نے وہ حدِ فاصل صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا ڈالی جو انسان نے انسانیت کے مابین ایک مدتِ مدید سے کھینچی ہوئی تھی۔ یہ آپؐ کی تعلیم کا اثر تھا کہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن ایک جان دو قالب ہوگئے۔ ناآشنا، آشنا بن گئے۔ بیگانے یگانے بننے لگے۔ آپ نے امیر و غریب، آقا و غلام، خادم و مخدوم کا امتیاز ختم کر دیا۔ حدیثِ رسولؐ ہے کہ تم اپنے غلاموں پر سختی نہ کرو، انہیں اپنا بھائی تصور کرو، شفقت سے پیش آؤ، وہی انہیں پہناؤ جو خود پہنو، وہی کھانے کو دو جو خود کھاؤ، یہاں تک کہ نوکر (غلام) کو اپنے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھلاؤ[1]!

امتیازاتِ نسب را پاک سوخت

آتشِ او ایں خس و خاشاک سوخت

اسرار و رموز صفحہ ۲۱

حضورِ نبی اکرمؐ کے وجودِ مسعود کے عالمِ ظہور میں آنے سے پہلے پوری دنیائے عرب رنگ و نسل اور حسب و نسب کے ایک ناختم ہونے والے چکر میں پھنسی ہوئی تھی۔ حضورؐ نے سب سے پہلے اسی لعنت کے خلاف جہاد کیا اور یہ سبق دیا کہ کسی شخص کو کسی پر اس وجہ سے عزت و فضیلت اور تکریم نہیں ہونا چاہیئے کہ فلاں نسبی ہے تو وہ فضیلت مآب، فلاں نسلی ہے تو وہ صاحبِ عزت و تکریم۔ نہیں نہیں! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دنیاوی فضیلتیں اور عزتیں نہیں دیکھی جائیں گی۔ وہاں تو ہمدردی، خلوص، حسنِ سلوک، محبت و مروت اور اعمالِ صالح ہی کام آئیں گے[2]۔ آپ نے یہ امتیازات حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی مٹا کر بھائی چارے اور اخوت کا درس دیا۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ انسان کے کھینچے ہوئے امتیازی خطوط، جو کہ پوری انسانیت کے لئے وبالِ جان بنے ہوئے تھے یا تو مٹ گئے یا گھاس پھوس کی طرح حرارتِ انوارِ رسالت سے جل کر خاکستر ہوگئے۔

در مصافے پیشِ آں گردوں سریر

دخترِ سردارِ طے آمد اسیر

اسرار و رموز صفحہ ۲۱

---

[1] صحیح مسلم صفحہ ۲۲۳۔ اس حدیثِ پاک کا اطلاق گھر کی خادمہ، نوکرانی اور زرخرید لونڈی پر بھی ہوتا ہے۔ (عمرانی)

[2] اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (القرآن الحکیم) اللہ کے نزدیک تم میں سے وہی صاحبِ تکریم ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔

جب سرکار امیر المومنین "یمن" کے حاکم و فرمانروا تھے، ۹ھ کا ہجری کا واقعہ ہے کہ بنی طے کے ایک سرکش قبیلے نے اسلام کے خلاف سرکشی کی، علی المرتضیٰ کی قیادت میں اس بغاوت کو انتہائی حکیمانہ انداز میں فرو کیا گیا۔ یہانتک کہ پھر کبھی اسلام کے خلاف اس کو اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس جنگ میں کچھ کفار موت کے گھاٹ اتر گئے، کچھ بھاگ کھڑے ہوئے، اور باقی جو بچے انہیں عساکرِ اسلام نے اپنی حراست میں لے لیا اور قیدی بنا کر جناب امیر المومنین کی طرف سے مدینہ منورہ میں سرکار ختمی مرتبت کے حضور پیش کیا گیا۔ ان میں حاتم[1] طائی کی بیٹی بھی موجود تھی۔

پائے در زنجیر و ہم بے پردہ بود

گردن از شرم و حیا خم کردہ بود

اسرار و رموز صـ۲۱

جب دخترِ حاتم طائی کو حضورؐ کے سامنے لایا گیا تو پاؤں میں اس کے زنجیر تھی، سر سے برہنہ تھی، اس عالم میں وہ مارے شرم و حیا کے گردن جھکائے، سرکارِ دوجہاں کے حضور عرض کرتی ہے کہ مجھ پر رحم و کرم کیا جائے، میں اس باپ کی بیٹی ہوں کہ جس کی سخاوت کے قصے ضرب المثل بن چکے ہیں۔ وہ خود تو مر گیا ہے، بھائی شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کر گیا اور میں قید کر لی گئی تو حضورؐ سرکارِ دوجہاں رحمتِ کون و مکان کا یہ سننا تھا کہ دریائے رحمت نے جوش مارا۔ پاؤں کی زنجیر ٹوٹ گئی، حضورؐ اٹھے اور اٹھ کر اپنی چادر سے اس کا کھلا سر ڈھانپ دیا۔ اس تاریخی واقعہ کو علامہ مرحوم نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا:۔

دخترک را چوں نبیؐ بے پردہ دید

چادرِ خود پیشِ روئے او کشید!!

اسرار و رموز صـ۲۱

مگر افسوس صد افسوس ۶۱ھ کے ان "مسلمانوں" پر کہ جنہوں نے نواسۂ رسولؐ جگر گوشۂ بتولؑ کو بے جرم و خطا معہ ان کے یار و انصار کے تین دن کی بھوک پیاس میں شہید کر ڈالا اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بعد شہادتِ مظلوم کربلا ناموسِ رسولؐ دخترانِ علیؑ و بتولؑ کو قیدی بنا کر بازاروں اور درباروں میں بے مقنعہ و چادر کے پھراتے

---

[1] حاتم طائی بنی طے کا حکمران گزرا ہے۔ جو نہایت فیاض، رحمدل اور سخی تھا جس کی سخاوت کے چرچے کہانیو کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ یہ شخص غیر مسلم تھا۔ (عمرانی) نقوش

ہے اور خود تماشائی بنے رہے۔ یہاں اختر مرحوم چنیوٹی کا یہ شعر بے ساختہ زبان پر آتا ہے ؎

جب کبھی غیرتِ انساں کا سوال آتا ہے[1]

بنتِ زہرا ترے پردے کا خیال آتا ہے

(اختر مرحوم چنیوٹی)

اگلے شعر میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ۔

ما ازاں خاتونِ طے عریاں تریم

پیشِ اقوامِ جہاں بے چادریم

اسرار و رموز صہ۲۱

اے مسلمان تیری غیرت و حمیت کو کیا ہوا، یہ عالمِ بے حسی کب تک؟ جاگ اور عقل کے ناخن لے۔ کیا تجھے پتہ نہیں کہ تو تو قعرِ مذلت کے گہرے گڑھے میں گر چکا ہے جو تیری ہلاکت کا سبب ہو سکتا ہے کیوں کہ تیری آنکھ سے حیا، دل سے خوفِ خدا جاتا رہا جس کا ثبوت یہ ہے کہ تو بے غیرتی و بے عزتی اور بے حیائی کو عزت، شہرت اور تکریم کا نام دیتا ہے۔ جھوٹ کو سچائی سے تعبیر کرتا ہے۔ تو، تو بنی طے کی اس لڑکی کی طرح سر برہنہ ہے یعنی ذلیل و خوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل تو حاکم تھا آج محکوم ہے۔ کل مخدوم تھا آج خادم ہے۔ کبھی آقا تھا مگر اب غلام ہے۔ آخر تُو اس کا سبب؟ ایسا کیوں ہوا؟ نہیں خبر تو سن! کہ تو نے اپنے اسلاف کے اعلیٰ کردار، ارفع اوصافِ حمیدہ کے خلاف بغاوت کی ہے۔ ہم تو اس خاتونِ طے سے بھی زیادہ عریاں ہو گئے ہیں اور دوسری قوموں کے سامنے ہم بے چادر ہو گئے ہیں۔

روزِ محشر اعتبارِ ماست اُو

در جہاں ہم پردہ دارِ ماست اُو

اسرار و رموز صہ۲۱

کہ تمام چیزوں کے باوجود بھی ہم کلمہ گویانِ محمدؐ (مسلمان) کی بخشش لازمی امر ہے۔ اس لئے کہ وہ شافعِ روزِ جزا حبیبِ داور کی امت میں شمار ہیں جس کی امت میں آدمؑ سے لے کر خاتم تک، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام

---

[1] ماخوذ از بیت الحزن (غیر مطبوعہ بیاضِ اختر مرحوم)

تے ہیں روزِ محشر ہماری بخشش شافعِ روزِ جزا کے طفیل سے ہو گی۔ وہ اس جہان میں بھی ہماری پردہ داری فرمائیں گے۔

لطف و قہر او سراپا رحمتے

آں بیاراں ایں باعدا رحمتے! — اسرار و رموز صفحہ ۲۱

خلاقِ عالم اپنی کتاب لاریب فیہ میں ارشاد فرماتا ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (ترجمہ: بفضلِ حق تعالیٰ (محمد) ان پر بے حد و حساب رحم والا ہے۔ جہاں خالقِ کائنات نے سرکارِ دو جہاں کو عالمین کے لئے (وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ) سراپا رحمت بنا کر بھیجا، وہاں آپؐ کا قہر و غضب منافقین، مشرکین، کافرین اور دشمنانِ دین (اسلام) کے خلاف شدید سے شدید تر نہ تھا بلکہ وہ ان پر بھی نظرِ رحمت ہی رکھتے تھے، دوستوں اور دشمنوں سے یکساں لطف و کرم برتتے تھے۔

چوں گلِ صد برگ ما را بُو یکیست\
اُوست جانِ ایں نظام و اُو یکیست — اسرار و رموز صفحہ ۲۲

علامہ مرحوم فرماتے کہ جیسے گلاب کے پھول کی بہت سی پتیاں ہوتی ہیں یہی مثال ہماری مسلمانوں کی ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے گلاب کی پتیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر کے رکھ دیا جائے تو بھی ہر ایک پتی سے گلاب کی مہک آئیگی۔ شکر ہے اس خلاقِ دو جہاں کا کہ ہم مسلمان نبیِ آخر الزماں کی امت میں ہیں جن کی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام شمار ہوتے ہیں۔

لہ علامہ موصوف کے اس شعر سے اس فلسفہ کی تردید ہوتی ہے جہاں یہ کہا جاتا ہے کہ "اسلام" بزورِ شمشیر (تلوار) چار دانگِ عالم میں پھیلا۔ نہیں! نہیں! یہ سراسر غلط ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کہ انڈونیشیا اسلام تلوار کے بل بوتے پر پہنچا۔ ذات تھا کہ اسلام کی خاطر بہ لعبد تھ مساجد بلتی تو ہے مگر گلدستہ اذان سے کوئی مؤذن اللّٰہ اکبر کی صدا بلند کرتا ہوا نہیں ملتا اور جہاں اسلام کا پیغام کردار سے پہنچا وہاں آج بھی صدائے اللّٰہ اکبر کی گونج سنائی دیتی ہے۔ (مترجم)

اگر آج[1] بھی ہم نسلی و نسبی فرق کو پسِ پشت ڈال دیں اور سرکارِ دوجہاں کی تعلیم اور ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر ایکدوسرے کے ساتھ پیار، محبت اور خلوص سے پیش آئیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنا کھویا ہوا وقار پھر حاصل نہ کر سکیں۔ اسی میں ہماری فلاح کا راز پنہاں ہے اور یہی آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اور یہی نظام (اسلام) خالقِ کائنات کو پسند ہے۔

سِرِّ مکنونِ دلِ اُو ما بُدیم

نعرہ بیباکانہ زد افشا شُدیم

اسرار و رموز صـ۲۲

علامہ فرماتے ہیں کہ جونہی سرکارِ دوجہاں نے اعلانِ نبوت کیا، ادھر خوش نصیبوں نے لبیک کہی اور دل و جان سے اسلام کو خوش آمدید کہی اور کلمہ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کا اقرار زبان سے کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑے ہی عرصے میں ایک کاروانِ حق آگاہ ترتیب پا گیا، جو نعرہ مستانہ و بیباکانہ بلند کرتا ہوا آگے بڑھا جس کے میرِ سرخیل آنحضورؐ سرورِ کائنات ؐ کی ذاتِ لائقِ صلوٰۃ تھی۔

شورِ عشقش در نئے خاموشِ من

می تپد صد نغمہ در آغوشِ من

اگر علامہ مرحوم کے فلسفۂ عشق و مستی، جذب و شوق، اسرار و رموزِ خودی و بیخودی کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے تو یقین ہے سرکارِ رسالت مآب کی محبت و عقیدت کا کہ جس نے اقبال کو مسِ خام سے کندن کر ڈالا کہ آج ہزار ہا نغمہ ہائے "انا الحق"[2] اقبال کی فکرِ جولاں میں پنہاں ہیں اور یہی نغمہ ہائے عشق و مستی، جذب و شوق اور "حُبِّ محمدی" اقبال مرحوم کے لئے باعثِ سکون و اطمینانِ قلب و نظر ٹھہرے اور یہی ہر کلمہ گو (مسلمان) کے لئے وجہ تسکین ہیں۔

---

[1] ایک کھلی حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں آج کل برادری سسٹم کا بہت زور شور ہے۔ جو تعلیماتِ رسالت مآب کے سراسر خلاف ہے۔ یہ سب غیر اسلامی اور غیر موزوں ہے۔ (عمرانی)

[2] "انا الحق" یہ وہ نعرہ مستانہ ہے جو منصور عالمِ وارفتگی میں بلند کیا کرتا تھا۔ (عمرانی)

من چہ گویم از تولائش کہ چیست

اسرار و رموز صفحہ ۲۳

خشک چوبے در فراقِ او گریست

میں (اقبالؒ) ششدر و حیران، انگشت بدنداں ہوں کہ عشقِ رسالت مآب کی خلش کیسی ہے۔ اگر یہ خلش نہ رہے تو لطفِ زندگی نہ رہے۔ اس کی لذت تاثیر احاطۂ تحریر سے باہر اور زبان اس کے بیان کرنے سے قاصر ہے۔ بس میں (اقبال) تو اتنا ہی جانتا ہوں کہ عشقِ سرکارِ مدینہ نے خشک لکڑی پر بھی اپنی محبت کا اثر چھوڑا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ آپؐ کے فراق میں بیتاب ہو کر رو دی تھی[1]۔ خشک لکڑی کا فراقِ شہِ لولاک میں گریاں ہونا ایک مشہور معجزہ ہے۔ جو کتبِ احادیث میں کثرت سے نقل ہے۔ علامہ موصوف جہاں نکتہ سنج و نکتہ بیں تھے۔ وہاں وہ عظیم فلاسفر بھی تھے۔ بال کی کھال نکالنا ایک فلسفی کی فطرتِ ثانیہ ہوا کرتی ہے۔ مگر جہاں تک معجزاتِ سرکارِ رسالت مآب کا تعلق ہے وہاں آپ نہایت محتاط انداز میں اپنی فکرِ جولاں کو مہمیز کرتے اور کبھی بھی معجزات کو فلسفے کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش نہ کرتے۔ اس لیے کہ "معجزہ"[2] کہتے ہی اسے ہیں جہاں عقلِ انسانی اور ادراکِ انسانیت آ کر بے بس اور عاجز ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خشک لکڑی کا فراقِ سید البشر میں رونا "معجزہ" تسلیم کرتے ہوئے ضبطِ شعر میں لاتے ہیں۔

ہستیِ مسلم تجلی گاہِ او

اسرار و رموز صفحہ ۲۴

طورہا بالد ز گردِ راہِ او

اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں " اے خالقِ کائنات! میں (اقبال) تیری کن کن شفقت و عنایات کا شکریہ ادا کروں کہ تو نے مجھے سرکارِ دو جہاں کی امت میں پیدا کیا اور یہ بھی تیرا خاص لطف و کرم ہے کہ میرا پیکرِ ہستی نبیِ اکرم و مکرم کی محبت کا آئینہ دار بنا دیا ہے۔ علامہ مرحوم اپنی روشن ضمیری، تابندہ خیال اور فکرِ عالی کو عشقِ سرکار

---

[1] بخاری میں یہ روایت نقل ہے " ایک ستون (حنانہ نامی) جس کے ساتھ آنحضورؐ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب حضورِ سرکارِ دو عالم منبر پر تشریف فرما ہونے لگے تھے تو اس ستون (حنانہ) سے حالتِ دوری کی آواز سنائی دیتی، یہاں تک کہ آپؐ اپنا دستِ مبارک شفقت سے رکھتے تب کہیں یہ آواز بند ہوتی۔ حنانہ ستون کا فراقِ حضورؐ میں آہ و زاری کرنا عشقِ رسالت مآب کی وجہ سے تھا۔ (مرتب)

[2] " معجزہ " فکر کی پرواز، عقل کی اڑان کے آگے اور شعور کے عاجز کرنے کا نام ہے (مرتب)

رسالت مآبؐ کا مرہونِ منت گردانتے ہیں اور اسے "صبحِ نو" قرار دیتے ہیں اور حقیقت واقعی ہے کہ خورشیدِ رسالت مآبؐ کی گردِ راہ سے ہزاروں چراغ طور و عالمِ ظہور میں جلوہ ریز ہوتے ہیں۔ علامہ مرحوم صرف زبان سے اقرارِ لا الٰہ کے قائل نہیں جیسے انہوں نے درج ذیل شعر میں اپنا مافی الضمیر یوں بیان کیا۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

آپ اقرار باللسان کے ساتھ قلب و نظر سے پیرویٔ سرکارِ دوجہاں کو خیر و برکت، امن و سلامتی (مسلمانی) سے تعبیر کرتے ہیں اور حضورؐ کے لائے ہوئے دین (اسلام) کو مکمل ضابطۂ حیات سمجھتے ہوئے اس راہ (اسلام) سے ہٹ کر تلاشِ منزلِ حق خواب ہے دیوانے کا جسکی تعبیر محال ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ امت صاحبِ معراج اسوۂ سرکارِ دوجہاں پر عمل پیرا ہو اور آنحضورؐ کے متعین کردہ خطوط پر گامزن ہو کر اپنی گم کردہ منزل کو تلاش کرے، اسی میں اس (مسلم) کی برتری، سروری اور نجاتِ اخروی کا راز پوشیدہ ہے۔

پیکرم را آفرید آئینہ اش

صبحِ من از آفتابِ سینہ اش

اسرار و رموز صفحہ ۲۰

مولائے کل، ختم رسل، دانائے سبل، سرکارِ رسالت مآب وہ آفتابِ ہدایت ہیں کہ جن کی محبت اور عشق نے مجھ ایسے گنہگار و بے کردار پر یہ لطفِ عمیم کیا کہ میرا (اقبال کا) پتلائے خاکی آپؐ کی محبت کا آئینہ دار ٹھہرا، اللہ اکبر! علامہ مرحوم کا دل کس درجہ صاف و شفاف مثلِ آئینہ ہے کہ نورِ رسالت مآب کا عکس ان کے دل کو جلا و تابندگی دینے کے ساتھ ساتھ روشن ضمیری، بالغ نظری، تابندہ خیال اور فکرِ عالی دے گیا۔ علامہ موصوف کی فکر سے یہاں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اگر آج بھی ہم (بنی آدم) اس عالمِ ہو میں حضورؐ کے بتلائے ہوئے راستے (اسلام) پر صحیح معنوں میں گامزن ہو جائیں تو آج بھی اس عالم افراتفری، ہوسِ ملک گیری / ظلم و تعدی، جبر و تشدد اور ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو سکتے ہیں۔ اور سرخروئی ہمارا مقسوم بن سکتی ہے۔

در تپیدن دم بدم آرامِ من

گرم تر از صبحِ محشر شامِ من[1] — اسرار و رموز صفحہ ۲

عاشق کے لئے ہر لحظہ خلشِ عشق پیامِ نو کا مژدۂ جانفزا ہوا کرتی ہے اور یہی (خلشِ عشق) قلبِ صد پارہ و پریشاں کے لئے باعثِ سکون و اطمینان ہوتی ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ ایک سچا عاشق اسی کو گرانمایہ سرمایۂ زندگی تصور کرتا ہے۔ اقبالؒ ایسے ہی رسولؐ کے عاشقِ صادق ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جو ہجرِ رسولؐ میں دن رات تڑپ کر گزارتے ہیں اور اس کو روزِ محشر کی بے قراری و اضطراب سے کہیں زیادہ خیال کرتے ہیں۔

ابرِ آذار است و من بستانِ او

تاکِ من نمناک از بارانِ او — اسرار و رموز صفحہ ۲۳

میرا (اقبال) وجود، اس عالمِ شہود میں ایک چمنستان کی حیثیت کا حامل ہے۔ اور سرکارِ دو جہاں رحمتِ کون و مکان کی ذاتِ ستودہ صفات سحابِ رحمت و نعمت ہے۔ جس طرح ابرِ آذر کی بوندا باندی باغِ عالم کیلئے مژدۂ جانفزا ہوا کرتی ہے اور چمنستان کے لئے پیغامِ موت اسی طرح خورشیدِ رسالت مآبؐ سے انوار کی بارش ہوتی ہے۔ میرے دل و دماغ میں روشنی کا سمندر موجزن ہو جاتا ہے۔

آں کہ بر اعدا درِ رحمت کشاد

مکہ را پیغامِ لاتثریب[2] داد — اسرار و رموز صفحہ ۲۱

جب «وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن» کے مصداق، سیدِ لولاک، نبی پاکؐ نے بحیثیت فاتح مکہ مکرمہ میں قدم رکھا

---

۱ روزِ حشر، وہ گھڑی ہوگی جو قیامت کی گھڑی ہوگی، جہاں نفسی نفسی کی پکار پڑی ہوئی ہوگی۔ کوئی کسی کی نہ سنے گا سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ اس کیفیت سے کہیں زیادہ علامہ اقبال کو فراقِ رسالت مآبؐ دکھائی دیتا ہے (مرتب)

۲ فتح مکہ کے سلسلے میں

تو دشمنانِ دین (اسلام) کو عام معافی کا مژدہ سنایا اور ان کے لئے لطف و کرم کا دروازہ کھول دیا۔ اللہ اکبر! یہ لطف و عنایات ان دشمنوں کے لئے کہ جنہوں نے مکہ میں آنحضورؐ پر عرصۂ حیات تنگ سے تنگ تر کر دیا تھا۔ عفو و درگذر سے کام لیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہ آج سے تم (اہل مکہ) آزاد ہو، تم پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں۔ یہ وہ مثالی کردار تھا کہ جس نے تلوار کی کاٹ سے زیادہ کام کیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ جو دشمن تھے وہ ہمدرد و جانثار بن گئے جو دور دور رہتے تھے وہ قریب سے قریب تر ہوتے گئے۔ اور جلد ہی مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت بن گئی۔ حضورؐ نبی اکرم اپنے کردار و عمل اور حسنِ سلوک سے مسلمانوں کو یہ درس دے رہے تھے کہ دیکھو! جب کبھی شہر یا کسی ملک میں بحیثیت غالب پہنچو تو مغلوب پر ظلم و ستم، جور و جفا، تشدد و بربریت سے کام نہ لینا۔ بلکہ ان سے پیار، محبت، خلوص و مروت اور شفقت سے پیش آنا۔ اسی میں خیر اور خوشنودیٔ الٰہی مضمر ہے۔

مست چشم ساقیٔ بطحا ستیم

در جہاں مثلِ مے و مینا ستیم

اسرار و رموز جلد ۲

علامہ مرحوم، اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم (مسلمان) بہتّر، تہتّر[1] فرقے اور مسالک میں بٹے ہوئے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہم (مسلمانوں) ایمان ایک، نبیؐ ایک، کتاب (قرآن) ایک اور خدا ایک ہے۔ یہ تو سرکارِ دو عالم، نبی اکرم، محسنِ اعظم، نورِ مجسم، داعیٔ عرب و عجم والا حشم کی مخمور نگاہی کا اعجاز اور فیض ہے یا پھر اس شرابِ معرفت کا اثر ہے۔ جو ہم نے "خم خانہ الست" سے پی لی ہے۔ جس کے پینے سے انسان میں شعور کی لہر دوڑ جاتی ہے اور آدمی میں آدمیت جنم لیتی ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم (مسلمان) میں کلمہ طیبہ وہ قدرِ مشترک ہے کہ جو ہمیں ایک دوسرے کے قریب رکھتا ہے۔ علامہ موصوف اسی مفہوم کو اپنی فلسفیانہ و شاعرانہ زبان میں صراحی و صبوحی کا نام دیتے ہیں جس طرح کلمہ سے مسلمان، مسلمان سے کلمہ جُدا نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے مے مینا اور مینا سے مے الگ نہیں۔ علامہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں لاکھ اختلافات سہی۔ مگر[2] باطل کے خلاف ہم آج بھی کل کی طرح متحد ہیں۔

---

[1] موجودہ تحقیق کے مطابق بہتّر اور تہتّر سے تعداد ذرا کچھ زیادہ ہے۔ اس کے لئے ملاں نیر کے بکھیڑوں کی کتاب "فرقے اور مسالک" ملاحظہ فرمائیے۔

[2] اس میں شک نہیں کہ ہم باطل کے خلاف اپنے اختلافات بالائے طاق رکھ کر فوراً باطل پر بحیثیت ضربِ کاری رسید کرنے جیسے ہیں۔ ہمارے اتحاد و اتفاق کی اعلیٰ دارفع مثال ۱۹۶۵ء کی جنگ ستمبر ہے۔ (مؤلف)

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است

اسرارِ رموز صفحہ ۲۲

اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

وہی اقبال جو اپنی چشمِ بصیرت کے لئے خاکِ مدینہ و نجف کو بطور سرمہ استعمال کرتا ہے۔ اس شعر میں وہ خاکِ یثرب و بطحا کو دنیائے دوں، باغ و بہشت، کوثر و تسنیم سے کہیں بالا و برتر تصور کرتے ہوئے شہرِ یثرب کی تمازت کو ہوا خنک کے جھونکوں سے تعبیر کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہاں رحمتؐ کونین سشاہِ مشرقین والمغربین جدالحسن والحسین محمد مصطفیٰؐ محوِ خواب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شہر بطحا سے آنے والی ہوا مشکبو لطیف و پرکیف اور مسحور کن ہونے کے ساتھ ساتھ باعثِ تسکین، راحتِ قلب و نظر اور سلامتی کا پیغام ہوتی ہے۔

زانکہ ملت را حیات از عشقِ اوست

برگ و سازِ کائنات از عشقِ اوست

علامہ مرحوم کے نزدیک امتِ مسلمہ (کلمہ گویانِ محمدؐ) یعنی مسلمانوں کی زندگی کا انحصار اگر کسی چیز پر ہو سکتا ہے۔ وہ عشقِ رسالت مآب اور اتباعِ اسوۂ سرکارِ دوجہاں ہی ہو سکتا ہے۔ علامہ صاحب کے نزدیک ہماری ناکامی و نامرادی، رسوائی اور پریشانی محض اسی لئے ہے کہ ہم نے اپنا طرزِ زندگی اُن روشن خطوط پر استوار نہیں کیا جو ہماری فلاح و بہبود کی ضمانت تھا۔ ہمارے دل و دماغ سے عشقِ رسولؐ اور خوفِ خدا جاتا رہا۔ عشقِ رسولؐ کا اقرار صرف کلمۂ طیبہ تک ہی محدود ہے۔ بقول علامہ مرحوم

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس میں شک بھی کیا! صرف زبان سے اقرار مسلمان ہونے کا معیار نہیں ہو سکتا۔ جب تک دل بصد شوق قبول نہ کرے۔ یہاں دعوٰئ مسلمانی تو لمبا چوڑا مگر دعوٰی کے برعکس دلیل میں عمل مسدود، کردار مفقود سے مفقود تر ہے۔ اگر آج ہر مسلمان فرداً فرداً یا اجتماعی طور پر اپنے قول فعل، زبان بیان کا صدق سے محاسبہ کرے تو یقیناً خود

میں ندامت محسوس کرے گا لہٰذا دعویٰ دلیل چاہتا ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسوۂ سرکارِ رسالت مآب پر عمل پیرا ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنا کھویا ہوا وقار پھر سے حاصل نہ کر لیں اور دنیا ہمیں عزت و تکریم کی نظر سے نہ دیکھے ۔ اس کے کیا کہنے ۔ عشقِ رسالت مآب ہی ہماری کامیابی و کامرانی کا زینہ ہے ۔ یہی رونقِ دنیا کے دوام کا باعث ہے ، اگر یہ (عشقِ رسولؐ) مفقود ہو جائے تو لطفِ زندگی نابود ہو جائے اور مقصدِ تخلیقِ کائنات بے معنی و لایعنی ہو کر رہ جائے گا ۔

تب و تابِ بتکدۂ عجم نرسد بسوز و گدازِ من

کہ بیک نگاہِ محمدِ عربیؐ گرفت حجازِ من   پیامِ مشرق ص۱۲۰

حکیم الامت فرماتے ہیں " بے شک کہ عجم کے بتکدہ ہائے عروس کی چکاچوند روشنی ، گلکاری و زرنگاری لاکھ دلفریب سہی ، گو دلنشیں سہی ، میرے دل پر اس (ANGLE) انداز سے قبضہ کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں ۔ کفر کا یہ خیال خام ہے ۔ اس کے سوا کچھ بھی نہیں اور رہی یہ بے حقیقت (تب و تابِ بتکدۂ عجم) میرے دل میں سوز ، جگر میں گداز پیدا کر سکتے ہیں ۔ کیونکہ میں تو محمد مصطفےٰؐ کی مدہوش نگاہوں سے شرابِ یقین و معرفت پی چکا ہوں ۔ جس سے میرے دل کی آنکھیں بصیرت افروز ہو چکی ہیں اور جب دل کی آنکھیں روشن ہو جائیں تو پھر یہ ظاہری آنکھیں کبھی بھی فریب اور دھوکا نہیں کھا سکتیں ۔ یہاں تو بفضلِ ایزدی سرکارِ مدینہ کی محبت کا بسیرا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میرا دل ناقابلِ تسخیر قلعہ ہے ۔

سالارِ کارواں ہے میرِ حجازؐ اپنا

اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا   بانگِ درا ص۱۴۳

یہ مقام فخر و مباہات ہے اور خدائے بزرگ و برتر کی کرم نوازی کہ امتِ مسلمہ کا "میر" و سرخیلِ کارواں سیدالبشر ، شافعِ روزِ محشر ، وجہِ تخلیقِ آدمؑ ، نبیِ اکرم ، رحمتِ عالم ، نورِ مجسم ، محسنِ اعظم محمد عربیؐ ہیں ۔ اور یہی وہ نامِ نامی ، اسمِ گرامی ہے جو وجہِ سکونِ قلب و نظر ، باعثِ تسکینِ جاں ہے ۔ سرکارِ دو عالمؐ ، خاندانِ بنو ہاشمؓ کے

۱۔ محمد مصطفےٰؐ ، محمد مجتبیٰؐ ذریتِ جنابِ ابراہیمؑ اور اولادِ حضرت اسماعیلؑ سے ہیں ۔ ابراہیمؑ کی دو بیویاں تھیں ، جنابِ سارہ دوسری جناب ہاجرہؑ ۔ جنابِ ابراہیمؑ نے شام کو چھوڑا ، دوسری جنابِ ہاجرہؑ اور جنابِ اسماعیلؑ جنہیں حجاز کے شہر مکہ میں رکھا جنابِ اسماعیلؑ کی شادی قبیلہ "جرہم" کی ایک لڑکی سے ہوئی ۔ ان ہی کی نسل سے آپؐ کا ظہور مبارک در مکہ بیت میں ہوا ۔ ایک تاریخ

چشم و چراغ تھے۔ "مکہ" ملکِ حجاز کا ایک مشہور شہر ہے۔ آپؐ پر مکہ مکرمہ میں ہی نزولِ وحی کا آغاز "غارِ حرا" سے ہوا۔ اسی شہر (مکہ) میں آنحضورؐ نے اعلانِ نبوّت کیا اور یہیں سے تبلیغِ رسالت کا آغاز ہوا۔ اہلِ حجاز کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے اسلام کے پیغام سے روشناس ہوئے۔

علمِ حق غیر از شریعت ہیچ نیست

اصلِ سنّت جز محبت ہیچ نیست

معرفتِ باری تعالیٰ اسلام کے شرعی اصول و ضوابط اپنانے اور رسالت مآب کی پیروی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور محبتِ سرکارِ رسالت مآب اصل و اصولِ سنّت ہے اور یہی عشقِ رسولؐ عرفانِ الٰہی کی معراج ہے۔

ہست دینِ مصطفیٰ دینِ حیات

شرعِ او تفسیرِ آئینِ حیات — اسرار و رموز صفحہ ۱۴۱

علامہ فرماتے ہیں دینِ محمدی (اسلام) ہی وہ ضابطۂ حیات ہے کہ جس میں زندگی کے تمام تر پہلو نہایت عمدگی سے واضح ہو چکے ہیں اور یہی وہ دین ہے جس کے بارے میں باری اپنی کتابِ باری میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۱؎ (ترجمہ، یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے) اور یہی دین (اسلام) باوقار زندگی بسر کرنے کی ضمانت ہو سکتا ہے۔ اسی دین کی اگر "شرع" تشریح و تصریح کی جائے تو زندگی کے تمام محاسن کی مکمل اور جامع تفسیر اسی میں مضمر ہے۔

از پیامِ مصطفیٰ آگاہ شو!

فارغ از اربابِ دون اللہ شو! — رموزِ بیخودی صفحہ ۱۸۸

(بقیہ صفحہ) کے ہاں آپؐ کی ولادت باسعادت ۱۷ ربیع الاوّل سنہ ۱ عام الفیل (۵۷۰ء) درست خیال کی جاتی ہے۔ مگر اہلِ سنت والجماعت کے ہاں ۲، ۸، ۹، ۱۰، ۱۲ ربیع الاوّل بتائی جاتی ہے۔ مگر ان میں اکثریت کا اتفاق ۱۲ ربیع الاوّل پر ہے۔ (عمرانی)

۱؎ سورۃ آلِ عمران "پ ۳" (القرآن حکیم)

علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم کا ارشاد ہے " اے بندے! مسلمان ہونے سے پہلے کفر و شرک، الحاد و زندیقیت کے مجسمہ کو ضربِ " لا " سے پاش پاش کر۔ پھر صدقِ دل سے إلا اللہ کا اقرار کر کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ وہ کیا ہے، وہ کون ہے، کیسا ہے تو کتاب لاریب فیہ میں ارشادِ ربُّ الوقت ہوتا ہے
قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝[۱] (ترجمہ) کہہ دے اے میرے محبوب محمدؐ کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد ہے، وہ ایک ہے نہ اس کا کوئی ہمسر ہے اور دین ثانی۔

ہر کہ عشقِ مصطفےٰ ساماں اوست
بحر و بر در گوشۂ داماں اوست — رموزِ بیخودی ص ۱۱[۲]

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ جس کی نس نس میں عشقِ رسالت مآب سما جائے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ کارخانۂ قدرت پر متصرف نظر آتا ہے۔ اللہ کے نیک و برگزیدہ بندے نفسانی خواہشات پر قابو پا کر اس کے (خالقِ کائنات) ہر امر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور پھر ایک وہ وقت آتا ہے کہ جب ان کے زیرِ نگیں خشکی و تری کی ہر چیز آجاتی ہے، اگر اس شعر کی علامہ کے درج ذیل شعر سے تشریح و تصریح کر دی جائے تو لطف آجائے۔ فرماتے ہیں:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا! لوح و قلم تیرے ہیں[۳] — بانگِ درا ص ۲۳۲

لو صاحب! قدرت محمد عربیؐ کی اتباع کرنے والوں کو مژدۂ جانفزا سنا رہی ہے۔ رحمتِ معبود جوش میں ہے۔ لوح و قلم پر حقِ تصرف دینے کو تیار، شرط وہی عشقِ رسولؐ اسی میں دنیا اور دین کے حصول کا راز پنہاں ہے۔

---

۱ سورۃ اخلاص " پ۳۰ " (القرآن حکیم)

۲ عشق و وجدان و سرمستی ہی ایسا ملکہ ہے جس کی بدولت موجودات کے تمام اسرار و رموز منکشف ہو سکتے ہیں (عمرانی)

۳ صوفیائے کرام، اولیائے عظام، غوث، قطب، ابدال، قلندر، سب فنا فی الرسولؐ سے فنا فی اللہ کی جانب صعود کرتے ہیں اور ان پر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ جب وہ چاہیں بہتے دریا رک جائیں، طوفان کنارہ بن جائیں، یہ انگلی کا اشارہ کر دیں تو پہاڑ جگہ چھوڑ دیں۔ کشف و کرامات ان کے ادنیٰ اشارے پر ظہور پذیر ہوتے ہیں (عمرانی)

ہے۔ اتباعِ رسولِ عربی، اطاعتِ خدائے بزرگ و برتر ہے اور آپؐ سے محبت اللہ کے قرب کا بہترین طریقہ ہے۔

عشق دمِ جبرائیل، عشق دلِ مصطفیٰؐ
عشق خدا کا رسولؐ، عشق خدا کا کلامؐ

ربّ العزت حدیثِ قدسی میں ارشاد فرماتا ہے "کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً..." (میں (اللہ) ایک خزانہ مخفی تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں، پس میں نے کائنات خلق کیا۔ معلوم یہ ہوا کہ عشق ہی اصل سببِ تکوینِ کائنات ہے۔ یہ عشق ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ یہ دمِ جبریلِ امین ہے تو کہیں یہ عشقِ رسولؐ ہے۔ کبھی قلبِ پیمبر کا امین اور عشق ہی کلامِ حق (قرآن مجید) ہے۔ کتابِ باری میں ارشادِ الٰہی ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن۔ کلامِ باری تعالیٰ کا آسان، سلیس، سیدھا اور سادا ترجمہ اقبال مرحوم کے اس شعر سے کر دیا جائے تو بہتر ہوگا۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

اگر انسان، انسان کے دکھ کا مداوا، درد کا چارہ بن جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہی دنیا جو خود پرستی اور نفسا نفسی کا شکار ہے جس کو جہنم محسوس کیا جا رہا ہے، یہی خلد بداماں کہلانے لگے۔ اگر اس میں پیار، محبت، خلوص و مروّت کی حکمرانی ہو۔

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا!!
عشق تمام مصطفیٰؐ، عقل تمام بولہب

جس طرح روزِ ازل سے تا دمِ ایں، حق و باطل و پنجہ آزمائی اور صف آرائی چلی آ رہی ہے۔ بعینہٖ عقل و عشق، مستی و خرد میں یہ جنگ صبحِ ازل سے آج تک جاری و ساری ہے۔ عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے۔ عشق معصوم ہے، سر دار بھی چڑھ جاتا ہے۔ مگر اپنے دعوٰی "اَنَا الحَق" سے انحراف! چہ معنی۔ عقل کی اساس پہ فرعون خدا بن بیٹھا، تو موسٰی حبیبِ عشق کا مقابلہ کر اٹھے، فرعون غرقِ نیل ہوا، موسٰیؑ ساتھ سلامتی کے اس پار جا لگے۔

نمرود مرد و عقل کی دہکتی چِتا میں عشقِ براہیمی کو جلا کر خاکستر کرنا چاہتا تھا۔ مگر عشق بے تاب تھا کہ آگ گلستان کردے، ابولہب عقل و خرد کا غلام، عشق کے امام (محمّد عربی) کے پروگرام کی راہ میں رکاوٹ بنا، بخار رہا، مگر قافلۂ عشق و وفا، سرچشمۂ صدق و صفا محمّد مصطفےٰ کی سرکردگی میں اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہی رہا اور آخر کار عقل کا مطیع، خرد کا غلام، ابولہبؑ اپنی ناکامی و نامرادی پر کفِ افسوس ملتا رہے گا۔

عقل کے شاطر بنی امیہ کے سردار ———— عشق کے امام، کل ایمان، جانِ اسلام ابوطالبؑ کے لختِ جگر، فاطمہ بنت اسد کے نورِ نظر (علیؑ) سے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں کہ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کون کامیاب ہوا۔

ایمان و ایقان، حق و انصاف سے تہی عقل و خرد کے بہی خواہ مؤرخین امیر شام (معاویہ) کی نسبت سرکارِ امیرالمؤمنین سیدالوصیین کو سیاست دنیوی میں ناکام قرار دیتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ عشق میں مصلحت اندیشی، جھوٹ، فریب دھوکہ، مکاری، عیاری، چالبازی اور چالاکی کی کوئی گنجائش نہیں جب کہ سیاست دنیوی نام ہے جھوٹ، فریب دھوکہ دہی، مکاری، عیاری، چالبازی اور چالاکی کا

عشق کی معراج اسی کا نام ہے کہ مسجد کوفہ میں حضرت علی علیہ السلام ابن ملجم کی تلوار کا گھاؤ کھا کر بانگ دہل اعلان کرتے ہیں "فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَہ" رب کعبہ کی قسم میں کامیاب رہا اپنے مشن میں۔ اسی طرح معاویہ کے چہیتے یزید اور حضرت علی المرتضیٰ کے نورِ نظر، سرکارِ امام حسین علیہ السلام کے مابین ایک عظیم معرکہ میدان کربلا میں پیش آیا۔ بظاہر تو میدان یزید کے ہاتھ رہا، مگر دائمی کامیابی و کامرانی اور دلوں پر حکمرانی صرف حسین علیہ السلام ہی کے حصہ میں آئی۔ اور آج یزید نام سے نفرت ہے اہل عالم کو

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

بحیثیت مسلمان ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم آنحضورؐ کے بتائے ہوئے اصول و ضوابطِ حیات پر گامزن ہوں۔ اسی میں خوشنودیٔ خدا، رضائے مصطفےٰؐ کا راز مضمر ہے۔ اتباعِ رسولؐ ہی ذریعۂ نجات اور صحیح راستۂ حیات ہے۔ اگر ہم اس سے غافل ہو جائیں تو ہماری یہ نمازیں، یہ روزے، یہ حج یہ زکوٰۃ تمام کی تمام لاحاصل و بے معنی ہو کر

رہ جاتے ہیں ۔ ابولہب راندۂ درگاہِ ایزدی ہوا کہ وہ آنحضورؐ کی تعلیمات کے خلاف برسرِپیکار رہا اور کلمہ توحید سے محروم رہا ۔ جیسے ابلیسؔ بارگاہِ رب العزت میں حکم عدولی کا مرتکب ہونے پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے " رجیم " کہلوا کر صفِ ملائکہ سے نکال دیا گیا ۔ اگر تعمیلِ حکمِ ربِّ جلیل میں بغیر کسی تاخیر اور چوں و چرا کے سرِ تسلیم خم کر لیتا تو بقول کسی شاعر کے کچھ اور ہی بات ہوتی ۔

ابلیس تھا فرشتہ ، آدم کو سمجھا سجدہ
حکمِ خدا سمجھتا تو کچھ اور بات ہوتی !

علامہ مرحوم کے نزدیک از روئے قرآن ، اطاعتِ رسولِ عربیؐ سے انحراف ہی کا نام بولہبی ہے ۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز !!
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

یہ حقیقت ہے ، انکار و انحراف کی جرأت و مجال کہاں ، یہ تو ہر ذی شعور اور فہم و ادراک رکھنے والا اور تاریخِ اسلام کا عام قاری بھی جانتا اور مانتا ہے کہ مابینِ حق و باطل ، روزِ ازل سے آج تک ان بن چلی آرہی ہے ۔ اور یہ جنگ تا ابد رہے گی ۔ وہ اس لئے کہ حق و باطل ، کفر و اسلام کے خیال و افکار ، سیرت و کردار ، قول و قرار میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ باطل (کفر) جھوٹے ، فریب ، مکاری و عیاری کا دوسرا نام ہے ۔ جبکہ حق (اسلام) پاکیزہ خیالی ، ارفع سوچ ، بلند سیرت اور اعلیٰ کردار سے مشتق ہے ۔ یہ (اسلام) اصول پر ڈٹ جانے اور کٹ مرنے کا سبق دیتا ہے ۔ جبکہ باطل (کفر) بے راہروی اور اصولوں سے انحراف کرتا ہے ۔ از روئے فلسفہ و حکمت " دو متضاد " باتوں کا یکجا ہو جانا محال و ناممکن ہے ۔

ع کہ جیسے ارتباطِ شعلہ و شبنم نہیں ہوتا

ابتدائے آفرینش سے ابلیس و آدمؑ ، ہابیل و قابیل ، فرعون و موسیٰؑ ، نمرود و ابراہیمؑ ، ابولہب و

؎ " ابلیس " جسکو شیطانِ رجیم کہا جاتا ہے ، فرشتہ نہ تھا بلکہ قوم اجنابین سے تھا جس کا اعتراف اس نے خود آدمؑ کو سجدہ نہ کرتے ہوئے کیا اور کہا کہ میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی " طین " سے خلق کیا جبکہ میری تخلیق " نار " (آگ) سے ہوئی ۔ تو معلوم یہ ہوا کہ ابلیس ناری تھا ، لہٰذا جہنم کا ایندھن بنا ۔ سچ ہے ہر چیز اپنے اصل پر لوٹ جاتی ہے ۔ یہی ابلیس کے ساتھ ہوا ۔ جہاں

محمد مصطفیٰؐ ، معاویہ و علیؑ ، یزید و امام حسین علیہ السلام کے درمیان یہی حق و باطل کی کشمکش جاری نظر آتی ہے ۔ یہی معرکۂ حق و باطل ۶۱ھ ہجری میں میدانِ کربلا (ارضِ نینوا) میں برپا ہوا ۔ جیت اصولوں کی ہوئی ۔ حسینؑ اپنی اور عزیزوں کی قربانی دے کر سرخرو ہوئے اور لائق درود و سلام ٹھہرے اور یزیدؔ باطل (کفر) کی نمائندگی کرنے پر لعنت کا نشان بن گیا اور نامرادی کا نام داخلِ دشنام ہو گیا ۔

موسیٰؑ و فرعون، شبیرؑ و یزیدؔ
ایں دو قوت از حیات آمد پدید

علامہ مرحوم یہاں اس شعر میں بھی وہی "ستیزہ کار رہا ہے ازل تا امروز" والے فلسفے کو دوسرے رُخ سے پیش کرتے ہیں ، موسیٰ و فرعون ، شبیرؑ و یزید ، یعنی حق و باطل کے نمائندوں کو نامزد کر کے تاریخی حقائق و واقعات کی وضاحت کی ہے ۔ جہاں تک مطالب و محاسنِ شعری کا تعلق ہے اس کا ذکر اس سے پہلے والے شعر میں کیا جا چکا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ حق و باطل ، کفر و اسلام کے مابین تصادم میں نتیجہ خیز کس کے حق میں رہا ۔ علامہ مرحوم نے اس گوشہ کو بھی نہیں چھوڑا ۔ فرماتے ہیں :-

زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

علامہ صاحب کے اسی شعر کے فلسفے کو سامنے رکھ کر بخوبی ، تاریخِ اسلام سے حق کے نمائندے اور اُن کے مدِمقابل باطل کے داعی و سرپرست چہرے نکھر کر سامنے آجاتے ہیں ۔

وہ دانائے سُبل، ختم الرُسل مولائے کُل جسنے
غُبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا!!

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰی کا مصداق فرماتا ہے کہ میںؐ اس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ کا پتلا آب و گِل کے درمیان تھا۔[1]

---

[1] کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَ الطِّیْنِ (حدیثِ رسولؐ)

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت آدمؑ کا مجسمہ آپؐ کے سامنے بنا۔ لہٰذا آپؐ آدمؑ سے بہت پہلے موجود تھے۔ بلکہ یوں کہیئے کہ ابھی عرش کی نیل گوں ستاروں ٹکی چادر تنی نہ تھی، فرشِ مخملیں بچھا نہ تھا، پہاڑوں کا لامتناہی سلسلہ چلا نہ تھا، نہ سورج تھا، نہ چاند نہ ستارے، نہ گل تھے نہ بوٹے، نہ دریاؤں میں روانی تھی، نہ آبشاروں کی نغمہ خوانی تھی، نہ بلبل کی چہک تھی، نہ گل کی مہک، صرف آپؐ تھے یا وہ تھا، تھے تو حضورؐ سب سے پہلے مگر آئے سب نبیوں کے بعد میں۔ روزِ الست ربّ العزت نے جس کی نصرت و مدد کا حلف تمام انبیاء علیہم السلام سے لیا تھا وہ سرکارِ ختمی مرتبت ہی کی ذات والا صفات تھی۔

حضورؐ نبی اکرم فاران کی چوٹیوں سے یہ اعلان کرتے ہوئے بڑھے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہوں، یاد رکھو! میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ۔ لہٰذا اس واضح اعلان کے بعد سلسلہ نبوت و رسالت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اب تا قیامت کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہوا اٹھے کہ میں نبی ہوں تو وہ سراسر کاذب ہے اور اس کے حواری، بہی خواہ خارج از اسلام ہوں گے۔

آنحضور سرکارِ دوعالمؐ نے کفر و الحاد اور زندیقیت کے منہ پھاڑتے اور چنگھاڑتے ہوئے طوفان میں پیغامِ الٰہی بندگانِ الٰہی تک پہنچانے کی سعی مشکور کی۔ آپؐ نے ایک مدت سے بھٹکتے ہوئے انسانوں کو ایک مرکز پر لا کھڑا کیا۔ اور یہ اعجاز ہے سرکارِ دوجہاں کی آمد کا کہ ایسے بے آب و گیاہ، خشک ترین خطے کو جہاں تا حدِ نظر چٹیل میدان، اڑتی ریت اور چٹانوں کے لامتناہی سلسلے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اس ٹکڑے کو خطۂ فردوس بریں، بہاروں کا امیں، رشکِ صد گلستاں بنا ڈالا۔ آپؐ نے عرب کے اُجڈ، جاہل و بے ادب و ناسمجھ، گمراہ و بے دین بدوؤں میں شعور و ادراک کی روح پھونک دی اور عقلِ سلیم کی منزل میں داخل کر کے تاجِ خسروی سے سرفراز فرمایا اور وہ لوگ جو کبھی داغِ منزل تھے اب وہ بفیضِ سرکارِ دوعالمؐ چراغِ راہ بن گئے۔ ان کے قدموں کی دھول چراغِ طور میں منتقل ہونے لگی۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخرؐ

وہی قرآںؐ، وہی فرقاںؐ، وہی یٰسیںؐ، وہی طٰہٰؐ

علامہ مرحوم نے فی الحقیقت، حقیقتِ واقعی کی خوب وضاحت کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضور کی ذات ستودہ صفات ہی کمالِ عشق کی ابتدا اجمالِ مستی کی انتہا ہے۔ بقول رسالت مآبؐ خالق نے کائنات میں جو سب سے اوّل تخلیق کی وہ میرا نور تھا۔ لہٰذا اوّل ہونے کا ثبوت تو حدیثِ مذکورہ سے مل گیا اور آخری ہونے کی دلیل بھی آپؐ ہی کے اس زمانِ وحی ترجمان سے بخوبی ہو جاتی ہے کہ "لَانَبِیَّ بَعْدِیْ" کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ قرآن پاک کیا ہے!

رسولِ پاکؐ کے کردار و افکار کی نشاندہی کرتا ہے۔ فرقان بھی آپؐ ہی کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ کیونکہ آپؐ ہی نے آکر حق و باطل میں فرق ظاہر فرمایا اور عقلِ انسانی کو کھوٹے کھرے کی پہچان بخشی، لہٰذا سرکارِ ختمی مرتبت فرقان کہلائے۔ سورۂ یٰسین کلام باری تعالیٰ کی اہم ترین سورۃ ہے۔ جسکو کلام معجز بیان کا دل تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور ہے۔ طٰہٰ بھی کلام خدا کی محورۃ ہے۔ جیسے انما، مزمل اور طٰہٰ، دالئیل یہ سورتیں سرکارِ دو جہاں کی شان میں رطب اللسان ملتی ہیں۔ اسی طرح سورۃ طٰہٰ بھی حضورؐ اکرم کی تعریف و توصیف، عزت و تکریم میں قصیدہ خواں نظر آتی ہیں۔

زندگی تجھ سے ہے اے فخرِ براہیمؑ اپنی
کر دعا حق سے کہ مشکل ہوا جینا اپنا

اس میں کلام نہیں، ہر صاحب عقل و فہم یہ جانتا ہے اور مانتا بھی ہے کہ سعید و صالح، نیک و پاکیزہ اور صاحبِ طینت بچہ اپنے پورے خاندان کے لئے باعث صد فخر و مباہات ہونے کے ساتھ ساتھ سببِ زینت ہوا کرتا ہے۔ اللہ اللہ، جناب ابراہیمؑ خلیل اللہ اور جناب اسماعیل ذبیح اللہ کی عظمت و رفعت کا کیا کہنا کہ جس کی ذریت میں جناب محمد مصطفٰےؐ، سرورِ کونین، شاہِ مشرقین، جدُّ الحسنؑ والحسینؑ، صاحبِ طہارت و کتاب، نبی آخر الزماں دنیا میں تشریف لائے۔ خلیلِ حق، بجا ہے۔ آپ جتنا بھی فخر کریں کم ہے، یہ عزت و شرف حق تعالیٰ نے آپ (ابراہیمؑ) کو ہی بخشا کہ حضورؐ کو آپؑ کی نسل میں مبعوث فرمایا۔

دوسرے مصرع میں علامہ مرحوم، فخرِ براہیمؑ، نبی کریم، صاحبِ خُلقِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلّم سے درخواست کرتے ہیں کہ "یا رسول اللہ! کرم کیجئے" واسطہ آپؐ کو اپنی جد، جناب ابراہیم کا کہ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو درگذر فرمائے، گناہوں سے چشم پوشی فرما کر ہماری عظمتِ رفتہ ہمیں لوٹا دے۔ ہمیں عزت کی زندگی دے، ذلت کی موت سے بچا۔ دنیائے دوں میں ہمارا رہنا سہنا اور آزادی سے سانس لینا تک دوبھر ہو چکا ہے، ہماری اس مشکل کو آسان فرما۔ تو غفور و رحیم ہے، تیرے نام لیوا، تیرے حبیب (محمد مصطفٰےؐ) کے کلمہ گو آج جن آفات و مشکلات سے دوچار ہیں وہ تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ ہماری خطاؤں کو معاف فرما، ذلت و رسوائی ہمارے دشمنوں کا مقدر بنے۔ آمین بحق معصومین آمین ثم آمین۔ کاش علامہ نے اس دعائیہ شعر میں جہاں رسول اللہ کے جدِّ امجد حضرت ابراہیمؑ کو شامل کیا ہے وہاں وہ حضورؐ کی آل پاک کو بھی شامل کرتے تو بہت خوب ہوتا۔

عرب خود را بنورِ مصطفیٰ سوخت

چراغِ مردۂ مشرق برافروخت

ولیکن آں خلافت راہ گم کرد

کہ اوّل مومناں را شاہی آموخت

ارمغان حجاز صفحہ ۱۲۶

یہ حقیقت واقعی ہے' اور کتب تاریخ و سِیَر میں تفصیل سے ملتا ہے کہ دنیائے عرب آمدِ سرکارِ دوجہاں سے قبل گھٹا ٹوپ اندھیروں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ علامہ فرماتے ہیں یہ تو حضور نبی اکرمؐ کے وجودِ ذی جود کے عالم شہود میں جلوہ افروز ہونے کا اعجاز ہے کہ مشرق کے خاموش چراغ میں روشنی پیدا ہوئی۔ لیکن ہوا کیا کہ اس خلافت نے جو بعد میں آئی' اس راہ کو گم کر دیا' جو سبیلِ نجات تھی۔ اور جس نے اس کو آدابِ شاہی کا شعورِ حقیقی دیا تھا' یہ کب ہوا؟ بقول اختر مرحوم

جب کر چکا جہاں سے سفر آخری رسول

بدلی ہوا تو دین کے بدلے گئے اصول

معلوم یہ ہوا کہ وہ اصول جو زندگی بسر کرنے کے لئے حضور نبی اکرمؐ نے متعیّن فرمائے تھے' ان میں ردّ و بدل سرکارؐ کے اٹھ جانے کے بعد کر دی گئی اور یہی وہ وجہ تھی جس نے مسلمانوں کو حقیقی صراطِ مستقیم سے دور کر دیا۔ اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ ملّتِ مسلمہ گروہ بندیوں کا شکار ہونا شروع ہو گئی۔ اور آج تک اسی چکر میں پھنسی ہوئی ہے۔ اسی لئے تو علامہ فرماتے ہیں :-

بیا تا کارِ ایں امّت بسازیم

قمارِ زندگی مردانہ بازیم

چناں نالیم اندر مسجدِ شہر

کہ دل در سینۂ مُلّا گدازیم!

علامہ موصوف کے نزدیک اسلام میں سب سے بڑا فتنہ اگر کوئی ہے تو وہ ملّا ہے جس نے سادہ لوح کلمہ گویان محمدؐ کو اپنی گروہ بندیوں کا شکار کر دیا۔ اور ایک دوسرے کے دل میں نفرت کا ایسا بیج بویا ہے کہ جو کاٹے نہیں کٹتا۔ اسی لئے آپ کا ملّا کے خلاف یہ نعرہ رہا۔

دینِ مُلّا فی سَبِیلِ اللّٰہ فساد

لہٰذا آپ اہلِ اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ آؤ وہی سبق یاد کریں جو حضورؐ نے ہمیں پڑھایا ہے۔ اسی میں فلاح ہے۔ اور آؤ آپس میں مل کر زندگی کا کھیل مردانہ انداز میں کھیلیں اور تمام شہر کی مساجد میں اتنا روئیں کہ سنگ دل ملّا بھی موم ہو جائے۔ جہاں علامہ مرحوم دینِ مُلّا کے خلاف نعرہ زن نظر آتے ہیں وہاں وہ ان "علماء عظام اور صوفیاء کرام" کے بارے میں جاوید نامہ میں اس شعر سے ان کی بزرگی و شرافت کا پردہ چاک کر ڈالتے ہیں۔ فرماتے ہیں :-

عالماں اَز علم قرآں بے نیاز
صُوفیاء دَرَندہ گرگ و مُو دراز

حقیقت بھی یہی ہے کہ آج کے علّامہ و فہامہ علم سے بے بہرہ، تعلیم قرآن سے دور، نہیں، دور ہی نہیں بلکہ بے پروا ہیں اور خانقاہوں پر بھبھوت لگائے، دھونی رمائے، لمبی لمبی لٹوں والے جعلی صوفیاء خونخوار بھیڑیئے کی طرح براجمان ہیں۔

یہ سب کچھ دینِ اسلام کے برعکس اور سرکارِ رسالت مآب کی تعلیمات کے خلاف کھلی بغاوت کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم (مسلمان) قہرِ الٰہی کے زیرِ عتاب آچکے ہیں۔ لہٰذا یہ ہمارا فرضِ اولین ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر اپنا اپنا محاسبہ خود کرے اور پھر اپنی اصلاح کی طرف توجہ دے۔ اسی میں خوشنودیٔ خدا و رسولؐ کا راز پوشیدہ ہے۔

شعلہ ہائے اُو صد ابراہیم سوخت
تا چراغِ یک محمّدؐ بر فروخت
اسرار و رموز ۱۳

اللہ! اللہ! یہ ہیں وہ اسرار و رموز کی باتیں جو علامہ موصوف عشقِ رسالت مآب میں ڈوب کر اشعار کے

صورت میں پیش کرتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ مجھے قسم ہے ذاتِ احدیت کی کہ میرے ممدوح کی شان یہ ہے کہ کروڑ ہا بار عشق نارِ نمرود میں کودا ہے۔ خودی کے ہزار ہا شعلوں نے کئی سو براہیموں کو آگ میں پھینکا ہے۔ تو تب کہیں جا کر ایک شمع رسالت بشکلِ احمدؐ مجتبیٰ، محمدؐ مصطفیٰ روشن ہوئی ہے۔ اسی لئے تو آنحضورؐ نگاہِ عشق و مستی میں اوّل و آخر قرار پائے۔ جب کچھ نہ تھا تو آپؐ تھے اور جب کچھ نہ ہوگا تو وہی ہوں گے۔

عِلم وحکمت کے مدینے کی کشش ہے مجھ کو

لُطف دیتا ہے کیا کیا مجھے ناداں ہونا

باقیاتِ اقبال ص۲۳

جہاں علامہ موصوف نے تاریخِ اسلام کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا ہے وہاں آپ نے نکاتِ درموز ہائے حدیثِ رسالت مآب کا بھی بنظرِ غائر مطالعہ کیا۔ اور بعد ازاں اپنی فکرِ جولاں سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے حکمتؐ[1] کے گھر اور علمؐ[2] کے شہر سے والہانہ عقیدت ہے۔ اسی عقیدت و محبت، عشق و مستی کی خلش میں کشش وارفتگی پاتا ہوں۔ اسی میں زندگی کا لطف ہے۔ میں اس سے بخوبی واقف ہوں کہ حقیقت ناآشنا، کانوں سے بہرے آنکھوں سے اندھے اور عقل سے مبرّا، فرزندانِ تہذیبِ جدید مجھے دیوانہ قرار دیتے ہیں اور کچی پکی روٹی کا فاضل ملّا اپنی تقریر و تحریر میں مجھے کافر[3] گردانتا ہے۔ لیکن میں (اقبالؔ) تو اسی دیوانہ پن میں لطفِ حقیقی محسوس کرتا ہوں اور ملّا کے فتوے میرے لئے سودمند ہیں۔ میں اس میں حقیقی مسرت، فخر و انبساط محسوس کرتا ہوں۔

---

۱ رسولِ اکرمؐ کا ارشاد ہے "اَنَا دَارُ الحِکْمَۃ" پھر فرماتے ہیں:-

۲ "اَنَا مَدِیْنَۃُ العِلْم"

۳ حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں آوازۂ حق بلند کرنے والے کے خلاف ایسے ہی کم علم، ملّاؤں نے کفر کے فتوے لگائے۔ اسی قسم کے حالات سے اپنے دور میں علامہ صاحب کو بھی دوچار ہونا پڑا۔ ملک کے اس کونے سے لے کر اس کونے تک ملّانے لے کر آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ لیکن بعد میں، ہم آج تک دیکھتے ہیں کہ یہی ملّا اپنے کلام و بیان اور خطبات میں جہاں قرآن کا حوالہ دیتے ہیں وہاں احادیثِ نبویؐ کو بھی لاتے ہیں اور کلامِ باری اور حدیثِ نبویؐ کے ساتھ ساتھ آپ کے کلام کو جھوم جھوم کر لئے سے بیان کرتے ہیں۔ یہی، قائدِ اعظمؒ کے واسطے فتوئ کفر صادر فرمایا تھا۔ مگر آج انہی ہر دو شخصیات کے ذکر میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ (عمرانی)

بمنزل کوش مانندِ مہِ نو

دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دہر

بحق دل بند و راہِ مصطفٰے رو!

ارمغانِ حجاز صفحہ ۸۹

خدائے بزرگ و برتر نے جہاں تجھے عقل کی دولت سے نوازا ہے۔ وہاں دیکھنے کے لئے تجھے دیدۂ بینا بھی تو دی ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان نیلگوں پہ پہلی رات کا چاند جسے ہلال کہتے ہیں کتنا باریک ہوتا ہے کہ بہت دیر کے بعد نظر پڑتا ہے۔ مگر یہی باریک و خفیف سا چاند جوں جوں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہے ہلال سے بدرِ کامل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ علامہ موصوف اس فلسفے سے مسلمانانِ عالم کو بالعموم اور واسیانِ ہند کو بالخصوص یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ وہ بھی اپنی منزلِ گم کردہ کو تلاش کر کے اس پہ تیزی کے ساتھ بڑھیں اور اس مقام پہ پہنچ جائیں جس کو معراجِ انسانیت کہا جاتا ہے۔ لیکن راہ ہاتھ آ جانے سے ہی کام نہیں چلے گا نہ ہی عقل و خرد کی رہبری منزل تک پہنچا سکے گی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تعلیماتِ سرکارِ دو جہاں کی روشنی میں یہ قافلۂ حیات سوئے نجات گامزن ہو۔ سورۂ نساء میں ارشادِ رب العزت ہوتا ہے کہ[1] "جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی" معلوم ہوا کہ فرمانبرداریٔ رسولِ انام میں ہی انعام و اکرام کی دولت اور صراطِ مستقیم کا راز پوشیدہ ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ راستہ کونسا ہے، رسولِ اکرمؐ نے اپنے بعد اپنی امت کے لئے کن کو اس کا وارث قرار دیا ہے۔

جب ہم اس موڑ پہ پہنچ کر فکر سے کام لیتے ہیں تو بآسانی رسالت مآب کی زبانِ وحی ترجمان سے نکلے ہوئے کلمات ملتے ہیں کہ[2] میں اپنے بعد تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک میری اہل بیت اور دوسری کتابِ خدا ہے یعنی قرآن پاک، اگر تم نے ان سے تمسک رکھا تو نجات پاؤ گے۔ کتابِ خدا کا تعین تو ہو گیا کہ کلامِ باری

لہ وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (القرآن)

ٹہ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ (حدیثِ رسول) بحوالہ ترمذی

راوی جابر بن عبداللہ

مراد ہے۔ اب اہلِ بیتِ رسولؐ کون ہیں؟ یہ بھی کوئی مشکل نہیں۔ آیۂ تطہیر نے ان کی وضاحت کر دی ہے۔ اتنی روشن دلیلوں کے بعد بھی مسلمان کا راہِ حق سے بھٹکتے رہنا۔ یہ شومیٔ قسمت نہیں تو اور کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہر جگہ پر مسلمانوں میں انتشار و خلفشار پھیلا ہوا ہے۔ یہ ہمارے آپس کے انتشار کا نتیجہ ہے کہ آج بیت المقدس یہودیوں کے قبضے میں ہے۔ ہمیں اس پر بحیثیت امتِ مسلمہ کے سوچنا چاہیئے۔ ہماری کوتاہیوں کا اگر یہی عالم رہا تو پھر ہم اپنے مقدس خانۂ خدا (کعبہ) کو محفوظ رکھنے کے قابل نہ رہیں گے۔ اسی لئے علامہ نے صدی پہلے کہا تھا

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

قَابَ قَوْسَیْن بھی، دعوٰی بھی عبودیت کا!

کبھی چلمن کو اُٹھانا، کبھی پنہاں ہونا

زیادات صدا

ارشادِ رب العزت ہوتا ہے کہ اے میرے حبیب (محمدؐ) کہہ دو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔ مگر مجھ پر وحی الٰہی نازل ہوتی ہے۔ ایک طرف تو اپنے حبیب سے یہ دعوٰیٔ عبودیت کروانا اور دوسری طرف شبِ معراج سدرۃ المنتہٰی کے اس پار بلا کر قاب قوسین اَو اَدنیٰ کا مصداق ٹھہرانا۔ یہ وہ اسرار و رموز ہائے الٰہیہ ہیں کہ جہاں عقلِ انسانی کی رسائی محال و ناممکن دکھائی دیتی ہے۔ کبھی تو یہ کہ دعوٰی عبدیت ہو۔ اور کبھی شبِ معراج قربِ الٰہی کا یہ عالم دو کمانوں سے بھی نزدیک تر علامہ موصوف کا مندرجہ بالا شعر ان وہابیوں کے ملاؤں کے لئے کھلا چیلنج ہے۔ جو طوطے کی طرح ایک ہی رٹ لگائے چلے جا رہے ہیں کہ آنحضورؐ ہم ایسے بشر تھے۔ مگر وہ قرآن پاک کے اگلے الفاظ بھول کیوں جاتے ہیں۔ جہاں یہ ارشاد ہوتا ہے یُوحٰی اِلَیَّ مگر مجھ پر وحی

لہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آنحضورؐ نبی اکرمؐ نے لفظ اہلِ بیت کا مصداق حضرت علی علیہ السلام، جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو ہی قرار دیا۔ یہی وہ ذواتِ مقدسہ و مطاہرہ ہیں۔ انہی کی محبت اجرِ رسالت ہے۔ (مہرانی)

سہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الکہف: ۱۱۰)

ہوتی ہے۔ وحی وہ پیغامِ الہٰی ہے جو جبرئیل امین پروردگارِ عالم کی جانب سے اس کے پیغمبر کو پہنچاتا ہے، اب بتلائیں، وہ جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضورؐ ہمارے جیسے ہی بشر تو ہیں۔ ان میں سے کتنے ایسے ہیں۔ جن پر جبرئیل امین پیغامِ احدیت بصورتِ وحی لے کر نازل ہوا ہے۔ اور کتنے ہیں وہ جنہوں نے قابَ قوسین کی منزل کو چھوا ہے۔ جواب ہر دو سوال کا نفی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

مَاعَرَفْنَا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری
قابَ قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری

زیادات ص۱۳۱

اس شعر میں بھی وہی تلمیح ہے جو پہلے شعر میں ہے۔ وہاں "قُل" کہہ دے تاکید ہے۔ منجانب اللہ یہاں مَاعَرَفْنَا[1] خود فرمانِ رسالت مآب ہے۔ کہ میں نے نہیں پہچانا تجھے جیسا پہچاننے کا حق ہے۔ غالب کی زبان میں ؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔
والا مسئلہ ہے۔ ایک طرف تو عجز و انکساری کا یہ عالم ہے۔ اسی مَاعَرَفْنَا اور "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" ایسے ہی فرمودات نے آنحضورؐ نبی اکرم کی عظمت و رفعت کو چھپا رکھا ہے اور شاید یہ حقائق چھپے ہی رہتے ؛ اگر شبِ معراج معبود اپنے عبد (محمدؐ) کو قابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کی منزل میں داخل نہ کرتا۔ بہرکیف شبِ معراج سے بہت سے راز منکشف ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس واقعہ کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں۔

کبھی یثرب میں اویس[2] قرنی سے چھپنا
کبھی برقِ نگہِ موسٰی[3] عمران ہونا

زیادات ص۱۳۱

جب سرکارِ دوجہاں کا وجودِ ذی جود، عالمِ وجود میں جلوہ گر ہوا۔ تو اطرافِ عالم میں آنحضورؐ کا شہرہ پہنچا۔ آپ کی دید کے طالب کشاں کشاں دور دراز علاقوں سے مسافت طے کر کے مدینے پہنچنے لگے

---

[1] مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ

[2] یہ حضورؐ کے ایک عاشقِ صادق کا نام نامی ہے۔

[3] موسٰی عمران سے مراد حضرت موسٰی علیہ السلام ہیں۔

انہی اللہ والوں اور رسول اکرم کے چاہنے والوں میں اویس قرنی نامی شخصیت بھی آتی ہے۔ آپ نے آنحضورؐ کے اوصاف حمیدہ اور پیغام سنجیدہ پر لبیک کہی اور کوسوں دور بیٹھے ایمان لائے اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت اویس قرنی نے حضورِ ختمی مرتبت کو دیکھا نہیں۔ اشتیاق زیارت نے شدت اختیار کی۔ قصہ طویل ہے مختصر یہ کہ گھر سے چلے، مدینہ پہنچے، مگر آنحضور کی زیارت سے مشرف نہ ہو پائے۔ اسی حسرت کو لئے گھر کو لوٹ آئے۔ ایک طرف تو یہ ہوا کیونکہ والدہ گرامی کی خدمت اور ان سے پل بھر کی دوری آپ کو پسند نہ تھی۔ یہی چیز تھی جو سدِ راہ رہی۔ جس نے شرف زیارت سرکار رسالت مآب سے محروم رکھا۔ ادھر موسیٰؑ عمران کے پیہم اصرار پر کوہ طور پر جلوہ افروز ہونا، یہ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ جب عالم وجود میں تھے تو اویس قرنی سے چھپے رہے۔ اور جب عالم وجود میں نہ تھے تو طور پر ہلکا سا جلوہ دکھا کر موسیٰ کے ہوش گم کر دیئے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کا اصرار بڑھتا چلا گیا کہ مجھے اپنا دیدار دے تو ایک روز کوہ طور پر بلا کر حضرت موسیٰؑ کی ضد پوری کر دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تجلی جو کوہ طور پر چمکی تھی۔ جس نے موسیٰؑ ایسے نبی کے ہوش گم کر دیئے تھے وہ سرکار رسالت مآب کے نور کی ہلکی سی جھلک تھی۔

گرچہ پوشیدہ رہا حسن تیرا پردوں میں

ہے عیاں معنیٔ لولاک سے پایا تیرا

آنحضورؐ نبی اکرم کے بارے میں کتب تاریخ و سیر میں یہ ملتا ہے کہ آپ جب سے ہیں جب کچھ نہ تھا۔ دن تھا نہ رات، گھڑیاں تھیں نہ گھڑیال، ماہ تھے نہ سال، غرضیکہ کائنات کی کوئی شے وجود میں نہ آئی تھی۔ وہ معبود تھا یہ عابد، وہ مسجود تھا یہ ساجد، وہ حمد تھا یہ حامد، وہ شکور تھا یہ شاکر۔ وہ احد تھا یہ احمدؐ۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ ۱؎ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم ابھی آب و گل کے درمیان تھے۔ وہ مٹی جس سے حضرت آدمؑ بنے وہ ان کے سامنے خمیر ہوئی۔ جب آدم کا پتلا تیار ہو گیا تو حکم رب العزت ہوا کہ دیکھو ملائک جب میں اس خاک کے پتلے میں روح پھونک دوں تو تم اس کے حضورؐ سجدہ ریز ہو جانا۔ سب نے تعمیل کی ماسوا ابلیس کے جو قوم اجنا میں سے تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لعنت کا طوق ڈال کر صف

۱؎ کُنتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ المَاءِ وَ الطِّیْنِ

(حدیث مبارکہ)

ملائک سے نکال دیا گیا۔ تیری عظمت کیا کہنا! ارشادِ قدرت کہ اے حبیبؐ! (محمدؐ) اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ تو دنیائے دوں کی کوئی شے معرضِ وجود میں نہ آتی۔ نہ زمین ہوتی نہ آسمان، نہ سورج ہوتا نہ چاند تارے۔ یہ زمیں کا فرشِ مخملیں اور یہ فلک کی ستاروں ٹکی چادر اس پہ دمکتا ہوا سورج، چمکتا ہوا چاند صرف تیری بدولت پیدا کیے گئے ہیں۔ غرضیکہ آنحضورؐ ہی زبدۂ کائنات ہیں۔

از وجودِ تو سرافرازیم ما

پس بہ سوزِ ایں جہاں سوزیم ما

قدم بوسی سرکارِ دوجہاں کے ضمن میں علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہؐ، اور اعلیٰ وارفع سیرت ہی ہماری سرافرازی، اقبال مندی اور سعادت کا سبب ہے۔ بس آپؐ کی محبت جس دل میں گھر کر جائے۔ اُس دل کا جواب نہیں اور اُس انسان سے بڑھ کر کوئی مقدر کا دھنی نہیں۔ آپؐ کی محبت سوزِ دنیائے دوں کی محبت کو نیست و نابود کر دینے کے لئے کافی ہے۔

متفرقاتِ اقبال

سرودِ رفتہ علامہ اقبال کے اس مجموعے کا نام ہے جو مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے ترتیب دیا۔ یہ ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب ہے۔ اس میں علامہ صاحب کا وہ کلام ملتا ہے جو بالِ جبریل، بانگِ درا، ضربِ کلیم، پیامِ مشرق، زبورِ عجم، اسرار و رموز، بیخودی اور جاوید نامہ میں سے رہ گیا تھا۔ ہم نے سرودِ رفتہ سے صرف وہ اشعار جو ہمارے عنوان سے متعلق ہو سکتے تھے حضور نبی اکرمؐ کے باب کے آخر میں رکھ دیئے ہیں تاکہ قارئین کو علامہ صاحب کی نعت گوئی کا اندازہ ہو سکے۔

نالۂ یتیم، جسکو "فریادِ امت" بھی کہا جاتا ہے یہی وہ نظم ہے جو علامہ مرحوم نے 'انجمن حمایتِ اسلام' کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۳، ۲۴، ۲۵ فروری ۱۹۰۰ میں پڑھی تھی۔ صدارت کے فرائض شمس العلماء مولانا نذیر احمد خاں صاحب نے انجام دیئے تھے۔

تیرے نظارے کا موسیٰؑ میں کہاں مقدور ہے

تو ظہورِ لن ترانی گوئے اوجِ طور ہے!! سرودِ رفتہ ص۱۵

بلاشبہ حضرت موسیٰ میں یہ تاب، یہ مجال کہاں کہ وہ خالق کائنات کا دیدار کر سکیں۔ وہ تو اس کے محبوب محمد عربیؐ کے جمالِ جہاں آرا کی ہلکی سی جھلک دیکھ کر ہوش گم کر بیٹھے تھے۔ علامہ صاحب کا اشارہ اس شعر میں اس واقعہ کی طرف ہے جو جناب موسیٰ کے ساتھ کوہِ طور پر پیش آیا۔ حضورؐ ہی ظہورِ لن ترانی کے مصداق ہیں۔ آپ ہی کے نور کے

ہلکی سی چھوٹ کوہ طور کی شہرت کا سبب بنی اور حضرت موسیٰؑ اور ان کے حواریوں کے پیہم اصرار کا جواب!

ہاں ادب اے دل بڑھا اعزاز مشت خاک کا

میں مخاطب ہوں جناب سیدِ لولاک کا

سرود رفتہ صفحہ ۱۶

علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ اللہ اللہ، کہاں میں گنہگار و ذلیل، کہاں منقبت سرکارِ دوجہاں، مگر اے دل ذرا ادب ملحوظ خاطر رہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ سیدِ لولاک کی مدحت کا فریضہ ادا کرے گی تو یہی مشت خاک لائق تعظیم و تکریم ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ میں حضورؐ ختمی مرتبت کی شان میں صبح و مسا رطب اللسان ہوں مجھ ایسا عبد ذلیل، جو صرف ایک مٹھی خاک کے سوا کچھ بھی نہیں، یقیناً یہی ایک مشت خاک جب نبیؐ پاک

ابر گہر بار ——— یہ بھی سرود رفتہ کی ایک نظم ہے جو تمام کی تمام علامہ صاحب نے نعت کے انداز میں کہی۔ اور یکم مارچ ۱۹۰۳ء کو پڑھی گئی۔

پیرہن جب عشق کا حُسن ازل نے پہنا

بن کے یثرب میں وہ آپ اپنا خریدار آیا

سرود رفتہ صفحہ

اقبال مرحوم کا یہ شعر حدیث قدسی کا ترجمان ہے۔ جہاں ارشادِ قدرت ہوتا ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں، اس لئے اے محبوبؐ میں نے تجھے پیدا کیا۔

میں نے سو گلشن جنت کو کیا اس پہ نثار

دشت یثرب میں اگر زیر قدم خار آیا

سرود رفتہ ۱۴۴

علامہ فرماتے ہیں کہ میں یثرب کی طرف گامزن ہوں۔ اگر اس دیار تک پہنچنے میں کوئی کانٹا بھی میرے پاؤں میں چبھا تو میں نے اسے بھی خوش آمدید کہا اور اس کانٹے پر سینکڑوں گلشن جنت نچھاور کر دیئے ہیں۔ علامہ اقبال عشق رسالت میں یہاں تک کہہ گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کے عشق میں مرنے کے بعد بھی اقبال، اقبال ہو رہا ہے۔

گویا اقبالؔ زندہ ہے۔

عشق کی راہ میں اِک سیر تھی ہر منزل پر
نجد کا دشت کہیں، مصر کا بازار آیا!!! سرودِ رفتہ ۱۷۶

علامہ کہتے ہیں کہ عشق کی راہ میں ہر منزل پر طرفہ تماشا تھا۔ نجد کے دشت کی سختیاں ہوں یا مصر کے بازار میں خریداروں کی بولیاں ہوں ہم نے راہِ عشق میں یہ سب کچھ سہا۔

لیں شفاعت نے قیامت میں بلائیں کیا کیا
عرقِ شرم میں ڈوبا جو گنہگار آیا! سرودِ رفتہ ۱۷۶

یا رسول اللہ آپ کی شفاعت نے مجھ ایسے گنہگار کو اپنے سایۂ رحمت میں لے لیا۔ حالانکہ میں تو مارے شرم کے سر بھی نہ اٹھا سکتا تھا۔ مگر آپ کی شفقت و مہربانی، رحم و کرم نے میرا بھرم رکھ لیا۔ ورنہ یہ عبدِ ذلیل، ربِ جلیل کے سامنے سرِ محشر ذلیل و رسوا ہو جاتا۔

وہ مری شرمِ گنہ اور وہ سفارش تیری
ہائے اس پیار پہ کیا کیا نہ مجھے پیار آیا سرودِ رفتہ ۱۷۶

یہ تو سرکارِ دو جہاں کی سفارش تھی جو میں بچ گیا۔ آپ کی اس بروقت شفاعت اور شفقت پہ یا رسول اللہ مجھے بھی آپ کی اس ادائے خاص پر بہت ہی پیار آیا۔

مجھے کیا کیا پیار آیا؟ یہ بیان سے باہر ہے۔ زبان گنگ، عقل کی پرواز محدود اور الفاظ میں وسعت نہیں جو اس پیار کی کیفیت کو بیان کر سکیں۔

خاک ہو کر یہ ملا اوج تری اُلفت میں
کہ فرشتوں نے لیا بہرِ تیمم مجھ کو؟؟؟ سرودِ رفتہ ۱۷۶

علامہ فرماتے ہیں، یہ شرف و منزلت یا رسول اللہ مجھے آپ ہی کی محبت میں فنا ہو کر ملا ہے۔ کہ آج مجھ ایسے
عبدِ ذلیل ، کی مشتِ خاک کو ملائکہ بہر تیمم استعمال کر رہے ہیں۔

موت آجائے جو یثرب کے کسی کوچے میں

میں نہ اٹھوں جو مسیحا بھی کہے قُم مجھ کو

اللہ جانتا ہے کہ اگر مجھ (اقبال) کو دیارِ یثرب کے کسی کوچے میں موت آجائے تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ اور
یقین جانو! کہ میں پھر کبھی نہ اٹھوں، لاکھ مجھے مسیحا بھی قم باذن اللہ کیوں نہ کہہ کہہ کر تھک جائے۔

اے کہ تھا نوحؑ کو طوفاں میں سہارا تیرا

اور براہیمؑ کو آتش میں بھروسہ تیرا

جب کشتیٔ نوح گردابِ بلا میں آن پھنسی تو انہوں نے مدد کے لئے آپ ہی کا سہارا لیا - اس طرح جب ابراہیم
خلیل اللہ کو نارِ نمرود میں پھینکا گیا تو اس وقت بھی آپ ہی کا نام کام آیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کام بھی کرواتے
تھے وہ بذریعہ حضرت علی کرواتے تھے۔ اسی لئے حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے ہر نبی کی چھپی ہوئی مدد
کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر بظاہر۔

(حدیث رسولؐ)

انا مدینۃ العلم و علیٌ بابھا

ترجمہ: میں علم کا شہر ہوں اور علی اسکا دروازہ ہے

فیض اقبال ہے اسی در کا
بندۂ شاہِ لافتیٰ ہوں میں

: علامہ اقبالؒ

مسلمِ اوّل شہِ مرداں علیؑ

عشق را سرمایۂ ایماں علیؑ

اسرارِ رموز صفحہ ۵۲

شاعرِ مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ نے اپنے ممدوح، مولائے کائنات، مشکل کشائے شش جہات علی مرتضیٰؑ کو نہایت نپے تلے، شگفتہ و شائستہ انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا جو حقائق و معارف پر مبنی ہے۔ اللہ کے خانہ زاد نبیؐ کے داماد، جبرائیل کے استاد، دانائے سُبل، عقلِ کُل، وارثِ ختم الرسل کی تین خصوصیات کو اپنے فلسفیانہ اور شاعرانہ انداز میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ علیؑ وہ ہے کہ جن کو مسلم ہونے کا گرانقدر اوّل اعزاز نصیب ہوا۔ ابنِ عباسؓ سے روایت نقل ہے کہ سب سے پہلے علیؑ نے نماز پڑھی[1]۔ اسی ضمن میں حضرتِ جابرؓ سے بھی روایت ملتی ہے۔ فرمایا رسول پاکؐ نے کہ میں پیر کے دن مبعوث ہوا اور علیؑ نے بروز منگل نماز پڑھی[2]۔

زید بن ارقم علی المرتضیٰ کے مسلمِ اوّل ہونے کے سلسلے میں رسولِ اکرمؐ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ علیؑ اوّل من اسلم۔ سب سے پہلے جو (محمدؐ) مجھ پر ایمان لائے، وہ علیؑ ابنِ ابیطالب ہیں۔ اسی حدیث ہی تائید میں الکلبیؒ و ابوحازمؒ بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر یہاں پہنچ کر ہر ذی شعور حس کو تھوڑا بہت بھی تاریخ اسلام سے مس ان راویان کی ان روایات پر اختلاف کثیر پایا۔ المستود میں یہ رقم ہے کہ انہوں (علیؑ) نے کبھی شرک کیا ہی نہیں۔ اور نہ ہی کبھی اور مسلک سے منسلک رہے۔ وہ تو اتباعِ رسولِ اکرمؐ، نبیؐ مکرم کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھتے تھے اور اسی مسلک (اسلام)

---

[1] اوّل من صلّی علیؑ (تاریخ طبری)

[2] قال بعث رسول اللّٰہ یوم الاثنین وصلی علی یوم الثلاثہ (تاریخ طبری)

واتباعِ سرکارِ دوجہاں میں حق شعور میں قدم رنجہ ہوئے ۔ اور اسی پر انجام بخیر ہوا ۔ اپنے بارے میں خود سرکارِ امیر المومنین فرماتے ہیں ۔ فَاِنِّی وُلِدْتُ عَلَی الْفِطْرَۃِ وَسَبَقْتُ اِلَی الْاِیْمَانِ ۔ اسی ذیل میں حضور سید الوصیین کا ایک شعر بھی ملتا ہے ۔ ذرا سنئیے :

سبقتکم الی الاسلام طفلا

صغیرا ما بلغت اوان حلمی

جیسے آپ کے سابق الاسلام ہونے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ملتا ۔ ویسے ہی آپ کی شجاعت و بہادری، دلیری و جوانمردی اور ثباتِ قدمی میں کلام نہیں ۔ اگر بالغ نظری سے تاریخِ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو کوئی ایسی جنگ نہیں جو عہدِ رسولؐ میں کفر و الحاد اور زندیقیت کے خلاف لڑی گئی ہوئی اور علیؑ المرتضیٰ اس میں شریک نہ ہوں ۔ ہم تاریخ کے اس آئینہ میں اسی شخصیت کو بدر و احد، خندق و خیبر میں سربلندیِ اسلام، بقائے دین اور تحفظِ حرمتِ نبوت میں سرگرمِ عمل پاتے ہیں ۔ ربُّ العزّت نے اسی جذبہ ایثار و قربانی کو دیکھ کر عزّت افزائی کے طور پر لافتیٰ کا تاج پہنایا ۔ یہی علیؑ وہ مردِ آہن ہے جس نے دوشِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر لات، منات و ھبل ایسے خود ساختہ خداؤں کی گردن توڑ دی، بدر و احد میں سردارانِ کفر کے سر قلم کئے ۔ خندق میں عمر بن عبدود کا سر قلم کر کے ضربت علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین کا اعزاز پایا اور خیبر میں مرحب و عنتر ایسے نامی گرامی شہ زور کا زورِ غیور اور گھمنڈ چشم زدن میں خاک میں ملا کر رکھ دیا ۔

خیبر میں رسولِ اکرمؐ نے کرّار غیر فرّار، مردِ میدان اور علمِ اسلام کا محافظ و نگہبان قرار دیا ۔ جنگِ خندق میں عمر بن عبدود کے مقابل بھیجتے وقت خاتم الرسلؐ نے علی کو کل ایمان کہہ کر مدِمقابل کے کل کفر ہونے کی نشاندہی کر دی اور قیامت تک کے لئے ایک اصول چھوڑ گئے ۔ وہ یہ کہ جو بھی کل ایمان، علیؑ المرتضیٰ کے سامنے آئے گا وہ کل کفر ہوگا چاہے اس میں مرد ہو یا عورت ۔ جب علیؑ عمرو کا کام تمام کر کے خراماں خراماں واپس سرکارِ دوجہاں کے حضور حاضر ہوئے تو فرطِ مسرت سے رسولؐ نے بڑھ کر گلے لگایا ۔ پیشانی پر بوسہ دیا، بازوؤں کو چوما اور زبانِ وحی ترجمان سے فرمایا کہ علیؑ! تمہاری آج کی ایک ضربِ کاری ثقلین کی عبادت سے کہیں بھاری ہے ۔

۱؎ مسجد کوفہ میں رمضان المبارک کی انیسویں شب کو ابن ملجم کی تلوار کا زخم کھا کر فرماتے ہیں " فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ " یہ وہی کہہ سکتا ہے جس نے کامیاب زندگی گزاری ہو ۔ (عمرانی)

۲؎ مدارج النبوۃ ج دوم صہ ۲۱۳ ۔

تیسری خصوصیت سرکار امیر المومنین کی علامہ مرحوم نے یہ متعین کی ہے کہ علیؑ اعلیٰ و ارفع شخصیت ہے کہ جو بعد از رسولؐ، بزرگ و برتر نظر آتی ہے۔ اللہ اور اللہ کا رسولؐ اس کو عزیز اور دوست رکھتے ہیں۔ جو علیؑ کو دوست رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے سرکارِ نجف، امیر المومنین، سید الوصیین سے خلوص وعقیدت اور والہانہ محبت ہے۔ یہی محبت مومن کے لئے سرمایۂ ایمان و ایقان ہوا کرتی ہے۔

از ولائے دودمانش زندہ ام

در جہاں مثلِ گہر تابندہ ام — اسرار و رموز صفحہ ۵۲

علامہ صاحب کا تمام کلام، اردو کا ہو یا فارسی کا، بتدریج پڑھ جائیے جہاں بھی انہوں نے امیر المومنین کے متعلق کچھ کہا ہے وہ انہوں نے خلوص محبت اور دریائے معرفت میں ڈوب کر کہا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ آپ (اقبال) کو سرکار شاہِ نجف سے والہانہ محبت تھی۔ آپ کا نظریہ زندگی کے بارے میں یہ ہے کہ زندگی جسم اور روح کے ربط وضبط کا نام نہیں ہے۔ بلکہ حیات بے ثبات کو قیام ودوام اگر ہو سکتا ہے تو علیؑ کی محبت سے ہو سکتا ہے اور یہی انسان کے لئے معراج زندگی اور اسی میں حق کی بندگی کارفرما ہے۔ جس کے دل و دماغ میں علیؑ کی محبت روح بن جاتے وہ مرتا نہیں وہ بعد از مرگ بھی زندہ و پائندہ رہتا ہے۔

نرگسم وارفتۂ نظارہ ام

در خیابانش چو بو آوارہ ام — اسرار و رموز صفحہ ۵۲

علامہ اقبال پر یورپ کا جدید فلسفہ اور مغربی تہذیب اس لئے اثر انداز نہ ہو سکی کہ ان کے پیش نظر باب مدینۃ العلم اور مدینۃ الحکمہ کا فلسفہ وحکمت اور اسوۂ حسنہ تھا۔ وہ فلسفۂ سقراط، حکمت ارسطو اور تیزیٔ ادراک افلاطون پر کبھی راضی نہیں ہوئے اور نہ ہی کبھی ان مکاتیب فکر سے اپنی دانش وبینش کو صیقل کیا۔ وہ تو سرکار امیر المومنین کو دانائے سُبُل، عقلِ کل اور علم وحکمت کا سرچشمہ تصور کرتے ہیں۔

جب اقبال مرحوم کو علیؑ کے جمال جہاں آرا کا نظارہ ہو گیا تو وہ پھر پل بھر کے لئے اس نظارے سے غافل نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کو معرفت امیر المومنین علی المرتضیٰ حاصل ہو گئی تو پھر آپ کی نظر میں بعد از خدا و رسول سوائے علی المرتضیٰؑ کے کوئی نہ جچ سکا۔ اور نہ ہی دل میں سما سکا، اور نہ ہی کسی کو عقل نے

تسلیم کیا۔

زمزم ار جوشد ز خاکِ من ازوست
مے اگر ریزد ز تاکِ من ازوست

اسرار و رموز صفحہ ۵۲

اگر قوانین شرعیہ اور شریعتِ محمدیہ کے دقیق و عمیق مسائل پر نظر غائر ڈالیں تو حیدر کرار کی ذاتِ والاصفات ہی وہ اوّل و آخر سرچشمۂ فیض و کرم نظر آئے گی اور اسی طرح تصورہائے تصوّف اور نقطہ ہائے طریقت پر مبنی کتابوں کی ورق گردانی کی جائے تو یہ بات بآسانی پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ تصوّف و طریقت کا منبع بھی علیؑ ہی کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ بایں وجہ علامہ مرحوم آپ کو علم و حکمت، قضا و قدر، عشق و مستی، جذب و شوق اور علم خفی و جلی کا محرم و راز داں سمجھتے ہیں۔ آپ کو یہ اعتراف ہے کہ میری نغمہ سرائی و زمزمہ خوانی سے چشمۂ زمزم موجزن ہے تو اس میں میرا اپنا کوئی کمالِ فن نہیں ہے۔ یہ تو اس ممدوح کی مدح سرائی کا اعجاز ہے کہ میرے انگور سے (اس گئے گذرے وقت میں بھی) مے حُبِّ علیؑ ٹپک رہی ہے یہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی دین ہے۔

خاکم از مہرِ او آئینہ ام
می تواں دیدن نوا در سینہ ام

اسرار و رموز صفحہ ۵۲

لاریب میں خاک کا ایک حقیر و ذلیل پتلا ہی مگر صاحب لاکھ لاکھ شکر ہے اس خدائے بزرگ و برتر کا کہ جس نے عشقِ رسولؐ، حُبِّ آلِ رسولؐ اور ولائے حیدرِ کرار سے میرے دل کی کثافتوں اور کدورتوں کو کافور و نابود کر دیا ہے اور میرے دل کے آئینہ کو وہ جلا بخشی کہ میری آنکھوں کو بصیرت مل گئی۔ میرے سینے میں سوز، جگر میں گداز اور دل میں اللہ ہو کا ساز ہے یہ سب کچھ امیرِ عرب، شاہِ نجف کی محبّت کا اعجاز ہے۔ اسی سے میں نے عشقِ حقیقی کی منزل کا تعین کیا ہے۔

از رُخِ او فال پیغمبر گرفت
ملّتِ حق از شکوہش فر گرفت

اسرار و رموز صفحہ ۵۲

جہاں اللہ کے پیارے رسولؐ نے غدیرِ خم پر علیؑ کا ہاتھ تھام کر یہ کہا تھا " مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ

جس کا میں مولا ہوں، علیؑ اس کا مولا ہے۔ جہاں کتبِ احادیث میں علی المرتضیٰ کی شان میں ان گنت احادیث موجود ہیں۔ مثلاً فرمانِ رسالت مآبؐ ہے کہ اپنی مجالس و محافل کو علیؑ ابن ابی طالبؑ کے ذکر سے زینت دو،[1] اسی طرح ایک اور حدیث جس کی راویہ جنابہ عائشہ ہیں، آپ فرماتی ہیں کہ میں نے رسولِ مقبولؐ کو یہ کہتے سنا ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب کے چہرے کو دیکھنا عین عبادت ہے۔ اسی حدیث کو صحابیِ رسولؐ حضرت عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ علیؑ کے چہرے کو دیکھ لینا عبادت ہے۔[2] اسی لئے علامہ مرحوم نے اپنے شعری انداز میں مسلم اول شہِ مرداں (علیؑ) کے چہرے سے فالِ نیک لی ہے۔ ملّت اسلامیہ کی سربلندی، شان و شوکت اور اسلام کے عروج غزوات النبیؐ میں کامیابی میں علیؑ کی ذاتِ گرامی کا نی حد تک دخیل ہے۔

قوتِ دینِ مُبیں فرمُودہ اش

کائنات آئیں پذیر از دودہ اش

اسرار و رموز صـ۵۲

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے نصرتِ حق، احیائے اسلام، بقائے دین و ملّت کے سلسلہ میں وہ مثالی کردار ادا کیا جس کی نظیر تاریخ اسلام پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ اور جنگ احد وہ جنگ ہے کہ جس میں سرکارِ عرب و عجم، رحمتؐ عالم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ اور میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے لوگوں نے مدینہ میں یہ خبر عام کر دی کہ نصیبِ دشمناں نبیؐ اکرم قتل کر دیئے گئے ہیں۔ مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ رسول اللہؐ کے قوتِ بازو علیؑ المرتضیٰ ہمراہ ہوں اور سرکارِ رسالت مآبؐ کو کوئی نقصان پہنچے۔ امیر المومنین نے اس عالمِ افراتفری میں تحفظِ تاجدارِ نبوت کے لئے سینہ سپر نظر آتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو۔ آخر جگر جگر ہے دگر دگر ہے۔ علی علیہ السلام وہ ہیں جنہوں نے دعوت ذی العشیرہ کے روز سرکار رسالت مآبؐ کی نبوت کی واحد گواہی دے کر دینِ مبین (اسلام) میں قوت و استحکام اور بقائے دوام کی روح پھونک دی۔ سچ تو یہ ہے کہ علیؑ اور اولادِ علیؑ اسلام کے ہر آڑے اور اڑے وقت میں کام آئی اور شجر اسلام کی آبیاری اپنے خون سے کرتی رہی، بقول کسی شاعر کے:-

---

[1] ریاض النضرہ ج (۱) صـ۱۵۳ ۔ مدارج النبوۃ ج (۲) صـ۵۱۳ ۔ کنز العمال ج (۶) صـ۳۹۹

[2] عن عمران ابن الحصین قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول النظر الی وجہ علی عبادۃ ۔ صواعق محرقہ
لسان العرب ج (۵) صـ۲۱۵ مناقب خوارزمی صـ۲۵۱ ۔

یُونہی اسلام کے پیکر میں مضبوطی نہیں آئی

بڑی انمول جانیں دی ہیں اولادِ پیمبرؐ نے[۱]

علیؑ المرتضیٰ کی ذاتِ بابرکات وہ ہے کہ جس کے دم قدم سے قانونِ الٰہی کو فروغ اور دینِ اسلام کو قوت و استحکام نصیب ہوا۔

مُرسلِ حق کردہ نامش بُوتراب[۲]

حق یَدُاللہ خواند در اُمُّ الکتاب[۳]

"ابوتراب" کے لغوی معنی "مٹی کا باپ" ہے۔ یہ لقب سرکارِ نجف کو والیٔ دوجہاں محمدؐ مصطفٰے نے اس وقت دیا تھا جب علیؑ المرتضیٰ عبادتِ الٰہی سے فارغ ہو کر صحنِ مسجد میں فرشِ خاک پر لیٹے ہوئے تھے نبی اکرمؐ کو سونے کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ پیار سے فرمایا قم قم یا ابوتراب! وہی علیؑ جن کا فرشِ خاک پر سونا محمدؐ مصطفٰے کو بھایا اور بسترِ رسولؐ پر شبِ ہجرت یہی سونا اللہ تعالیٰ کو پسند آیا کہ مرضات اللہ کے بالوں سے یہ سونا تُلا مصرعِ ثانی میں علامہ مرحوم نے فرمایا ہے کہ سرکار امیر المومنین کو یداللہ (یعنی اللہ کا ہاتھ کہہ کر) کتاب کا ریبا فیہ میں خود حق نے کہا ہے۔ جو نبی اکرمؐ کے دستِ مبارک سے پھینکے ہوئے کنکروں کے متعلق یہ کہتا ہے کہ اے میرے حبیبؐ! یہ کنکر تم نے نہیں، میں (اللہ) نے پھینکے ہیں۔ وہاں کنکر پھینکنے کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور یہاں علی کے دستِ مبارک کو اپنا ہاتھ قرار دیتا ہے۔

---

۱ اولادِ پیمبرؐ میں وہ سب کے سب نفوسِ قدسیہ شامل ہیں جو اولادِ علیؑ و بتولؑ سے ہیں۔ یعنی امام حسنؑ سے لے کر امام آخر الزمان تک

۲ وَمِنَ النّاس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ

(القرآن حکیم)

۳ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ

(سورہ البقرہ آیت ۲۱۶، القرآن الحکیم)

ہر کہ زیں بر مرکب تن تنگ تست

چوں نگیں بر دولتِ خاتم نشست

اسرار و رموز صہ۵۱

انسان کا نفس وہ سرکش تیز اور منہ زور گھوڑا ہے کہ اگر یہ انسان کے ہاتھ سے چھٹ جائیں تو پھر اس کا ترکش میں آنا امر محال ہے۔ اسی طرح منہ زور مرکب جب اپنے راکب کے نیچے سے نکل جائے تو پھر اس کو بس میں کرنا انسان کے بس کی بات نہیں رہتی۔ اقبال مرحوم نے اسی بات کو اس شعر میں بند کیا ہے۔ آپ (اقبال) کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنے نفس پر قابو رکھنا چاہیئے تب ہی دنیائے دول میں وہ موقر و معزز رہ سکتا ہو۔ اور اگر وہ اس کے برعکس خواہشات نفسانی کے تابع ہو گیا تو انجام بخیر نہ ہو گیا۔ علیؑ مرتضٰی کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ بلاغت کی جان، فصاحت کی آن بان ہوتا۔ مثلاً

اُٹھا کر ذرا دیکھو نہج البلاغہ

کہ کتنی علیؑ کی زباں محترم ہے! (عدآنی)

یہی وجہ ہے کہ سرکارِ امیر کے ارشادات و خطبات کو "نہج البلاغہ" کہا جاتا ہے۔

زیرِ پاش اینجا شکوہِ خیبر است

دستِ او آنجا قسیم کوثر است

اسرار و رموز صہ۵۳

جس (علیؑ) نے اپنے نفس (نفس امارہ) پر قابو پالیا ہو جس نے اپنی مرضی، مرضاتِ الٰہی کے سپرد کر دی ہو اور زندگی اتباعِ رسولؐ، نصرتِ اسلام اور بقائے دینِ حق کے لئے وقف کر دی ہو، خیبر ایسے آہنی قلعے (قلعہ قموس) کو وہی فتح کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم رکھتا ہے۔ قلعۂ قموس (خیبر) کوئی ایسا ویسا قلعہ نہ تھا۔ خود جناب امیر المومنین ارشاد فرماتے ہیں کہ قلعہ خیبر میں نے قوتِ بشری سے نہیں اکھاڑا بلکہ تائید ایزدی شاملِ حال تھی اور قوت ربانی کی مہربانی سے یہ فتح نصیب ہوئی۔ اس ضمن میں عربی شاعر ابن الحدید اپنے

ایک قصیدے میں فتح خیبر کو معجزہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے۔

یا قالع الباب الذی عن ھزہ

عجزت اکف اراجون واربع

(ترجمہ) :-

اے دروازہ خیبر کو اکھاڑنے والے! جس کو بیک وقت چوالیس (۴۴)

آدمی مل کر اکھاڑنے کی تو بات کیا ہلانے تک سے تا مرد عاجز تھے۔

دوسرے مصرعہ میں علامہ مرحوم نے آپ کے لقب کو نہایت نپے تلے، شگفتہ و شائستہ انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ علیؑ ہی ساقی کوثر ہیں۔ آپ ہی روز محشر اپنے دست مبارک سے محبین و مخلصین، فرمانبرداروں، حق پرستوں، حق شعاروں، صادقین اور عابدین کو جام کوثر سے سیراب فرمائیں گے۔ غرض کہنے کی یہ ہے کہ جو خواہش نفسانی پر قابو رکھے وہی اس دنیا میں خیبر کشا ہوتا ہے اور آخرت میں قسیم کوثر ہوتا ہے۔

از خود آگاہی، یداللّٰہی کند

از یداللّٰہی شہنشاہی کند اسرار و رموز صفہ ۵۴

قولِ معصوم ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (ترجمہ) جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی معرفت حاصل کرلی۔

سرکار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام معرفت باری تعالیٰ میں اس منزل پر پہنچ چکے تھے۔ کہ جہاں آپ نے فرمایا کہ اگر میری نظروں کے سامنے سے آسمانوں کے حجابات ہٹا بھی دیئے جائیں تو میرے علم و یقین میں رائی برابر فرق نہ آئے گا۔

حکیم الامت شاعرِ مشرق کے نزدیک سرکار امیر نے معرفت باری تعالیٰ سے یداللّٰہی کا شرف پایا اور یداللّٰہی سے شہنشاہی دین و دنیا کی فضیلت و عظمت حاصل کی۔ پروردگار دو جہاں نے سرکار امیر کو کہیں یداللہ، کہیں وجہ اللہ، کہیں عین اللہ اور کہیں لسان اللہ ایسے گرانقدر، اعزاز و نوازشات سے نواز کر اپنی ذات کا مظہر[1] بنا دیا۔

---

[1] اسی لئے سرکار امیر المومنین کو "مظہر العجائب" کہا جاتا ہے۔ (عمرانی)

ذاتِ اُو درِ وازہ شہرِ علوم

زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم

اسرارِ رموز صفحہ ۵۲

مظہرِ ذاتِ خدا، شیرِ لافتیٰ، علیؑ المرتضیٰ کو شہرِ علوم کا دروازہ کہا جاتا ہے۔ علامہ مرحوم نے تاریخ اسلام، کتبِ احادیث، اقوالِ ائمہ، فرمانِ الٰہی (قرآن پاک) کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اسی لئے پہلے مصرعے میں رسولِ پاکؐ کی وہ مشہور حدیث کوٹ QUOTE کی ہے۔ ارشادِ رسالتِ مآبؐ ہے۔ "اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا" کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ اسی ضمن میں ایک اور حدیث بھی ملتی ہے[1]، جس میں یہ اضافی حصہ بھی ملتا ہے مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَاْتِ الْبَابَ کہ جو بھی علم حاصل کرنا چاہے، وہ دروازے سے آئے، اور کسی شہر یا گھر میں داخل ہونے کا مہذب و شائستہ طریقہ بھی یہی ہے کہ دروازے سے داخل ہوں۔ گر در چھوڑ کر دیوار پھلاند کر آنے والا چور کہلاتا ہے۔ خود پروردگارِ عالم اپنی کتاب (قرآن پاک) میں ارشاد فرماتا ہے۔ "گھروں میں دروازوں سے آؤ"[2] دوسرے مصرعے میں علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ علیؑ وہ شہنشاہ اور بادشاہ ہیں کہ جس کے زیرِ نگیں حجاز، چین اور روم ہیں۔ کیونکر ہیں؟ کیا تاریخ اسلام اس کی نشاندہی کر سکتی ہے کہ علیؑ واقعی فرمانروائے حجاز و چین و روم ہیں۔ کیا علیؑ نے کوئی لاؤ لشکر لے کر ان ممالک پر چڑھائی کی تھی۔ جواب تاریخ یہی دے گی۔ نہیں صاحب "علیؑ" نے بزورِ تیغ کسی ملک، سلطنت یا اس خطۂ ارضی پر تسلط قائم نہیں کیا۔ بلکہ جہاں جہاں بزورِ تلوار اسلام پہنچا، وہاں سے وہاں اسلام کے نقوش دھندلا گئے اور جہاں جہاں اسوۂ حیدرؑ کرار اور کردار اہلِ بیت کی ضیا پاشیاں فروغِ اسلام کا باعث بنیں وہاں آج بھی اسلام کے نام لیوا اسلام کی عزت و حرمت پر کٹ مرنے کو تیار ہیں۔ یہاں پر یہ بات سراسر غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ نہیں نہیں صاحب ایسا نہیں بلکہ اخلاق، و خلق، مہر و وفا، خلوص و مروت اور پیار سے پروان چڑھا۔ اس میں حیدرؑ کرار کا بے داغ کردار، محمدؐ و آلِ محمدؐ کی بے مثل و لازوال قربانیاں اور جذبہ ایثار کارفرما نظر آتا ہے۔

---

[1] طبرانی اور حاکم نے ابن عمرؓ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے

[2] وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (القرآن الحکیم)

حکمراں باید شدن بر خاکِ خویش

تا مئے روشن خوری از تاکِ خویش

اسرار و رموز صد ۵۲

انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی خواہشاتِ نفس کو قابو میں رکھے، جسطرح اقبال مرحوم کے ممدوح حضرت علی علیہ السلام نے بوترابی فرمائی ہے۔ جہاں تک ہو سکے "نفسِ امارہ" کو شکست دے اور اسے غالب نہ آنے دے۔ آخر کو تو کامیاب ہوگا۔ اپنے ہی انگور سے کشید کردہ شراب (شراب معرفت) پی کر اپنے اعلیٰ وارفع مقصد میں آگے بڑھ۔ زمانہ خوش آمدید کہے گا۔

ھر کہ دانائے رموزِ زندگیست

سرِّ اسمائے علیؑ داند کہ چیست؟

اسرار و رموز صد ۵۲

جو کوئی عاقل و فرزانہ، دانا اور بینا ہے اور جسے رموزِ زندگانی کے نشیب و فراز سے کماحقہٗ واقفیت ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ اسرار و رموز اور ماہیت زندگی کے تمام تر راز ہائے سربستہ علیؑ المرتضیٰ کے نام نامی اسم گرامی میں پنہاں ہیں۔ علامہ اقبال کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی معرفت نہایت ضروری ہے۔ اور اس پر فرمانِ رسولؐ یوں دلالت کرتا ہے کہ جس نے وقت کے امام کو نہیں پہچانا اور اسی عالم میں اس عالم فانی سے کوچ کر گیا تو وہ جہالت کی موت مرا[1]، علی علیہ السلام صرف امام وقت ہی نہیں بلکہ ابو الائمہ[2] ہیں۔

خاکِ تاریکے کہ نام اُو تن است

عقل از بیدادِ اُو در شیون است

اسرار و رموز صد ۵۲

---

[1] مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (حدیثِ رسولؐ)

[2] یعنی علیؑ المرتضیٰ بعد از رسولؐ سب سے افضل ترین شخصیت اور اعلانِ خم غدیر کے مطابق سب کے مولا و آقا جیسے نبی اکرمؐ ہیں۔ آپ ہی کی اولاد سے امام حسنؑ سے لے کر مہدیٔ آخر الزمان علیہ السلام تک یکے بعد دیگرے

(باقی اگلے صفحہ پر)

انسان کی حقیقت اگر دیکھی جائے کہ وہ کیا ہے۔ بقول کسی شاعر کے :-

آدمی بلبلہ ہے پانی کا

مگر صاحب! علامہ مرحوم اس کو تیرہ و تار مٹی کا تودہ خاک کہتے ہیں اور یہ حرکت بھی روح کے اعتبار سے ظہور میں آتی ہے۔ خود اس تاریکیٔ تن بدن کے ظلم و جور سے مسلسل فریاد کناں ہے۔ پھر فرماتے ہیں :-

شیرِ حق ایں خاک را تسخیر کرد

ایں گلِ تاریک را اکسیر کرد — اسرار و رموز صد ۵۳

اللہ کے شیر، حیدر کرار، غیر فرار نے اس تیرہ و تاریک خاک کو ضو پاشی بخشی اور آپ نے اسی تاریک مٹی کو تسخیر کرکے اکسیر بنا دیا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ (علی المرتضیٰ) نے خواہشاتِ نفسانی کی آلائشوں سے روح کی بالادستی کی خاطر جنگ لڑی اور اپنے اس مقصد میں کامیاب و کامران ہوئے اور آخر کار جسم پر روح کی بالادستی کا راج ہوا۔ اور یہی تیرہ و تار خاک منبعِ انوار بنی۔ کبھی مس خام تھی اب آن کر کندن بنی'

مرتضیٰ کز تیغ او حق روشن است

بو تراب از فتحِ اقلیمِ تن است — اسرار و رموز صد ۵۳

علامہ اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں کلام نہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کو یہ فضیلتیں حاصل ہیں کہ وہ خدا کے خانہ زاد، نبیؐ کے داماد، جبرائیل کے استاد، فاطمہؑ کے شوہر نامدار، اور حسنینؑ شریفین کے پدر بزرگوار ہیں۔ لیکن ان تمام فضیلتوں سے ایک لحظے کے لئے، قطع نظر کر لینے کے بعد بھی اگر علی علیہ السلام کی ذات عالی صفات پر غور و فکر کریں تو بھی آپ کی شخصیت نقطۂ عروج پر نظر آتی ہے۔ وہ اس لئے کہ انہوں نے اپنی زندگی حکم الٰہی اور اتباعِ رسولِ مقبولؐ کے لئے وقف کر دی تھی اور اسی کو آپ (علیؑ) سرمایۂ دین و دنیا تصور کرتے تھے۔ آپ کی تلوار (ذوالفقار) جب بھی نیام سے نکلی تو پئے نصرتِ حق نکلی اور میانِ حق و باطل حدِ فاصل ٹھہری، باطل (کفر) کے

(بقیہ صفحہ ۹۸) ہادیانِ برحق حق کی تائید، بقائے دین، احیائے اسلام، تحفظِ ناموسِ رسالتؐ کے لئے دنیا میں تشریف لائے جن میں کا آخری امام (امام مہدی علیہ السلام) باقی ہے۔ اللہ امام حق کا ظہور جلد فرمائے۔ آمین (عمرانی)

خلاف آپ کی شمشیرِ بُرّاں کبھی خندق میں کوندی، کبھی اُحد میں چمکی، کبھی بدر میں برق بن کر گری اور کبھی خیبر میں فرقِ کفر و الحاد پر موت بن کر برسی ۔ تاریخِ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ جس میدان میں آپؑ (علیؑ) نے قدم رکھا فتح و نصرت نے خوش آمدید کہا ۔ حق نے لا فتیٰ کا تاج پہنایا ۔ جس کی تیغ سے حق روشن ہوا ۔ باطل تنگ و تار گھاٹیوں میں گر گیا ۔ اسی حیدرِ کرار علی المرتضیٰؑ نے جب اقلیمِ تن کو فتح کر لیا تو بوترابؑ بنا ۔

مردِ کشور گیر از کراری است

گوہرش را آبرو خودداری است

اسرار و رموز صفحہ ۵۳

علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ میدانِ جہاد میں اسی مردِ حق آگاہ کو ثبات و قرار ہو سکتا ہے ۔ جس کے دل میں عشقِ رسولؐ اور حبِّ علیؑ موجزن ہو ۔ وہ کرار غیر فرار ہو " "کرار" کے لغوی معنی' بار بار حملہ کرنے والے کے ہیں ۔ اور یہ صفتِ خاص بدرجۂ اتم' حق ولی' شیرِ جلی' مولا علی علیہ السلام میں موجود تھی' رسولِ اکرمؐ کے دور میں جتنی بھی جنگیں کفر کے خلاف لڑی گئیں ان کا عظیم فاتح اور سپہ سالارِ اعظم علیؑ ولی کی ذات والا تبار رہی ہے ۔ صرف ایک جنگ (جنگِ خیبر) ہی ایسی ہے کہ جس میں آنحضورؐ علی المرتضیٰؑ کو بوجہ آشوبِ چشم ' مدینے میں اپنے پیچھے اپنا قائم مقام بنا کر چھوڑ گئے تھے اور اللہ کے حبیبؐ نے اپنے یار و انصار کے ساتھ قلعہ قموص[1] کو اپنے محاصرہ میں لے لیا ۔ میدانِ کارزار گرم ہوا اور پورے انتالیس روز عساکرِ اسلام' لشکرِ کفار کے مقابلے میں آتی رہیں ۔ مگر مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آتا تھا ۔ آخر اللہ کے حبیب نے 'دستِ دعا' بارگاہِ ایزدی میں بلند کر کے فرمایا کہ دیکھو میرے دوستو اور ساتھیو! "میں[2] کل علم اس کو دوں گا جو مرد ہو گا " اور پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ اس کی نشانی یہ بتلائی کہ[3] جو خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہو گا ۔ اور خدا اور خدا کا رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں گے ۔ وہی کرار غیر فرار ہو گا ۔ اللہ اس کے ہاتھ پر فتح دے گا ۔ ادھر وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ کے مصداق کی زبانِ وحی ترجمان سے یہ الفاظ نکلے ۔ ادھر اگلی صبح کا سورج اسلام کی فتح و نصرت کا نقیب بن کر ابھرا ۔ حضرت علیؑ نے مدینے سے قلعہ قموص کا رخ کیا ' سلمان فارسیؓ کو چشم براہ پایا ۔ علیؑ آئے' رسولؐ نے بڑھ کر پیشوائی کی ' گلے سے لگایا' پیشانی کو چوما' بازوؤں پر

---

[1] قلعہ خیبر میں کئی قلعے تھے سب سے مضبوط قلعہ کا نام قموص تھا ۔

[2] لاعطین الرایۃ غداً رجلاً کرار غیر فرار ۔

[3] یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ ۔ (تذکرۃ المحبوب)

دعائے فتح و نصرت پھونکی اور پرچم اسلام دے کر قلعۂ قموص (خیبر) کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کا شیر بے نیاز لاؤ لشکر، گھوڑا دوڑاتا، پرچم اسلام لہراتا، قلعہ قموص کی جانب لپکا۔ دونوں جانب سے رجز پڑھا گیا، حضرت علیؑ نے اپنے تعارف میں بس اتنا کہا کہ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے[1]۔ پس دونوں طرف سے تیغیں ہوا میں لہرا گئیں دوسرے ہی لمحے صدائے تکبیر (اللہ اکبر) بلند ہوئی۔ مطلب یہ کہ اسلام غالب آیا، کفر مغلوب ہوا اور عظیم و مضبوط ترین قلعہ کفر، علیؑ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ رسول اکرمؐ کے قول کی لاج رہ گئی۔ یاروں کی جان میں جان آئی۔

یہاں پر علامہ اقبال علیہ الرحمہ "کراری" سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ میدان جنگ میں وہی قوم، ملک، سلطنت یا فرد واحد کامیاب و کامران ہو سکتا ہے۔ جس کے عزم میں پختگی، عمل میں استواری، دل میں حبّ علیؑ اور پاؤں میں پامردگی ہوگی۔ وہی کشور کشائے عالم ہوگا اور اسی کے لئے ذات حیدرِ کرّار، غیر فرّار، مینارۂ نور ہوگی۔

ہر کہ در آفاق گردد بوترابؑ

باز گرداند ز مغرب آفتابؑ

اسرار و رموز صد ۵۳

علامہ مرحوم کا خیال "معجزہ رجعت شمس" کی جانب ہے۔ جیسا کہ کتب معتبرہ میں "معجزہ رجعت شمس" جلی حروف میں ملتا ہے کہ سرکارِ دوجہاں نے انگلی کے اشارے سے چاند کو دو کر دیا تھا اسی طرح نائب رسولؐ، زوج بتولؑ، علی المرتضیٰ نے بھی انگلی کے ایک اشارے سے مغرب میں ڈوبا ہوا آفتاب پھر سے طلوع کرایا تھا۔

اس واقعہ کی تاریخ کتب و سِیَر میں دو معتبر شہادتیں ملتی ہیں۔ بروایت حضرت اسماء بنت عمیسؓ کہ سرکارِ دو عالم، رسول اکرمؐ پر نزولِ وحی کا عالم تھا، آنحضورؐ ختمی مرتبت حضرت علیؑ کے زانو پر سر دھرے تھے، اسی عالم میں سورج اپنی مسافت طے کرتا ہوا، مغرب میں غروب ہو گیا اور آپؑ (علیؑ) عصر کی نماز سے رہ گئے۔ اسی لئے کہ اگر میں نے نماز کے لئے اٹھنے کی کوشش کی تو اتباع میں فرق آئے گا۔ لہٰذا، جب رسول اکرمؐ وحی سے فارغ ہو چکے تو دیکھا کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔ آپؐ (نبی اکرمؐ) نے دعا کی یا مولا کریم یہ علیؑ تیری اطاعت اور میری اتباع میں نماز عصر نہ پڑھ سکا۔ اے پروردگار عالم واسطہ تجھے اپنی قدرت کا سورج کو پھر طلوع کر تاکہ علی نماز عصر پڑھ سکے۔ بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں

---

[1] انا الذی سمّتنی امّی حیدرہ (تاریخ الکامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۸۵، سیرۃ الحلبیہ جلد ۲، صفحہ ۳۳۵، سیرت النبی جلد ۲، صفحہ ۳۳۲)

[2] بنت عمیسؓ کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ (رجعت شمس) خیبر اور مدینے کے درمیان وقوع پذیر ہوا۔ جس کو "مقام صہبا" کہا جاتا ہے (فلک النجاۃ ج ۱ ص ۱۶۹، صفحہ ۱۷۰ بحوالہ خصائص کبریٰ، سیوطی و طبرانی وغیرہ وغیرہ۔)

نے دیکھا کہ ڈوبا ہوا سورج مغرب سے طلوع ہو رہا ہے۔ حضرت علیؑ نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ لیکن دوسری روایت جس کی راویہ جنابِ اُمّ سلمہؓ[1] ہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ سورج مغرب سے حضرت علیؑ کے اشارے پر طلوع ہوا تھا۔ بہرکیف جیسے بھی تسلیم کر لیا جائے بجا ہے اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ جو بھی اس کارگہِ جہاں میں نفسِ امّارہ پر گرفت مضبوط سے مضبوط تر کر لیتا ہے۔ وہی بارگاہِ ایزدی میں عزت و تکریم پاتا ہے۔ اسی میں چاند کو شق کرنے کی طاقت اور ڈوبے ہوئے سورج کو طلوع کرنے کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ویسے بھی ارشادِ ربّ العزت ہوتا ہے کہ جس[2] نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور جب معرفت حق تعالیٰ حاصل ہو جائے تو پھر کرامتِ "ردّ الشمس" یا معجزۂ "شق القمر" اس کی دسترس سے باہر نہیں ہو سکتا۔

یا عقل کی روباہی یا عشقِ یدُاللّٰہی

یا حیلۂ افرنگی یا حملۂ ترکانہ

بالِ جبریل صفحہ ۹۲

یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ عقل (خرد) نزاکتِ وقت اور حالات کو بھانپ کر دور اندیشی و مصلحت سے کام لیتی ہے۔ مگر پھر بھی عقل فریب کار ہے، عیار ہے اور مکار ہے۔ سو بھیس بدل لیتی ہے۔ بقول اقبال حکیم و دانا کے

؎ عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے

اس کے برعکس عشق جذبہ ہے، ایثار ہے، قربانی ہے۔ یہی عشقِ حقیقی تھا کہ مولائے کائنات جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام باطل (کفر) کے خلاف حق (اسلام) کی تائید و حمایت میں سرِ کف، کفن بر دوش نظر آتے ہیں۔ شاعرِ مشرق فرماتے ہیں کہ مسلمانانِ عالم جن ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہیں ان حالات سے بچ نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہمیں عقل کی عیاری، خرد کی مکاری اور افرنگی سامراج کی حیلہ سازی کے خلاف متحد ہو کر نہایت نپے تلے انداز میں سنبھل سنبھلا کر حملہ ترکانہ سے کام لینا چاہیئے اور میدانِ کارزار میں عشقِ یدُاللّٰہی کو اپنا قائد اور سپہ سالار تسلیم کرتے ہوئے فرقِ کفر پر وہ ضرب شدید رسید کرنا چاہیئے کہ باطل (کفر) کو پھر کبھی حق (اسلام) کے خلاف سرکشی اور بغاوت کی ہمت نہ پڑے۔

---

[1] اُمّ سلمہؓ (حرمِ رسولؐ) بھی اس واقعہ کو بیان کرتی ہیں۔ مگر وہ (اُمّ سلمہؓ) اس واقعہ کو جنگِ صفین سے واپسی کے حوالے سے پیش کرتی ہیں (ارشاد القلوب صفحہ ۲۹)۔

[2] مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

جمالِ عشق و مستی نے نوازی

جلالِ عشق و مستی بے نیازی

کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ

زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی

بالِ جبریل ص ۱۸

علامہ صاحب کی یہ رباعی بالِ جبریل میں ملتی ہے۔ علامہ موصوف مولائے کائنات، لائقِ صلوٰت علی المرتضیٰؓ کو دانائے سُبل، عقلِ کل گردانتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عشق و مستی کی جمال آرائی اپنے نقطۂ عروج کو حیدرِ کرارؓ کے ثباتِ قدم اور جذبۂ ایثار و قربانی کی بدولت پہنچی اور جلالِ عشق و مستی نے حیدرِ کرارؓ کو بے نیازِ غمِ دوراں کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار امیرالمومنینؓ کا جمال و جلال اور کمالِ عشق و مستی کے اس مقام پر نظر آتے ہیں جہاں کوئی اور نہیں۔ فلسفۂ رازیؔ کو علامہ موصوف جمالِ عشق و جلالِ مستی کے لئے زہرِ ہلاہل تصور کرتے ہیں۔ اور اس کے برعکس کمالِ عشق و مستی حیدرِ کرار کی ہستی کو گردانتے ہیں۔ آپ (حیدرؓ کرار) کی شخصیت جامع الکمالات ہے۔ علامہ مرحوم اس رباعی میں مسلمانوں کو دعوتِ فکر و عمل دے رہے ہیں۔ آپ کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ مسلمانوں میں جوش پیدا ہو مگر ہوش ساتھ رہے۔ اسی میں سلامتی، خیر اور برکت ہے اور اگر خدانخواستہ ایسا نہ کیا تو پھر سوائے زوال اور زبوں حالی کچھ بھی نہیں۔ اللہ مسلمانوں کو اس بُری گھڑی سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے!

دلِ مرتضیٰؓ سوزِ صدیقؓ دے!

بالِ جبریل ص ۱۹۵

بلاشبہ، اقبال مرحوم، عشق و مستی، خودی و بیخودی اور سوز و گداز کے پیغمبر ہیں۔ آپ اپنے اس شعر میں دعائیہ انداز اختیار کئے ہوئے ہیں کہ اے پروردگارِ عالم تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے محبوب کی اُمّت جس کو مسلمان کہا جاتا ہے، اپنے اسلاف کے اوصافِ حمیدہ اور پاکیزہ کردار کو یکسر فراموش کر چکی ہے۔ اور کیا کہوں، ان پر تو جمود طاری ہو چکا ہے۔ میرے اللہ کرم کر اور دلِ مسلم میں احساس کی تڑپ، شعلے کی لپک

بازوؤں میں کسک اور آنکھوں میں طورِ سینا کی چمک پیدا کر دے۔ ان کو (یعنی مسلمانوں کو) ایسا دل دے جس میں جلالِ حیدرؓ اور صدیقِ اکبرؓ[1] کا سوز و گداز موجزن ہو۔

امارت کیا، شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

بالِ جبریل ص ۱۹۲

علامہ مرحوم، امارت کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کا اظہار علامہ مرحوم نے اپنے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال کو ایک خط تحریر کرتے ہوئے یوں فرمایا تھا:۔

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر!! اقبال

علامہ کے نزدیک جلالِ خسروی باعثِ ننگ ہے اور ایک لایعنی سی شے ہے جسے قرار نہیں۔ مصرعہ ثانی میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو امارت و عمارت، حکومت و منصب اور شان و شوکت حیدرؑ کرار کی عالی ہمتی اور جناب سلمان فارسیؓ کی خود اعتمادی سے خالی ہو وہ پریشانی و پشیمانی اور آخر کو فانی ہے۔ ہاں اگر اے مسلمان! تجھے امارت حاصل ہے تو امیر علیہ السلام کی زندگی کو مشعلِ راہ بنا اور الفقر فخری پر ناز کر اور اگر شکوہِ خسروی نصیب ہو تو پھر ابو ذرؓ کی بے سرو سامانی اور سلمان فارسی کی مسلمانی سے سبق لے۔ جو (سلمان فارسی) عمر بھر درِ رسولؐ و علیؑ و بتولؑ پہ اپنی ریشِ مبارک سے جاروب کشی کرتے رہے۔ اگر مسلمانوں میں زورِ حیدریؑ، استغنائے سلمانیؓ آجائے تو یہ شکوہِ خسروی سے کہیں اہم ہے۔

---

[1] "صدیقِ اکبر" کے لغوی معنی ہیں سچ بولنے والے کے۔ اکبر یعنی بہت ہی بڑا سچ بولنے والا۔ یہاں علامہ مرحوم کی مراد "صدیقِ اکبر" سے (حضرت ابوبکرؓ) نہیں بلکہ میرے نقطۂ نظر سے "نبی اکرمؐ" کی ذات ستودہ صفات ہے چونکہ آپ ہی "صدیقِ اکبر" ہیں۔ جن کی صداقت دشمنانِ اسلام اس وقت کرتے ہیں جب آپ ایک پہاڑ پہ کھڑے ہو کر یہ فرماتے ہیں کہ سنو! اے گروہِ انسانی اگر تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے ایک بہت بڑا لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو سچ مانوگے؟ سب نے ایک زبان ہو کر اقرار کیا کہ ہاں ہمیں تسلیم ہے۔ اس لئے کہ آپ نے آج تک کبھی سے جھوٹ نہیں بولا۔ لہٰذا صدیقِ اکبر نبی اکرمؐ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جبکہ چالیس سال بعد اسلام ماننے والے اکثر بلکہ قبل از قبولِ اسلام جھوٹ بولنے کے مرتکب ہوتے رہے ہوں گے (عمرانی)

میرے لئے ہے فقط زورِ حیدری کافی

تیرے نصیب فلاطوں کی تیزیٔ ادراک

ضربِ کلیم ص۱۳۲

طاقت وہمت کے ساتھ تیزیٔ ادراک بھی خداداد ہوا کرتی ہے۔ پہلوانوں اور شہ زوروں کے بارے میں یہ مثل مشہور ہے کہ یہ عقل کے موٹے اور دماغ کے چھوٹے ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنا سارا زور جسم پروری اور تن سازی پر صرف کیا ہوتا ہے۔ دماغ کی پرورش سے وہ بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پروردگارِ عالم نے اپنی کتاب قرآن مجید میں یوں ذکر فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰىہُ عَلَیۡکُمۡ وَزَادَہٗ بَسۡطَۃً فِی الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ ؕ وَاللّٰہُ یُؤۡتِیۡ مُلۡکَہٗ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ۝ (ترجمہ) یقیناً اللہ نے اسے تم پر منتخب کرلیا ہے اور علم وجسم کی اہلیتوں میں آگے بڑھا دیا ہے اور اپنا ملک اللہ جسے چاہے دے دیتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

علامہ مرحوم کو سرکارِ امیر المومنین سے والہانہ عقیدت ومحبت ہے۔ جس کا اظہار وہ مختلف مقامات پر مختلف انداز میں کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ آپ مسلمانوں کی ترقی کا دارومدار، حیدرِ کرار کی اعلیٰ ہمتی، بلند حوصلگی، خود داری وخود اعتمادی اور بیدار مغزی کی پیروی کو قرار دیتے ہیں۔ علامہ موصوف کے نزدیک جہاں منطقِ رازی کو کوئی اہمیت۔ وہاں وہ فلسفۂ افلاطون وسقراط اور ادراک کی تیزی وطرازی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ کیونکہ ان کے ممدوح حضرت علی علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات ہے جو کہ ایک ہی وقت میں مزدور بھی ہے، سپاہی بھی، غازی بھی، مصلائے عبادت پر قابلِ رشک نمازی بھی اور مسندِ عدالت پر بہترین قاضی بھی جو فلسفہ وحکمت کی منزل انتہائی معراج پر نظر آتے ہیں۔ خود مَن یَنطِقُ عَنِ الھَوٰی کا مصداق رسولؐ اپنی زبانِ وحی ترجمان سے اعلان فرماتا ہے اَنَا دَارُالۡحِکۡمَتِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا یعنی میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ علامہ موصوف چاہتے یہ ہیں کہ مسلمان فلسفۂ افلاطون، منطق سقراط کو بالائے طاق رکھ کر قوتِ حیدرِ کرار کا مظہر بنیں۔ اسی میں فلاح وترقی اور کامیابی وکامرانی کا جوہر پوشیدہ ہے۔

؎ قوتِ حیدریہ کے ساتھ ساتھ حکمت حیدری بھی ہونا چاہئے۔ تب ہی مسلمان میں زورِ حیدری اور استغنائے سلمانی آسکتی ہے۔ (عراقی)

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطانی

کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کراری — ضربِ کلیم

یقیناً یہ بات شک و شبہ سے کہیں بالا ہے کہ خداوندِ قدوس نے اسی مردِ حق آگاہ و درویش صفت شخصیت کو جلالِ خسروانہ، جمالِ شاہانہ، کمالِ شکوہِ سلطانہ کا وارث و امین کر دیا کہ جس نے اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ اور حیدری عشق و مستی کو اپنایا اور ثباتِ قدمی میں کراری و غیر فراری کو محوظِ خاطر رکھا وہی فلاح پائے گا۔ اقبال کا یہ پیغام اہلِ اسلام کو دعوتِ فکر و عمل دے رہا ہے۔

بے جرأتِ رندانہ ہر عشق ہے روباہی!!

بازو ہے قوی جس کا وہ عشق یدُاللّٰہی!! — ضربِ کلیم

اقبال جہاں پیامبرِ خودی ہے، وہاں ان کا تصورِ عشق و مستی اپنی مثال آپ ہے۔ وہ عشق کو جرأت ہمت، حوصلہ، جذبہ و ایثار اور قربانی کا نام دیتے ہیں۔ اس کے برعکس خوف و خطر، ڈر اور ہراس کو مکاری عیاری، چالاکی اور چالبازی کو عشق و مستی کے حق میں زہرِ ہلاہل گردانتے ہیں۔ جس میں اول الذکر نام کی خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہوں وہ انسان، انسانِ کامل اور باوقار مقام کا حامل ہوتا ہے۔ یہی حضرتِ انسان اگر عیاری و مکاری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لے تو پھر یہ انسانیت کے منہ پر بدنما داغ اور عشق کے لیے وجہ ننگ اور مستی کے لیے باعثِ رسوائی و شرمساری بنتا ہے۔

بدہ او را جوانِ پاکبازے

سرورش از شرابِ خانہ سازے

قوی بازوئے او مانندِ حیدرؑ

دلِ او از دو گیتی بے نیازے — ارمغانِ حجاز

بشاعرِ مشرق، حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمہ، سعید و سعادت مند، نیک و صالح نوجوانانِ ملتِ اسلامیہ کے لئے، بتوسطِ سرکارِ دوعالم بارگہِ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ اے خلاقِ دوجہاں تجھے واسطہ اپنی رحیمی و کریمی اور اپنے محبوب سرکارِ دوعالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت کا! انہیں پاکباز و پاک طینت بنادے اور انہیں وہ شرابِ معرفت عطا کر جس کا نشہ ان کو بے نیازِ غمِ دوراں کر دے اور ان کا ہر فعل فالِ نیک ثابت ہو ان کے بازوؤں میں زور و توانائی بھر دے تاکہ نصرتِ دینِ مبین پئے حفاظتِ حق اور احیائے اسلام کے لئے عہدِ باطل میں شمشیر بکف رہیں۔ ان کے دلوں میں جذبۂ جہاد، بازوؤں میں زورِ یداللّٰہی بھر دے اسی میں تیرے پسندیدہ دین (اسلام) کی بقا و سلامتی کا راز پنہاں ہے۔

گِلِ ایشاں زِ خاکِ من برانگیز!

نمِ چشم بخونِ لالہ آمیز!

اگر شایاں نیم تیغِ علیؓ را

نگاہے دِہ چو شمشیرِ علیؓ تیز ارمغانِ حجاز[1]

جہاں علامہ مرحوم بارگاہِ ایزدی میں دعا فرماتے ہیں وہاں سرکارِ رسالت مآبؐ کے حضور بھی دست بدعا نظر آتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے ملتے ہیں کہ انہیں (اقبالؒ کو) دیدۂ بینا عطا کر تاکہ بصیرت اور سعیِ جمیل ملتِ اسلامیہ کی نشاۃِ ثانیہ کا سبب ہو اور سوز و ساز اور گدازِ عشق و مستی عطا کر کہ معشوقِ حقیقی کے وصال میں خون کے آنسو بہاؤں اور یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی اگر وہ گوہرِ یک دانہؓ ہاتھ نہ آئے تو اسے زورِ بازوئے حیدرِ کرار مرحمت فرما۔ جس میں تیغِ بُراں اٹھانے کی سکت ہو۔ اگر یہ بھی نہیں تو پھر کم از کم اتنا تو ہو کہ اس کی نگاہ میں وہ اثر پیدا کر دے جو علی علیہ السلام کی شمشیر (ذوالفقار) میں تھا۔ تاکہ وہ زورِ بازوئے حیدر کا کام نگاہ سے لے سکے۔ کیونکہ

---

[1] گوہرِ یک دانہ سے راقم الحروف کی مراد اشجع عالم، وصیِ نبیِ مکرم، سیدنا حضرت علیؓ سے ہے اور اس قطعہ بند میں علامہ صاحب نے علی المرتضیٰ کو اپنے فکر کا محور و مرکز بنا رکھا ہے: (مرتب)

مقصدِ لحمک لحمی پہ کھلی اُن کی زباں

یہ تو اِک راہ سے تجھ کو بھی بُرا کہتے ہیں — باقیاتِ اقبال ص۲۵

حکیم مشرق، علامہ اقبال کی ایک نظم بعنوان "فریادِ اُمت" جو باقیاتِ اقبال میں ملتی ہے اس میں مندرجہ بالا شعر بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ علامہ موصوف مصرعہ اولیٰ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث عَلِیٌّ مِنِّی وَاَنَا مِنْہُ، لَحْمُکَ لَحْمِیْ (یعنی) یا علیؑ تو مجھ سے ہے، میں تجھ سے ہوں۔ تیرا گوشت (لحم) میرا گوشت ہے۔ آنحضورؐ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ مزید فرماتے ہیں:- دَمُکَ دَمِیْ جِسْمُکَ جِسْمِیْ نَفْسُکَ نَفْسِیْ۔ مصرعہ اولیٰ کا دوسرا حصہ "پہ کھلی ان کی زباں" تاریخی حقائق و واقعات کا آئینہ دار ہے اور مصرعہ ثانی میں ان دو غلے کے ملاؤں کی خوب خبر لیتے ہیں۔ اور اس مصرعہ میں بھی تاریخی حقائق سے پردہ اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ اور نہایت اچھوتے انداز میں ایک حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے ملتے ہیں اگر تاریخ اسلام کی ورق گردانی کی جائے تو "یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی بُرا کہتے ہیں" کی تائید و تصدیق آسانی سے ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ بغض و عناد اور تعصب کی اندھی عینک اتار کر پڑھا جائے۔ مصرعۂ ثانی میں لفظ "راہ" کا جواب نہیں۔ اللہ اکبر کس انداز اور رُخ سے پتے کی بات کر گئے۔

تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ جب نبی اکرم نے حضرت علی علیہ السلام کو خراجِ تحسین پیش کیا تو پاس بیٹھنے والوں کی پیشانی پر بل پڑ گئے، چہرے اتر گئے، دلوں میں شک و شبہات جنم لینے لگے۔ اور آخر کار دل کے ہاتھوں تنگ آ کر کہہ بھی گئے رہ نہ سکے۔ قول و فعل رسول پر ناپسندیدگی کا اظہار کھلے دبے لفظوں

ؔ حدیثِ قرطاس اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کے دعویدار نے آپؐ پر آپؐ کی زندگی میں ہی "تہمتِ ہذیان" لگا کر جو دل میں تھا اور اس کا کھلے بندوں اظہار کر دیا، علامہ موصوف نے سچ ہی تو کہا "یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی بُرا کہتے ہیں"۔ انہیں کی پیروی میں ان کے پیروکار ملاؤں نے علیؑ کی دشمنی میں حضور نبی اکرمؐ پر اپنے نئی تحقیق کے دروازے کھول دیئے اور اب دن رات اسی بات پر زور ہے کہ آنحضورؐ ہمارے جیسے بشر تھے۔ کبھی بڑے بھائی کی حیثیت دیتے ہیں اور حد ہو گئی کہ آپ کو خطاکار بھی گردانے میں جھجک محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی کچھ

میں کرتے بھی رہے۔ اسی لئے تو علامہ موصوف نے کسی جگہ یہ فرمایا ہے۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پاس بیٹھنے والے بہت سے صرف جان کی اماں کے کارن دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور لا الٰہ کا اقرار صرف زبان سے کرتے رہے۔ دلوں میں وہی کدورت، اور نگاہوں میں بتوں کی صورت، بہر صورت رہی اور سبب انتقالِ رسالت مآب اور قتلِ ائمۂ ہدیٰ علیہم السلام کا باعث بنی۔ یہی وہ کدورت تھی کہ جس سے بضعۃ الرسولؐ جناب عذرا بتولؑ کا پہلو شکستہ ہوا اور سبب رحلت بنا۔ یہ سب کچھ بغض علیؑ میں ہوا اور یہاں تک کہ آنحضورؐ کو بھی ایک رخ سے برا بھلا کہنے لگے۔

فیضِ اقبالؔ ہے اُسی در کا
بندۂ شاہِ لافتیٰ ہوں میں

باقیاتِ اقبال ص ۹۹

علامہ مرحوم اپنے لئے اسے فخر اور اعزاز کا باعث تصوّر کرتے ہیں کہ وہ بفیض ربّ العزت، شاہ مرداں شیر یزداں، علی المرتضیٰ، شاہ لافتیٰ کے غلام کمترین ہیں اور یہ ثمرہ ہے نیاز مندیٔ در رسول کا، شاہ لافتیٰ کا گرانقدر اعزاز علی المرتضیٰؑ کو جنگ احد میں ملا۔ جب کہ آپؑ سرداران قریش کو تہ تیغ کر چکے تو حضور سرکار رسالت مآبؐ کی نظر مشرکین کے ایک جتھے پر پڑی۔ حضورؐ نے جناب امیرؑ کو آواز دی۔ علیؑ ان پر حملہ کرو۔ حکم کی دیر تھی کہ اللہ کا شیر مشرکین کے غول پر موت بن کر ٹوٹ پڑا۔ مشرکین بھاگ کھڑے ہوئے۔ "حضرت علیؑ کی یہ ثبات قدمی دیکھکر زمین و آسمان کے درمیان یہ آواز سنائی دی۔

" لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار "[1]

کسی شاعر نے نہایت چابک دستی سے مصرعہ اولیٰ لگا کر اس مصرعے کو شعر کی شکل دے دی، جو آج تک زبان زد عام ہے۔ سنئے شاعر کہتا ہے۔

شاہ مرداں، شیر یزداں، قوّت پروردگار
لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

---

[1] تاریخ طبری (ج) سوم ص ۲۵ اور سیرت ابن ہشام ص ۱۰۶۹

جنگ احد میں جب یار، راہِ فرار اختیار کر گئے اور پہاڑوں پر چڑھ گئے تو دشمن کے ہر حملے کا جواب صرف علی کی ذات دے رہی تھی اور جب دفاع کرتے کرتے آپ کی تلوار ٹوٹ گئی تو آنحضورؐ نے اپنی تلوار علیؑ کے سپرد کی جب وہ بھی ٹوٹ گئی تو کارخانۂ قدرت کی تیار کردہ تلوار عرش سے اتری۔ جس پر مندرجہ بالا کلمات کندہ تھے۔ علامہ موصوف مصرعۂ ثانی میں خود کو " بندۂ شاہِ لافتیٰ " کہتے ہیں۔ یہ معرفت اور عشق ید اللّٰہی کی معراج ہے۔ ورگرنہ بندہ شاہ لافتیٰ ہونا کوئی ہنسی کھیل نہیں اور یہ دعویٰ کوئی معمولی دعویٰ نہیں ہے۔ یہاں تو نظام الدینؒ یہ فرماتے ہوئے ملتے ہیں :-

نظام الدین حیا دارد کہ گوید بندہ شاہ ام ؟ ؟!

ولیکن قنبرت او را کمینہ یک گدا باشد ! ؟!

دیکھا آپ نے کہ علامہ موصوف محبت آئمہ اطہار اور عشقِ حیدرِ کرّار میں کس قدر ڈوب چکے تھے کہ خود ہی فرماتے ہیں کہ میں علیؑ کا بندہ ہوں، یہ دعویٰ صرف مردِ قلندر ہی کر سکتا ہے۔

حیدریم قلندریم مستم ، بندۂ مرتضیٰ علی ہستم

اور یہ عجز و انکساری کی اعلیٰ مثال ہے۔ جس کا اظہار نظام الدین اولیا، سرکارِ ذری ذر بفت نے اپنے شعر میں کیا۔

سینہ پاک جن کا امانت دار تھا ؟؟!

اے شاہ ذی جاہ تو واقف ہے ان اسرار سے باقیات اقبال ص۸۶

علامہ صاحب، سرکار نظام الدین اولیاء کے حضور عرض پرداز ہیں جن کے سینے میں وہ دل بیدار جو معرفت مدینۃ العلم و بابہا سے سرشار تھا۔ ان کے نظروں میں جلوہ طورِ ربِّ حقیقت، تجلائے سرکارِ مدینہ، مینارۂ عشق شہ نجف وجہ سرور تھا۔ اسی لئے علامہ موصوف کی نظروں میں وہ مردِ فقیر اعلیٰ و ارفع ہے کہ جس کی دیدۂ بینائے جلوۂ رسالت مآب اور تجلائے سرکارِ نجف دیکھا ہو۔ وہی مردِ کامل اسرار و رموزِ الٰہی کی کماحقہٗ معرفت رکھتا ہے۔

لہ قرآن پاک میں ارشادِ ربّ العزت ہے۔

لہ علیؑ کی ذات ستودہ صفات ہی اولیاء، اوصیاء، غوث و قطب، ابدال قلندر کے سرچشمہ فیض و کرم ہے اور یہی ذات گرامی اہل فقر کے لئے باعثِ فخر ہادی و پیشوا ہے۔

یہ ہے اقبالؔ فیضِ یادِ نامِ مرتضیٰ جس میں
نگاہِ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے

باقیاتِ اقبال ص۱۸۹

اس میں کلام نہیں کہ حکیم مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے والہانہ عقیدت اور جنوں کی حد تک محبت تھی جس کا ذکر وہ بار بار اپنے کلام میں مختلف انداز میں کرتے ہوئے ملتے ہیں اور اسی ذکر میں رطب اللسان ہیں۔ آپ کو اعتراف ہے کہ مجھے بصیرت و بصارت، دلِ بیدار، شعور و ادراک کی دولت بے بہا حیدر کرار کی محبت کے علاقے میں نصیب ہوتی ہے اور اب بہ فضلِ ایزدی، بہ طفیل سرکار شاہ نجف، بسبب شاہِ مدینہ میری نظروں کے سامنے سے تمام حجابات ہٹ چکے ہیں۔ آخر اس قدر تیز آنکھ کہاں سے ملی۔ خود فرماتے ہیں

؎ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

دیکھا آپ نے خاک مدینہ اور نجف کی تاثیر! جس آنکھ میں یہ خاک لگائی جائے تو پھر وہ کسی لایعنی و بے معنی شے پر نہیں ٹھہرتی۔ بلکہ وہ تو کون و مکاں کو چیرتی ہوئی لا مکاں تک پہنچ جاتی ہے۔

کرم کرم کہ غریب الدیار ہے اقبالؔ
مرید پیر نجف ہے غلام ہے تیرا

باقیاتِ اقبال ص۱۵۷

سرکار شاہ نجف سے اسی خاص لگاؤ اور عقیدت و محبت کی وجہ سے علامہ موصوف اولیاء کرام، صوفیا کے کلام بلاغت نظام میں خاص لطف لیتے اور ان کے آستانہ ہائے پر حاضری دیتے ہیں۔ ان کے کشف و کرامات غور اور تعلیم کا عمیق نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔ ان کی تعلیمات، ارشادات و فرمودات سے اپنی فکر کو جلا دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ نظم اس وقت کہی تھی جب وہ حصول تعلیم کی خاطر ہند سے عازم یورپ ہونے والے تھے۔ آپ سرکار نظام الدین اولیا سے کرم کی بھیک مانگتے ضرور ہیں۔ مگر درجات

لہ یہ شعر ایک غزل سے اخذ کیا گیا ہے جو علامہ موصوف نے غالباً ۱۹۰۲ء میں کہی تھی جو باقیات اقبال میں ص۱۸۱ پر ثبت ہے۔ (م)

اور حسب مراتب کو اس عالم وارفتگی میں بھی نہیں بھولتے ۔ مصرعہ ثانی میں صاف اعلان کرتے ہیں ۔ اے والی و ولیؑ بند سرکار میں آپ کا غلام کمتر ضرور ہوں ۔ اس میں شک نہیں مگر میرا پیر و مرشد ، رہبر و راہنما ، امیر عرب ، شاہ نجف جدالحسن والحسین ، شاہِ مشرقین ، علی بن ابی طالب ، غالب علی کل غالب ، امام المشارق و المغارب کو تسلیم کرتا ہوں ۔ اور آپ کی وساطت سے کرم کی بھیک مانگنا یہ دلیل معرفت ہے ۔

دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہلبیتؑ

ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامنِ حیدرؑ مجھے!

باقیات اقبال ص۵۰

علامہ مرحوم نے پہلے مصرعہ میں اپنی کوتاہیوں ، بداعمالیوں ، کا کھلے بندوں اقرار کرتے ہوئے ملتے ہیں ۔ مگر اسی مصرعہ کے دوسرے اور آخری حصے میں ، نہایت عمدگی سے فرماتے ہیں کہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان سیاہ کاریوں کے باوجود ، اس نے مجھے اہل بیت محمد کا عشق عطا کیا ہے ۔ مجھے ڈر ، خوف و ہراس کا ہے ، میرے اعمال و افعال لاکھ بُرے سہی ۔ مگر سرکارِ دو جہاں ، رحمت کون و مکاں صاحب لولاک کی آلؑ پاک کی محبت و الفت میری نس نس میں رچ بس گئی ہے ۔ اسی لئے محشر کے دن کی دھوپ کا مجھے کچھ خوف نہیں اور یہی وہ محبت ہے جس کا دعا یَنطِقُ عَنِ الھَوٰی کے مصداق نے اپنی شب و روز کی محنتِ شاقہ کے صلہ میں چاہی ہے ۔ (یعنی الفتِ آلِ محمدؐ) ۔ میں تو وہ خوش نصیب ہوں کہ جب میدانِ محشر برپا ہوگا ، ہر طرف نفسا نفسی کی پکار ہوگی کان پڑی آواز سنائی نہ دے گی ۔ اس وقت محبت آلِ محمدؐ کا اعجاز دیکھنا کہ اس عالم میں مجھ ایسے گنہگار کو حیدرِ کرار ، ساقی حوضِ کوثر والدِ شبیرؑ و شبرؑ کا دامنِ رحمت مجھ پر اس کڑی دھوپ میں سایہ کرنے کے لئے بیقرار ہوگا ۔ اور آلِ محمد مجھے اپنے دامنِ عاطفت میں لے لیں گے ۔ علامہ موصوف یہاں کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کلمہ گویانِ محمدؐ ، فرمانِ رسالت مآب کی روشنی میں دامنِ اہلبیت مضبوطی سے تھامے رکھیں ۔ کل یہی روزِ محشر ، حشر کی چلچلاتی دھوپ میں تمہارے سروں پر سایہ فگن ہوگا ۔

لہ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی کہ میں تم سے کارِ رسالت کی کوئی اجرت نہیں چاہتا ، صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میری آل سے محبت کرنا ۔ علامہ موصوف نے رسولِ مقبول کی اس حدیث کے پیشِ نظر دامنِ اہلبیت کو نہیں چھوڑا یہی وجہ ہے کہ آج اقبالؒ زندہ و پائندہ ہے ۔ اور یقیناً اقبال زندہ ہے چونکہ بفرمانِ رسالت مآب کہ جو اہلِ بیتؑ اظہار کی محبت میں مرجائے ، وہ مرتا نہیں ، وہ زندہ ہے (عمرانی) ۔

چوں علیؑ در ساز با نانِ شعیر

گردنِ مرحب شکن، خیبر بگیر! اسرار و رموز صـ۱۸۲

شاعرِ مشرق، حکیم الامت ڈاکٹر سر محمد اقبال اپنی کتاب اسرار و رموز میں فرماتے کہ اے بندۂ مومن (مسلمان) "جو کی روٹی کھا کر اپنی بسر اوقات کر" اسی نانِ شعیر (جو کی روٹی) میں آہنی عزم اور بے پناہ طاقت کا راز پوشیدہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ تیرا کردار اعلیٰ وارفع سیرت، پاکیزہ اور طینت متین اور سنجیدہ ہونا چاہیئے، تو پھر تو خیبر شکن اور مرحب و عنتر فگن ہو سکتا ہے۔ علامہ صاحب دراصل پیغام یہ دینا چاہتے ہیں کہ اے مسلمان! تیرا کردار حیدر کرار کے اسوۂ حسنہ کا آئینہ دار ہونا چاہیئے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ تو اسوۂ حیدر کرار سے کوسوں دور ہے۔ خدا کے لئے عقل کے ناخن لے، خواب خرگوش سے جاگ۔ حیدر کرار کے افکار و کردار کی روشنی میں اسپ زندگی کو مہمیز کر، یہی تیری فلاح کی ضمانت ہے۔

پختہ سازد فطرت ہر خام را

از حرم بیروں کند اصنام را!

سچ بتا کہ کبھی اے انسان تو نے اس پر امعانِ نظر سے غور و فکر کی کہ مس خام کب اور کس وقت کندن ہوتی ہے۔ جب وہ حرارت کی منزل سے گذر جاتا ہے، یہی انسانی نیچر (یعنی فطرت) کے لئے کندن ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ اللہ کا نمائندہ اور امام برحق وہی ہو سکتا ہے جو خام فطرت "کو پختہ سے پختہ تر اور مستحکم سے مستحکم ترین بنا دے۔ دوسرے مصرعہ میں وہ ایک تاریخی حقیقت اور ایک اہم ترین واقعہ کی نشاندہی کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ جیسے اسی خیال کو اس رُخ سے علامہ صاحب کے پیش رو مرزا اسد اللہ خان غالب نے یوں بیان کیا ہے۔

گو واں نہیں پہ واں سے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی!! غالب

اب دیکھنا یہ ہے کہ کعبے سے بتوں کو کیا نسبت؟ جب کہ مذہب اسلام میں بت پرستی گناہ کبیرہ میں شمار ہوتی اور پھر اللہ کا گھر ہو اور بتوں کا راج: چہ معنی؟ ہاں تو صاحب آمد سرکار دو جہاں سے پہلے خانہ خدا پر ۳۶۰ بت ناحق قابض تھے۔ جن میں بڑے نامی لات و منات و ہبل گنے جاتے تھے۔ یہ "بڑے خدا" تھے۔

باقی سب ان سے چھوٹے ۔ تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرنے سے پہلے پتہ چلتا ہے کہ ان ناجائز قابضوں کو اللہ کے گھر سے اللہ کے ولی، شیر علی مولا علیؑ نے دوش رسالت مآب پر بلند ہو کر ان چھوٹے خداؤں کی خوب خبر لی اور خانۂ خدا سے نکال باہر کیا ۔ اور عالمین کے لئے قبلہ بنا دیا ۔ یہاں پہنچ کر کسی شاعر کے قصیدے کا یہ بند یاد آتا ہے :۔

میں نے مانا تیرا گھر مقدم سہی پر بتوں سے مگر یونہی ویران تھا

مادرِ مرتضیٰ کا یہ احسان ہے آج آباد تیرا مکان ہو گیا

حقیقت بھی یہی ہے کہ فاطمہ بنت اسد مادر گرامی سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ایسے حق کے ولی، نبی کے وصی کو جنم دیا کہ جس نے اللہ کے گھر کو بتوں سے صاف اور پاک کر دیا ۔

نغمہ زا تارِ دل از مضرابِ او

بہر حق بیداریٔ او خوابِ او

اس وقت کی مسحور کن ساعت کا کیا کہنا جب ایک نغمۂ پر کیف فضاؤں میں بکھر جاتا ہے ۔ جب کوئی دل کے تار دل کو مضراب کی لطیف چھیڑ چھاڑ سے شروع کرتا ہے ۔ دوسرے مصرعہ میں پھر علامہ موصوف وہی اسلامی تاریخ کے دو اہم باب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ملتے ہیں ۔ اوّل الذکر میں آپ سیدنا حضرت علی علیہ السلام کی عبادت و ریاضت الٰہی کا ذکر کرتے ہیں ۔ تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ حضرت علیؑ کی بیداری شب کا یہ عالم تھا کہ آپ ہر رات کو ایک ہزار رکعت نماز و نوافل ادا کرتے تھے ۔ ہاں ایک رات جی بھر کر خواب راحت کے مزے لوٹے ۔ یہ سونا بھی اللہ کو ایسا پسند آیا کہ اپنی رضا کے عوض سودا کر لیا اور وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ کے گرانقدر اعزاز سے سرفراز فرمایا :۔

لہ سرکار امیر المومنین کی عبادت کیا کہنا ۔ حالت نماز میں انگشتری زکوٰۃ دے کر بارگاہ ایزدی سے اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ کا خطاب پایا ۔

از عصا دستِ سفیدش محکم است

قدرتِ کامل بعلمش توام است

بیشک وہ ہاتھ عصا سے کہیں مضبوط اور قوی ہوتا ہے۔ یدُاللہ کا مصداق ہو، اسی ہاتھ کے لئے اللہ نے آسمان سے لوہا نازل کیا۔ اور اسی کو حق نے لافتیٰ کا تاج پہنایا اور اسی کی دوسری نشانی علامہ موصوف اپنے اسی شعر کے مصرعِ ثانی میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اس قوی ہاتھ کی طاقتِ خداداد کے ساتھ علم کی طاقت بھی لازمی امر ہے جیسے کلام پاک میں ارشادِ قدرت ہو رہا ہے۔ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰہُ عَلَیۡکُمۡ وَزَادَہٗ بَسۡطَۃً فِی الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ (ترجمہ: یقیناً حق تعالیٰ نے اُسے تم پر ترجیح دی اور علم و جسم کی اہلیتوں میں اسے بڑھا دیا ہے۔ اس شعر کی چست اور شگفتہ بندش اس بات کی محکم دلیل ہے کہ علامہ مرحوم کا قرآن پاک سے گہرا لگاؤ رہا ہے۔

نوعِ انسان را بشیر و ہم نذیر

ہم سپاہی، ہم سپہ گیر و ہم امیر

جب ہم حضرت علی ابن ابی طالب کی زندگی کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ صفحۂ گیتی پر بھی وہ فردِ واحد ہے کہ جو ایک ہی وقت میں بشیر بھی ہے اور نذیر بھی، وہ میدانِ جنگ میں جہاں جانباز سپاہی ہے وہاں وہ عظیم سالارِ لشکر بھی ہے۔ امیروں میں امیرالمومنین، غریبوں میں غریب الغربا، مزدوروں میں مزدور اور محنت کشوں میں محنت کش نظر آتے ہیں، نصرتِ رسولؐ اور احیائے دینِ اسلام کی جس انداز سے آپ نے دست گیری فرمائی وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

زحیدریم من و تو زما عجب نبود

گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم — جاویدنامہ

علامہ فرماتے ہیں کہ اس میں اچنبھے کی بات کیا ہے۔ میں بھی حیدری ہوں اور تو بھی تو پھر یہ کوئی مشکل مشکل تو نہیں کہ ہم ڈوبا ہوا سورج مغرب سے دوبارہ لوٹا نہ سکیں۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ہم پہلے

اپنی زندگی کو تابع فرمانِ الٰہی، عشقِ رسول اللہؐ اور ولائے حیدرِ کرارؑ کے لئے وقف کر دیں تو پھر ہمیں بھی یہ حق تصرف حاصل ہو سکتا ہے کہ ہم گردشِ لیل و نہار روک سکتے ہیں۔ دلیل اس امر کی علامہ موصوف کے درج ذیل شعر سے اخذ کی جا سکتی ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

غور کیا آپ نے کہ محمدؐ کی غلامی، جہاں دین حق کی شرطِ اوّل ہے، وہاں محمدؐ مصطفیٰ احمدؐ مجتبیٰ سے وفا کا انعام حق تعالیٰ اپنے بندوں کو لوح و قلم کا وارث قرار دے رہا ہے۔

اے پرِ پیہا جوہر اندر کافِ تو

ذوالفقارِ حیدرؑ از اسلافِ تو — اسرار و رموز ص۱۱۱

کاش کہ اے امتِ مسلمہ تو نے کبھی اس بات پر غور و فکر کی ہوتی۔ اور کبھی یہ تو سوچا ہوتا کہ تیغِ حیدری (ذوالفقار) جو جنگ بدر میں، حیدرؑ کرار کے لئے عرشِ اعظم سے اتری تھی وہ تیری میراث ہے۔ افسوس تیرے ہاتھ میں وہ تیغِ آبدار نہ رہی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ تیرے خون میں جذبہ ایمانی، منجمد ہو چکا ہے۔ تو نے ایثار و قربانی کا درس فراموش کر دیا ہے۔ آج جب کہ کفر و الحاد و زندیقیت کا طوفان بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ اٹھ حیدری عزم و ہمت سے کام لے! تیغ بے نیام کر اور شیرِ حق کی طرح حق و انصاف کی فرمانروائی کے لئے کفر و الحاد سے نبرد آزما ہو جا۔

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن

اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرار بھی ہے — بال جبریل ص۹۲

علامہ موصوف، ہندوستان میں مسلمانوں کی بے بسی و بے حسی کو دیکھ کر کفِ افسوس ملتے۔ اس لئے کہ انہوں نے اسلام و تاریخ اسلام کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا وہ ہندوستان میں ہندو سامراج کے خلاف اپنے اشعار میں سراپا احتجاج کی صورت اختیار کر گئے۔ آپ کے نزدیک ہندوستان میں ہندوؤں

کی مسلسل ریشہ دوانیاں، سادہ لوح مسلمانوں کے لئے، مستقل پریشانیاں بنتی جارہی تھیں۔ جسطرح رسول اکرمؐ کے دور میں کفر نے منظّم ہو کر قلعہ قموص (خیبر) میں مسلمانوں کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اقبال کے نزدیک وہی صورت حال ہندوستان میں پیدا ہو چکی تھی اور ادھر مسلمانوں کا یہ حال بقول علامہ اقبالؔ :-

دیکھ مسجد میں شکست رشتۂ تسبیح شیخ

کہ مسلمان آپس میں دست و گریباں، اور اس طرح سے منتشر جیسے تسبیح کے دانے دھاگے سے جدا ہو کر بکھر جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد رب العزّت ہو رہا ہے کہ آپس میں تفرقہ مت ڈالو اور پھر حکم ملتا ہے کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ مقصد یہ کہ آپس میں پھوٹ ایک کمزوری ہے۔ جس سے دشمن فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور اگر ہم تسبیح کے دانوں کی طرح متحد ہو کر اللہ کی رسّی کو پکڑ لیں گے تو پھر کوئی بھی عیّار و مکّار دشمن یا منافق ہماری صفوں میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اسی شعر کے مصرعہ ثانی میں ہندو سامراج کی نشاندہی یوں فرماتے ہیں۔

بتکدے میں برہمن کی پختہ زنّاری بھی دیکھ

یعنی کفر کے پیروکار منظّم طور پہ اسلام کے درپے آزار ہیں اور قلعہ بندیوں میں شب و روز مصروف ہیں۔ مگر اس فتنہ و شر کا قلع قمع کرنے کے لئے کوئی حیدر کرار ہی ہو تو بات بنے۔ کوئی ہے جو ناموس اسلام کے تحفّظ کے لئے

سر بکف میداں میں آئے جوشِ ایمانی کے ساتھ
قوم کی حالت بدل دے اپنی قربانی کے ساتھ

حقیقت بھی یہی ہے کہ قوموں کی تقدیر، تدبیر سے کہیں بڑھ کر جانی و مالی قربانیوں ہی سے بدلی جا سکتی ہے۔ جہاں علامہ موصوف اس زمانۂ ناگفتہ بہ میں کسی "حیدر کرار" کے متلاشی نظر آتے ہیں وہاں وہ مسلمانوں کی حالتِ زار پہ بے قرار ہو کر کبھی یوں بھی فرماتے ہیں:

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے

اس لئے کہ کفر والحاد کا دور دورہ ہے۔ ہر طرف سراسیمگی کا عالم ہے۔ پوری دنیا آگ کی لپیٹ میں آ چکی ہے کوئی ہے جو اس آتشِ نمرود میں کود پڑے اور اسے ٹھنڈا کر دے اور یہ کام تو صرف ملّتِ ابراہیمی کے کسی رمز آشنائے مشیّت، عشق آگاہ سے ممکن ہے۔ لہٰذا اس کی تلاش کر اگر اس جہنم کو گلزار دیکھنا چاہتا ہے۔

لہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا (القرآن حکیم)

باطن پوست واز خود گذشت

دل برستم داد و از حیدر گذشت

جاوید نامہ صہ

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اُمتِ مسلمہ نے تاریخ اسلام کے اس عظیم سپوت کو نظر انداز کر دیا ہے کہ جس کی تیغ نے بڑے بڑے سورماؤں کو زیر اور سرکشوں کو ڈھیر کر ڈالا ، اگر اس کی موجودگی میں کسی فتنے نے سر اٹھایا تو اسے سختی سے کچل ڈالا ، اس کی شجاعت ، بہادری اور دلیری کا سکہ تاریخ عالم کے ہر مرد جری کے دل پر نقش ہے ۔ جس کو ہر قوم کا سپاہی عقیدت و احترام سے جھک کر سلام کرتا ہے ، جس کو ہر خطۂ ارضی کا والی چاہے وہ کسی بھی رنگ و نسل ، مذہب اور ملت سے تعلق رکھتا ہو ۔ اُسے اپنا ہیرو اور رقائد تسلیم کرتا ہے ۔ اور اسی عظیم شخصیت سے رشتہ استوار کرنا اور اپنے لئے فخر و مباہات گردانتا ہے ۔ مگر حیف ہے اس مسلمان پر جو تجھے چھوڑ کر "رستم"[1] کی بہادری اور شہ زوری کے راگ الاپتے ہیں ۔ اس سے حب الوطنی ، سرفروشی اور ہمت کا سبق لیتے ہیں ۔ حالانکہ "رستم" صرف علاقائی شہرت کا حامل تھا ۔ اس کے برعکس عساکرِ اسلام کا کمانڈر انچیف علیؑ ابن ابی طالب وہ جانباز و سرفروش ، دلیر و بہادر اور مرد جری ہے ۔ کہ جس کی پادشاہی و فرمانروائی روز ازل سے تادم ایں اور تا بہ ابد ملک شجاعت پر مسلّم ہے اور رہے گی ، لہٰذا تاریخ عالم اور بالخصوص تاریخ اسلام کے اس عظیم جرنیل (حیدر کرار) کی پیروی کرنا ، ہر مرد حق پسند ، جانباز و سرفروش کا فرض اولین ہے ، اسی میں اس کی سرافرازی کا راز مضمر ہے ۔

پنجۂ حیدر کہ خیبر گیر بود

قوّتِ اُو از ہمیں شمشیر بود

اسرار و رموز صہ

مسلم ! اگر تجھے تاریخ اسلام سے مَس ہو تو یہ بات تجھ پر واضح ہو جانے کہ علیؑ ابن ابی طالب کی طاقت و قوت کا یہ عالم تھا کہ قلعۂ قموص (خیبر) کو علیؑ ابن ابی طالب نے بقول کسی شاعر کے

لیا تھا کام بس دو انگلیوں سے باب خیبر میں

---

[1] رستم و سہراب نامی دو پہلوان آج سے صدیوں پہلے سر زمین ایران پر گذرے ہیں ، یہ آپس میں باپ اور بیٹا تھے ۔ (عمرانی)

اور وہ قلعہ جس کو کفر اپنے لئے جائے امن اور ناقابلِ تسخیر تصور کرتا تھا ۔ اس سرکار امیر المومنین نے تختِ سلیمان بنا دیا ۔ جہاں آپ میں طاقت خداداد بدرجہ اتم موجود تھی ، وہاں پروردگار عالم نے اس کے لئے عرش سے تلوار نازل کی جس نے کفر کا قلع قمع کر ڈالا ، بڑے بڑے سرکشوں کے سر تنوں سے جُدا کر ڈالے ، یہاں تک کہ مرحب و عنتر ایسے نامی گرامی شہ زوروں کو چشم زدن میں نعرۂ تکبیر "اللہ اکبر" کہا اور کام تمام کر دیا ۔ بہت سے لوگ حضرت علیؑ کی اس شجاعت کو ان کے لئے باعث عزت و تکریم گردانتے ہیں ۔ حالانکہ آپ کی ذات ستودہ صفات اس سے کہیں بڑھ کر اوصافِ اعلیٰ و عالیہ کی حامل ہے ۔ بقول استاد قمر جلالوی کے :-

مرحب کا قتل بھی کوئی خیبر میں قتل تھا
پھینکا تھا ذوالفقار کا صدقہ اتار کے — قمر جلالوی

حقیقت واقعی بھی یہی ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب کی شجاعت و بہادری کا اس حیثیت سے موازنہ کرنا کہ وہ قاتلِ مرحب و عنتر ہیں ۔ یہ ان کی عظمت و بزرگی پر دلالت نہیں کرتا ۔ بلکہ علی ابن ابی طالب قدر و منزلت تو خدا جانے یا خدا کا رسولؐ ۔ خود رسالت مآب فرماتے ہیں کہ نہیں پہچانا علیؑ کو کسی نے سوا ذاتِ احدیت کے اور میرے اور نہیں پہچانا کسی نے مجھے سوائے خدا و علیؑ کے اور نہیں پہچانا خدائے قدوس کو کسی اور نے سوائے میرے اور علیؑ کے ۔

اگر حیدرِ کرار کی شجاعت مرحب و عنتر کو زیر کر لینا ہی ہے ۔ ـــــ تو یہ حقائق سے رو گردانی کے مترادف ہے ۔ علیؑ تو وہ ہے کہ جس نے مہد میں کالے[1] اژدر کو دو نیم کر دیا تھا ، جس نے شب ہجرت بسترِ رسولؐ پر تیغوں کے سائے میں سو کر ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ کا خطاب پایا ۔

جس نے جنگِ خندق میں عمرو بن عبد وَد کے مدمقابل جا کر وما ینطق عن الھویٰ کے مصداق رسالت مآب سے کُلِ ایمان کا خطاب پایا اور جب کُل کفر کو فی النار و السقر کر کے خراماں خراماں بارگاہ مصطفوی میں پہنچے ۔

---

[1] اژدر ، اژدھا کو کہتے ہیں ۔ یہ صدیوں پرانا سانپ بیت اللہ کے گرد و نواح میں رہتا تھا ۔ جس کو دورِ جاہلیت میں معیار الولد یعنی حلال حرامی کے پہچاننے کا آلہ تصور کیا جاتا تھا ۔ کتبِ تاریخ و سیر میں ملتا ہے کہ عرب ہر نو مولود کو اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں ۔ اگر یہ ڈس لیتا تو وہ یہ سمجھ لیتے کہ مولود حرامی ہے اور ۔ یہ چھوڑ جاتا تو اسے حلال زادہ قرار دیا جاتا اور اس کی ماں کو صاحبِ عصمت گردانتے ۔ علیؑ بن ابی طالب نے اس رسم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کیا ۔ جب رسول اکرمؐ سے یہ کہا گیا کہ علیؑ معیار الولد اس نو مولود نے ختم کر دیا تو حضورِ ختمی مرتبت نے فرمایا کہ اب علیؑ معیار الولد ہو گا ۔ جس کے دل میں اس کی محبت ہو گی وہ حلال ہو گا ۔ اور جو اس سے بغض رکھے گا وہ حرامی ہو گا ۔ (عمرانی) ۔

تو رسول اکرمؐ نے بڑھ کر پیشانی پر بوسہ دیا، سینے سے لگایا، اور زبان وحی ترجمان سے ضربتِ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین[1] کا مژدہ جانفزا سنا کر علیؑ کو دادِ شجاعت دی۔ لیکن علیؑ کی بزرگی و برتری تو اس میں ہے کہ ہادیٔ برحق نبی اکرم امام برحق، علی المرتضیٰ کے حق میں یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے ہیں کہ اے رب العزت تجھے واسطہ اپنی حکمت کا حق کو اس طرف پھیر دے جدھر علی پھرے۔[2] کہیں یہ ارشاد کہ القرآن مع علی و علی مع القرآن[3]۔ علی کی فضیلت تو یہ ہے کہ وہ ۱۳ رجب المرجب کو خانۂ خدا میں پیدا ہوا اور آنکھ کھول کر سب سے پہلے رخ رسالت مآب کی زیارت کی

مسلم ہندی چرا میداں گذاشت

ہمت او کراری و کراری نداشت

ستری مسافر

جب ہم تاریخ کا گہرا نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کیونکر میدان جنگ اور جذبہ جہاد سے منہ موڑا۔ اس لئے کہ ان میں زہد یدالٰہی کا فقدان بڑھتا چلا گیا اور ان میں حیدری جوش و خروش تو کجا بوئے کراری تک نہ رہی۔ اور یہی ہندوستان کی فاتح قوم (مسلمان) باہر سے آئے ہوئے سفید فام انگریز کی غلامی کا شکار ہوئی اور ہندو مہاجن نے اس کی رہی سہی معیشت کو نہایت خوبصورتی سے تباہ و برباد کر ڈالا یہاں تک کہ مسلمان کو دو وقت کی روٹی کا محتاج ہونا پڑا۔ بقول علامہ اقبال مرحوم،

جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے

اُسے بازوئے حیدرؑ بھی عطا کر

بالِ جبریل صفحہ ۱۱

علامہ مرحوم کے دل سے نکلی ہوئی، یہ دعا مستجاب ہوئی اور اہلِ عالم نے دیکھا کہ ایک کمزور سے انسان نے ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے، اُن میں جذبۂ جہاد، جوشِ حیدرِ کرار اور عزم شبیری کی روح پھونک کر ایک علیحدہ سلطنت (پاکستان) کا نعرۂ مستانہ بلند کیا۔ بقول علامہ مرحوم

ع امیر قافلہ سخت کوش و پیہم کوش

---

[1] مدارج النبوۃ صفحہ ۲۱۳ ج ۲

[2] الحق مع علی و علی مع الحق۔

[3] قرآن علیؑ کے ساتھ ہے علی قرآن کے ساتھ۔

مسلسل اس کوشش میں لگے رہے کہ مسلمانوں کو آزادی نصیب ہو اور آخر کار وہ اس کوشش میں کامیاب ہوئے اور اگست ۱۹۴۷ء کو ایک سلطنت خداداد (پاکستان) دنیا کے نقشے پر ابھری جس کی کھلی ہوئی فضا میں مسلمانوں کو سانس لینا نصیب ہوا۔ اب یہ ہمارا فرض اولین ہے کہ ہم اس کو قائم و دائم رکھیں اور اندرونی و بیرونی دشمنوں سے چوکس رہیں اور علامہ مرحوم کے اس فلسفیانہ نکتے کو ملحوظ خاطر رکھیں،

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے

شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر — اقبال

قوموں کے عروج و زوال کا سبب کیا ہے۔ عروج اس وقت تک رہتا ہے جب تک قوم میں دم خم اور اس کے بازوؤں میں تلوار اٹھانے کی سکت ہوتی ہے اور وہ جب ہی رہ سکتی ہے کہ جب وہ راگ و رنگ سے بے خبر ہو اور جہاں قومیں اس چکر میں پھنسی تباہ و برباد ہو کر رہ گئیں۔ یہی ہندوستان میں مسلمان کے ساتھ ہوا جس کے دہرانے کی ضرورت نہیں

دل بیدار فاروقی[1]، دل بیدار کراری

مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری — بال جبریل ص۵۹

علامہ صاحب، بیدار دل کو انسان کے لئے ایک جوہر گردانتے ہیں۔ ایک یہی وہ فلسفہ ہے کہ جس کو آج کا شاعر، مفکر اور ادیب پیش کرتا ہے، مثلاً

اب جی کے کیا کریں گے جب دل ہی بجھ گیا ہو

اب سمجھ میں آیا کہ سانس کی آمد و رفت ہی کا نام زندگی نہیں، بلکہ دل کی بیداری، زندگی کی ضمانت ہے یا خود علامہ مرحوم کی زبان میں

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ

کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

حقیقتاً دیدۂ بینا اور دل بیدار ہو تو اسرار و رموز الٰہیہ منکشف ہونے لگتے ہیں اور آخر ایک دن وہ منزل آجاتی

---

[1] فاروقی کے لغوی معنی حق و باطل میں تمیز کرنے والے کے ہیں۔ فاروقی حضرت عمر فاروق کی اولاد کو یا ان سے نسبت رکھنے والوں کو کہا جاتا ہے۔ لیکن صدیقی و فاروقی ایسے القابات حضرت علی علیہ السلام ہی کے لئے مخصوص تھے اور رہیں گے۔ (مرتب)

ہے۔ خدا بندہ سے خود پوچھتا ہے کہ بتا تیری رضا کیا ہے۔ یہی بیداری دل تھی کہ حضرت عمرؓ گھر سے رسول اکرمؐ کے قتل کو نکلتے ہیں۔ بہن کے گھر میں داخل ہوتے ہی کان میں قرآن پاک پڑھنے کی آواز سن کر اپنے بھیانک ارادے سے توبہ کر لیتے ہیں۔ یہی بیداریٔ دل تھی کہ حضرت علی علیہ السّلام نے کہا کہ اگر میری نظروں کے سامنے سے آسمانوں کے پردے ہٹا دیئے جائیں تو میرے ایمان و ایقان میں ذرہ برابر فرق نہیں آسکتا۔ یہی وہ بیداریٔ دل تھی کہ جو وعدہ روزِ اَلَست کیا تھا تادمِ واپسیں ان الفاظ کے ساتھ مسجد کوفہ میں ابن ملجم کی تلوار کی ضرب کھا کر کہا تھا فزت و رب الکعبہ قسم مجھے رب کعبہ کی کہ میں اپنے مشن میں کامیاب رہا۔ اللہ اکبر! دیکھی آپ نے بیداریٔ دل کی منزلت، اگر اسی بیداریٔ دل پر علامہ مرحوم کے کلام سے ارشاد جمع کئے جائیں۔ تو ایک کتابچہ تیار ہو سکتا ہے۔ علامہ مرحوم کے نزدیک نسلِ آدم کے لئے دل کی بیداری، کیمیا ہے اور یہی مردہ قوموں کے مرض کا علاج ہے۔ اگر انسان سے بیداری کا یہ جوہر ختم ہو جائے تو پھر بقول علامہ اقبالؔ

بے یقیں مردہ تو ہے سنگ سے بھی بدتر

ہو یقیں زندہ تو پھر حیدرؓ کرار ہے تو

اگر یقین زندہ ہے، یعنی دل بیدار ہے تو پھر تو زمانے پر غالب رہیگا۔ جیسے حیدرؓ کرار غالب الاکل غالب امام المشارق والمغارب، علیؑ ابن ابی طالب، زندگی کے ہر پہلو پر غالب نظر آتے ہیں۔ شاعرِ مشرق نے اپنی زندگی کو اپنے ممدوح علیؑ ابن ابی طالب اور سرکارِ دوجہاں کے تابع کر دیا، تو ببانگ دہل اعلان کیا۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

بال جبریل ۴۲

علامہ صاحب ایک سچے اور پکے مسلمان، عاشقِ رسولؐ انام اور حیدرؓ کرار کے حب دار تھے، یہی وجہ ہے کہ ان پر یورپ کی نظر فریب رنگینیاں اثر انداز نہ ہو سکیں اور نہ ہی اہل یورپ کی حیران کن ایجادات ان کی دیدہ بینا کو فریب دے سکیں اور نہ ہی ان کے علوم و فنون سے کہیں علامہ مرحوم متاثر ہوئے۔ اس کی وہ ہمارے لئے درس کے طور پر دوسرے مصرعہ میں بیان کرتے ہیں:۔

لے لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا (قول علیؑ)

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

علامہ مرحوم کا مقصد یہ ہے کہ ہم رشد و ہدایت کے لئے سرکار دو جہاں احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفیٰؐ اور ان کے نائب حیدرِ کرار سے تمسک رکھیں تو سرخروئی و کامیابی یہی کامیابی ہے یہاں پر پہنچ کر پتہ چلتا ہے کہ علامہ موصوف نے فلسفۂ سقراط و بقراط، افلاطون وارسطو اور علوم یورپ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جو بات اسلام کے زریں اصولوں میں ہے۔ اُس کی مثال مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ رسول اکرم کی مشہور حدیث انا مدینۃ العلم وعلی بابھا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں: حدیث یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کا دوسرا حصہ اور بھی غور طلب ہے فمن اراد العلم فلیاتہ من الباب جس کو علم حاصل کرنے کا شوق ہو وہ دروازہ پر آئے یعنی بابِ مدینۃ العلم علی ابن ابی طالب تک پہنچے۔ اسی زمانِ رسالت مآب کو سامنے رکھتے ہوئے۔ علامہ موصوف نے خدا و رسولؐ کے بعد اپنے ممدوح علیؑ ابن ابی طالب اور انکی اولاد کو ٹھہرایا اور ہمیں دعوتِ فکر ان الفاظ میں دے گئے۔

از علیؑ آموز اخلاصِ عمل

شیرِ حق را داں منزّہ از دغل

کہ اگر (مسلمان) تو دنیا میں مثالی زندگی گذار کرنا چاہتا ہے۔ تو اپنے کردار کو حیدرِ کرار کی سیرت میں ڈھال، اسی میں تیری سرفرازی ہے اور سعادت مندی کی اعلیٰ مثال بھی اور دیکھ حق کے ولی، شیرِ جلی مولا علیؑ کی ذات ستودہ صفات کو گناہِ صغیرا اور گناہِ کبیرہ سے مبرا سمجھ۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ یہ نورؐ ہیں اور معصوم بھی، ان سے خطا چہ معنی۔ ان کی عصمت کی گواہی تو آیۂ تطہیر دے رہی ہے۔ ارشادِ رب العزت ہوتا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۝ بیشک اللہ چاہتا ہے کہ اے اہل بیت (نبیؐ) تم سے ہر رجس کو دور رکھے جیسے رکھنے کا حق ہے۔

مسند احمد میں جناب اُمِّ سلمہؓ سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم میرے گھر تشریف فرما تھے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا حریرے سے بھری ہوئی ایک دیگچی لائیں، سرکار دوعالم نے فرمایا، فاطمہ میری نورِ نظر، ذرا اپنے شوہر (علیؑ

لہ تخلیق کائنات سے پہلے سرکار رسالت مآب کے نور کے ساتھ جو چیز خالق حقیقی نے خلق فرمائی، وہ علی علیہ السلام کا نور تھا۔ جس پر رسولِ اکرم کی زبانِ وحی ترجمان سے نکلے ہوئے ہیں یہ الفاظ اَوَّلُ خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ جواز کے لئے کافی ہے۔ (عراقی)

اور دونوں بچوں (حسنین شریفین) کو بلاؤ، لہٰذا ، بغیر کسی تاخیر کے تعمیل حکم کی گئی ۔ یہ حضرات آئے ، کھانا شروع ہوا۔ آپ اپنے بستر پہ بیٹھے ۔ خیبر کی ایک چادر آپ کے نیچے بچھی ہوئی تھی ، میں حجرے میں نماز ادا کر رہی تھی ۔ کہ یہ آیت نازل ہوئی ۔

مسلم شریف میں یہ واقعہ حضرت بی بی عائشہؓ سے نقل کیا گیا ہے ۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور سیاہ چادر اوڑھے ہوئے ایک دن صبح ہی صبح نکلے اور ان چاروں ، (فاطمہؓ ، علیؓ ، حسنؓ ، حسینؓ) کو اپنی چادر میں لے کر یہ آیت پڑھی ۔

ابن جریر حضرت سعد کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آنحضورؐ پر وحی اتری ۔ ان چاروں (علیؓ و فاطمہؓ شبیر و شبر) کو کپڑے کے نیچے لے کر فرمایا ، پروردگار عالم گواہ رہنا ! یہ ہیں میرے اہل اور میرے اہل بیت ۔

امیر المومنین کی شہادت کے بعد سرکار صلح امام حسنؑ نے منبر پہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے اہل عراق سنو! ہم اہل بیت ہیں جن کے بارے میں آیت انما یرید اللہ .... الخ اتری ہے ۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اَولیٰ

ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللّٰہی

بال جبریل ص۸۳

علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ دارا و سکندر لیسے شاہانِ کج کلاہ ، صاحبانِ جاہ و جلال سے کہیں ارفع و اعلیٰ وہ بوریا نشین ، فاقہ مست فقیر بہتر ہے کہ جس کی فقر و فاقہ مستی سے خدا کے شیر علیؓ ابن ابی طالب کی بو آتی ہو ، اور خوئے قلندرانہ کا جو وارث ہو ، مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں تمہارا امتیازی نشان الفقر فخری ، خودی و خودداری ہے ۔ اسی میں فقیری میں شاہانِ وقت سے خراج لینا ، ہمارے اسلاف کا طریقۂ جہانبانی رہا ہے ۔ اور یہی ہمارا طریق ہونا چاہیئے ۔

امیر قافلہ سخت کوش و پیہم کوش

کہ در قبیلۂ ما حیدری ز کراری است

زبورِ عجم ص۱۵۲

مسلم کو وہی پیغام کر تو سیر کاروان حیات ہے ذرا تدبر سے کام لے ۔ شب و روز محنت و مشقت ، بہادری جرأت مندی اور اعلیٰ ہمتی ہی تیرے لئے طرۂ امتیاز ہے ۔ جس میں یہ اوصافِ حمیدہ ہوں وہی ہماری اصطلاح

جرّار فاتحِ عالم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے، وہی سخت کوش و پیہم کوشش فرقِ کفر و الحاد پر ضرب کاری لگانے کے لئے جوشِ ایمانی کے ساتھ سربکف میدان میں آجائیگا۔ بقولِ اقبال

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم !!!

جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

زندگی مسلسل جہاد، یعنی جد و جہد کا نام ہے۔ چاہے وہ کسی بھی شعبۂ زندگی سے متعلق ہو۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا، زندگی سے بغاوت اور مایوسی پر دلالت کرتا ہے، جب کہ مایوسی کفر کے مترادف ہے۔

گہے در آمیزد، گہے با حق در آویزد !!

زمانے حیدری کردہ، زمانے خیبری کردہ زبورِ عجم ص۱۲۱

علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ آخر یہ کیا منطق ہے کہ کبھی تو تو دینِ حق کا ناصر و مددگار اور طرفدار و پرستار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور کبھی تو دین کے خلاف منظم سرتابی کا مرتکب ہوتا ہے۔ آخر یہ کیوں؟ یہ تو مسلمانی کوئی مسلمانی نہیں، سراسر منافقت کی کھلی دلیل ہے۔ کبھی تو تو خواہشاتِ نفس کو مار کر خیبر ایسے آہنی قلعے پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اور کبھی حق سے انحراف کر کے اسے نقصان پہنچانے کے درپے نظر آتا ہے۔ غرضیکہ ایمان و ایقان کی شمع تمہارے دلوں میں پوری طرح روشن نہیں ہوئی۔ اسی لئے تمہیں قرار نہیں، خدا کے لئے یقین محکم، عمل پیہم سے کام لو۔

من آں علم و فراست با پرِ کاہے نمی گیرم

کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مردِ غازی را

بہر نرخے کہ ایں کالا بگیری سود مند افتد

بزورِ بازوئے حیدر بدہ ادراکِ رازی را زبورِ عجم ص۱۲۹

علیؑ کی محبت دلوں کو جلا، ایمان کو بقا اور انسان کو حیا کا درس دیتی ہے اور علیؑ کی اتباع سرخروئی عطا

کرتی ہے۔ اور یہ وہ جنسِ گراں مایہ ہے کہ جہاں بھی اور جس قیمت پر بھی ملے، خرید لے۔ اقبال مرحوم اپنے حکیمانہ فکر سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہوئے۔ وہ علم و فضل و فرزانگی، حکمت و دانائی اور فلسفہ کس کام جو جفاکش قوم کو کاہل و کام چور بنا دے۔ سلام دور سے ایسے علم و فضل کو جو ہاتھ میں کتاب دے کر تیغِ آبدار چھین لے مسلمانو! فہم و ادراک سے کام لو اور فلسفہ رازی کے "تریاق" سے بچو!

عشق با نانِ جویں خیبر گشاد

عشق در اندامِ مہ چاکے نہاد

جاوید نامہ صـ۱۸

ولائے حیدرِ کرار بھی علامہ موصوف کے نزدیک ایمان و ایقان کی پہچان کا ایک ذریعہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں علیؑ تو وہ ہیں جو "جو" کی خشک روٹی زانو پر رکھ کر توڑتے تھے مگر خیبر ایسے آہنی قلعے کو صرف دو انگلیوں کی جنبش سے اکھاڑ کر فاتحِ خیبر کا لقب پاتے ہیں۔ یہ زور، یہ طاقت کہاں سے آئی؟ یہ تمام عشقِ حقیقی کا فیض تھا۔ جو حضرت علیؑ کی رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔ لیکن غور تو کیجئے کہ چاند نورِ الٰہی سے اکتسابِ نور کرتا ہے۔ لیکن شدتِ عشق کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے حسن میں ایک سیاہ داغ کا اضافہ کر بیٹھا، اگر عاشقِ صادق ہونے کے ساتھ وسیع الظرف ہوتا تو یقیناً سراپا نور ہوتا۔ یہی حضرت موسیٰؑ اور ان کے حواریوں کے ساتھ کوہِ طور پہ گذری۔ نور کی ہلکی سی چھوٹ کی تاب نہ لا سکے اور ہوش و حواس گم کر بیٹھے اور کوہِ طور جل کر سیاہ ہو گیا۔

کور را بینندہ از دیدار کن

بولہب را حیدرِ کرار کن !!!!

جاوید نامہ صـ۸۳

جس دل میں عشقِ رسالت مآب کی شمع روشن ہو اور وہ جو معرفت خداوندِ قدوس بتوسل سرکارِ دو جہاں حاصل کرنا چاہتا ہو وہ یقیناً اس میں کامیاب ہو گا۔ اور ارفع و اعلیٰ مقام حاصل کر لے گا۔ اس کے برعکس جس کے دل میں عشقِ رسالت مآب کی تڑپ نہیں۔ وہ رحمتِ خدائے بزرگ و برتر سے کوسوں دور ہے۔ کبھی راہِ حق پر نہیں آ سکتا۔ ایسے شخص کی مثال ابولہب ایسی ہے وہ ہمیشہ گمراہ کن طاقتوں کے زیرِ اثر رہتا ہے اور کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیاروں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اگر وہ ظلمت سے نکل کر روشنی میں آنے کا خواہاں ہے تو اسے تعلیماتِ آلِ محمد کی روشنی میں معرفتِ رسولِ برحق، محمد مصطفٰےؐ حاصل کرنا ہو گی۔ تب کہیں جا کر

دل کی آنکھوں کو بصارت ملے گی۔ اور وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہونا نجات کی دلیل ہے۔ زیر پا آجائیگی۔

پیشِ اُو نہ آسماں نہ خیبر است

ضربتِ اُو از مقامِ حیدر است   جاوید نامہ ص ۹۹

اقبال کے ہاں مومن کا تصور بہت بلند ہے۔ لفظِ مومن ان گنت اوصافِ حمیدہ اور صفاتِ سنجیدہ سے مشتق ہے۔ ان میں سے مومن کی ایک صفت خاص یہ بھی ہے کہ وہ نہایت جری، دلیر اور بہادر ہوتا ہے۔ وہ نو آسمانوں کو نوخیبر خیال کرتا ہے، انہیں اسی طرح قابلِ تسخیر جانتا ہے جیسے علیؑ ابن ابی طالب نے قلعہ خیبر کو چشم زدن میں فتح کر لیا تھا اور اقبال کو اپنے ممدوح (علیؑ) سے والہانہ عشق اور بے پناہ عقیدت ہے۔ اسی لئے اپنے ممدوح کو بے پناہ طاقت اور قوت کا منبع سمجھتے ہیں۔ جہاں بھی اشعار میں کسی مہم کے سر کرنے کا ذکر کرتے ہیں وہاں حضرت علی علیہ السلام کا ذکر کسی نہ کسی رخ سے ضرور کرتے ہیں۔ مثلاً کہیں خیبر کا ذکر ہے تو کہیں نانِ شعیر کا کہیں ذوالفقار کا تذکرہ تو کہیں اس کی ضربت کی تعریف، کہیں حیدرِ کرار کی صفت غیر فرار کی توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں

حکمِ حق را در جہاں جاری نکرد

نانے از جو خورد کراری نکرد   جاوید نامہ ص ۱۵۲

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ اقبال کے کراری، حیدری، خیبر، مرحب و عنتر، ذوالفقار (تلوار) اور نانِ شعیر (جو کی روٹی) کا تذکرہ مسلسل ان کے پورے اردو اور فارسی کلام میں کثرت سے ملے گا۔ اس شعر میں بندۂ حق (مومن) کا سب سے بڑے اور اہم فریضے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسے احیائے اسلام کی خاطر سرگرم عمل رہنا چاہیئے جہاں جو کی روٹی کھا کر سنتِ حیدری پر عمل کیا جاتا ہے۔ وہاں اسی لازم کا ملزوم یہ ہے کہ میدان جہاد میں کفر کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر تحفظِ دین اور ناموس اسلام کی حفاظت میں اپنی جان جانِ جہاں آفریں کے حوالے کر دے۔ مگر دین پر آنچ نہ آنے دے اور پرچم حق کو سرنگوں نہ ہونے دے اور اسلام کے قیام و دوام کے لئے مسلسل کوشاں رہے۔ مگر افسوس بقول علامہ موصوف کے :-

خانقاہے جست از خیبر رمید ☆ راہبی ورزید سلطانی ندید   جاوید نامہ ۱۵۲

کہ آج کا مسلمان، آرام طلبی کا دلدادہ اور خانقاہوں کا بے تاج شہزادہ چرس، بھنگ، گانجہ، افیون اور ایسی ہے بہت سی لغویات و منشیات میں غرق ہو کر اپنے اسلاف کی تاریخ کو فراموش کر چکا ہے۔ راگ رنگ کا رَسیا، مُسترتال کا شیدا، رہبانیت کا چوغہ پہن کر دنیا سے الگ تھلگ ہے

چمن کو چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھا ہے دیوانہ

بھلا اس پاگل کو کوئی سمجھائے تو سہی کہ یہ تیرا عمل اسلام کے اصولوں کے منافی ہے۔ اسلام میں رہبانیت کا تصور چہ معانی۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے مسلمان تو نے جد و جہد سے منہ موڑا ہے اور گوشہ نشینی اختیار کی ہے اسی وقت سے تگ و تاز کا فقدان ہونا شروع ہوا ہے۔ اٹھ جد و جہد کو اپنا نصب العین بنا۔

جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اسی رہبانی کے خلاف ارمغانِ حجاز کے صفحہ ۲۶۲ پر ہمیں علامہ موصوف کا یہ شعر ملتا ہے فرماتے ہیں:-

تیرے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی

یہی ہے مرنے والی اُمتوں کا عالمِ پیری

ارمغانِ حجاز ص۲۶۲

دین او آئین او سوداگری است

عنتری اندر لباسِ حیدری است

جاوید نامہ ص۱۷۰

وہی ہندوستان کے باسی مسلمانوں سے شکوہ و شکایات کا اظہار علامہ صاحب اس شعر میں کر رہے ہیں۔ جنہوں نے دو رخی اختیار کی ہوئی ہے۔ کوئی ان میں جعفر ہے تو کوئی صادق کا کردار ادا کر رہا ہے، زباں پہ کچھ ہے دل میں کچھ، مسلمان نام کا مسلمان رہ گیا ہے۔ تعجب ہے احمد مختار کے نام لیوا سر فروش، کفن بر دوش نظر آتے ہیں بلکہ چند سکوں کی خاطر لعلِ یمن چھوڑ کر دین فروشی پر کمر بستہ ہیں ان کے قول و فعل میں تضاد ہے۔ ظاہر ہے حیدرِ کرار کا حیدار، دینِ احمد مختار کا پرستار ہونے کا دعویدار اور باطن میں باطل کے ساتھ۔ یعنی صرف ظاہری مسلمانی رہ گئی ہے۔ دلوں سے خوفِ خدا جاتا رہا۔ اتباعِ رسول اور عشقِ حیدر مفقود ہو چکا ہے۔

دین فروشوں کو سرفروشی کا سبق یاد نہیں، ہاں حصولِ مال و زر کے لئے ۔ دین فروشی، اسلام سے بغاوت اور آئینِ حق تعالیٰ انحراف کرنا ۔ یہ کہاں کی مسلمانی ہے؟ یہ تو سراسر منافقت کا لبادہ اوڑھ کر دینِ حق (اسلام) کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے ۔ وہی بات کہ منہ سے رام رام، بغل میں چھری، نہیں اے مسلمان یہ تیری تاریخ نہیں، خدا کے لئے

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر ؛ حریمِ کبریا سے آشنا کر

دلوں میں محبت و اخوت، امن و شانتی اور آشتی کی جوت جگا اور حق سبحانہٗ کی معرفت حاصل کر، یہی وہ رختِ سفر ہے جو کام آئے گا ۔ عنتری چلن چھوڑ کر حیدری کردار و سیرت کے سانچے میں خود کو ڈھال، اسی میں خیر ہے ۔ وگرنہ بقول اقبال

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

•

کبھی کوہ و دمن عشق، کبھی سوز و سرور انجمن عشق

کبھی سرمایۂ محراب و منبر، کبھی مولا علیؑ خیبر شکن عشق

بالِ جبریل صفحہ ۲۲

فلسفۂ عشق نہایت دقیق ہے، جس طرح "معجزہ" عقل و ادراکِ انسانی کو عاجز و لاچار کر دیتا ہے ۔ بعینہٖ عقلِ انسانی عشق کا احاطہ نہیں کر سکتی ۔ عشق فہم و ادراک سے کہیں بالاخرد کی پہنچ وہاں تک ناممکن و محال ہے ۔ عشق تو عقل کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے ۔ بقول علامہ مرحوم

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

دیکھا عشق کی ایک جست نے عقل کی تمام قیود کو توڑ ڈالا ۔ یہی عشق منصور کو سرِ دار "انا الحق" کا

ﷺ الذکر علیٰ عبادۃ

ترانہ الا پڑھنے کا درس دیتا ہے۔ یہی عشق محراب مسجد میں فزت برب الکعبہ کا نعرۂ مستانہ بلند کرتا ہے۔ یہی عشق منبر سے سلونی سلونی [1] کا دعویٰ کرتا ہے اور یہی عشق موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کا سبق دیتا ہے۔ یہی عشق کبھی حیدری دکراری تو کبھی فاتح خیبر کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اسی لئے،

ہمیشہ وردِ زباں ہے علیؑ کا نام اقبال

کہ پیاس روح کی بجھتی ہے اس نگینے سے

بے شک

علیؑ کے نام سے دل کو سرور ملتا ہے

جہاں علیؑ کا ذکر کرنے سے روح کو تازگی اور فرحت محسوس ہوتی ہے وہاں نام حیدرؑ کرار سے دل کو سکون واطمینان کی دولت بے بہا بھی ملتی ہے۔ جس طرح مومن کو نماز پڑھنے سے قلبی سکون ملتا ہے اور روح مسرور ہوتی ہے بعینہٖ ذکر حیدر سے روح کی تشنگی بجھتی ہے۔ اسی لئے آنحضور نبی کریمؐ نے فرمایا، علیؑ کا ذکر کرنا عبادت [1] علیؑ کا چہرہ دیکھنا عبادت [2] اور دیکھو علیؑ کے ذکر سے اپنی محافل کو زینت دو [3]۔ اللہ اکبر حدیث رسولؐ کتنی جامع ہے۔ اور اگر کلمات حدیث پر فلسفیانہ انداز میں سوچ بچار کیا جائے تو بہت وسیع تر مضمون احاطۂ تحریر میں آ سکتا۔ جو حضرات رسول اکرمؐ علیؑ مکرم کے دور میں بقید حیات تھے ان کے لئے تو چہرہ دیکھ لینا ہی عبادت تھا لیکن سرکار دوجہاں نے اس نعمت عظمیٰ اور عبادت الٰہیہ سے بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے بھی طریقہ عبادت وضع کر دیا تاکہ کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو کہ اب تو علیؑ ہیں نہیں تو دیکھیں کہاں سے، لہٰذا ہم اس عبادت سے محروم رہ گئے۔ لہٰذا قیامت تک کے لئے حضورؐ نے عبادت کا یہ طریقہ بیان کر دیا کہ علیؑ کا ذکر کر لیا کرو۔ یہ بھی عبادت ہے۔ اور اس ذکر خیر سے اپنی محافل کو زینت دو

---

[1] الذکر علی عبادۃ

[2] النظر علی وجہہ عبادۃ — صواعق محرقہ صفحہ ۷۳ مناقب خوارزمی صفحہ ۲۵۱

[3] زینوا مجالسکم بذکر علی ابن ابی طالب

فاش گویم با تو اے والا مقام

باج را جز با دو کس دادن حرام

یا اُولی الامرے کہ منکم شانِ اوست

آیۂ حق حجت و برہانِ اوست

جاوید نامہ صفحہ ۱۹۲

لیجئے صاحب! علامہ صاحب نے کتنا بڑا مسئلہ کھول کر بیان کر دیا کہ خراج لینے کے صرف دو ہی شخص مستحق ہو سکتے ہیں - ان میں پہلا اولی الامر ہے جسکی حجت و برہان، قرآن میں موجود ہے - دوسرا وہ ہے جو حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دے - یہ ہیں وہ اللہ کے منتخب و برگزیدہ حضرات جن کو خراج دینا امرِ الٰہی کے عین مطابق ہے

نائبِ حق ہمچو جانِ عالم است

ہستیٔ او ظلِ اسمِ اعظم است

حق کا ولی، (نائب) احمد کا وصی، دنیا کی روح اور جان ہوتا ہے - اس کی ذاتِ ستودہ صفات "اسمِ اعظم" کا سایہ (ظلِ) ہوتی ہے - یہی خالق و مخلوق کے مابین ایک واسطہ ہوتا ہے - اب دیکھنا ہے کہ "اسمِ اعظم" سے مراد کیا ہے؟ اور کون ہے تو بقول کسی شاعر کے

علیؑ کا نام بھی ایک اسمِ اعظم ہے

پڑے مشکل تو اس سے کام لے لو

بے شک علی ابن ابی طالب کا نام "علیؑ" اسماءِ الٰہیہ میں سے ایک نام ہے - یہ نام حلالِ مشکلات ہے

لہ ذات احدیت علی الاعلیٰ ہے اسی لئے نام "علی" اسمِ اعظم ہے

بلاؤں کو رد کرتا ہے، مصیبت میں کام آتا ہے۔ اسی نام کا نعرہ نوح نے طوفاں میں لگایا تو کنارا پایا۔ اسی نے یونس کی شکم ماہی میں مدد فرمائی۔ اسی نے پیغمبرِ اسلام کی دستگیری اور مسلمانوں کی خبرگیری کی۔

اَز رموزِ جزو کُل آگاہ بُود ؟؟

دَر جہاں قائمُ باَمرِ اللہ بُود

وہی (عبد) جزو کل کے فلسفے سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔ جو نائب حق جانِ عالم اور اسم اعظم کا قلبؔ ہوتا ہے۔ اور بحق ذوالجلال والاکرام کارگہِ حیات میں قائمُ و دائم رہتا ہے۔ کبھی بصورتِ امام حسنؑ، کبھی بصورتِ سرکار سید الشہدا امام حسین، کبھی بصورت سیّد الساجدین امام زین العابدین حتیٰ کہ یہی سلسلہ معصومین سے ہوتا ہوا حجّتِ خدا، امام ہدیٰ، مہدیؑ برحق تک پہنچتا ہے۔ اسی مہدی برحق حسن عسکری کے نورِ نظر کا لقب قائمُ آلِ محمد ہے۔

سپاسِ جنابِ امیرالمومنینؑ

مندرجہ بالا عنوان کے تحت درج ذیل نظم شاعرِ مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال علیہ الرحمہ نے کب کہی اس کا تعین غالباً ممکن اگرچہ نہیں مگر اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ یہی وہ "نظم" سپاسِ جنابِ امیر ہے کہ جو علامہ موصوف ہر صبح و مسا بلاناغہ بطور وظیفہ پڑھا کرتے تھے۔ یہ نظم ۱۹۰۵ء میں ایک ادبی مجلّے "مخزن" میں شائع ہوئی تھی، بقولِ مدیرِ مخزن کہ اکثر احباب کا مسلسل یہی تقاضہ رہا کہ آپ اپنے آرگن "مخزن" میں علامہ صاحب کا فارسی کلام شائع کیوں نہیں کرتے، احباب کے پُرزور اصرار پر یہ نظم بعنوان "سپاسِ جنابِ امیرؑ" مخزن میں شائع ہوئی، ڈاکٹر مرحوم نے حقیقت یہ ہے کہ منقبت و مدحت کا حق ادا کر ڈالا ہے۔ اس قصیدے کے اشعار کی تشریح و تعریح سے میں نے یہ بہتر سمجھا ہے کہ اس کو من و عن حضرت علیؑ کے باب کے آخر میں رکھ دیا جائے تاکہ ناظرین و قارئین اس سے مستفید ہو سکیں۔ یہ منقبت باقیاتِ اقبال کے صہ ۱۰۲ سے لے کر صہ ۱۰۵ تک مسلسل ملتی ہے (عمرانی)

اے محوِ ثنائے تو زباں ہا — اے یوسفِ کارواںِ جاں ہا

اے بابِ مدینۂ محبت! — اے نوحِ سفینۂ محبت!

اے ماحیِ نقشِ باطلِ من — اے فاتحِ خیبرِ دلِ من!!

اے سرِّ خطِ وجوب و امکاں — تفسیرِ تو سورہ ہائے قرآں!

اے مذہبِ عشق را نمازے — اے سینۂ تو امینِ رازے

اے سرِّ نبوّتِ محمدؐ ! — اے وصفِ تو مدحتِ محمدؐ

گردوں برفعت ایستادست — از بامِ بلندِ تو فتادست

ہر ذرّہ درگہت چو منصور !! — در جوشِ ترانہ اَنَا الطُّور !!

بے تو نتواں باو رسیدن ! — بے او نتواں بتو رسیدن

فردوس ز تو چمن در آغوش — از شانِ تو حیرت آئینہ پوش

جانم بغلامیٔ تو خوشتر !! — سر بر زدہ ام ز حبیب[1] و قنبر[2]

ہشیارم و مستِ بادۂ تو ! — چوں سایہ ز پا فتادۂ تو

از ہوش شدم مگر بہوشم — گوئی کہ نصیری[3] خموشم !!!!!!

---

[1] "حبیب" سے مراد جناب حبیب ابن مظاہرؓ ہیں جو میدانِ کربلا میں سرکارِ امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سب سے زیادہ ضعیف تھے۔ مگر روزِ عاشورا اس بے جگری سے لڑے کہ دشمنانِ امام عالیمقام کو راہِ فرار بھول گئی اور آخر یہ بوڑھا مجاہد درجۂ شہادت پر فائز المرام ہوا۔

[2] قنبرؓ جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے خادمِ خاص تھے۔

[3] "نصیری" ایک فرقۂ خاص ہے جو کہ حضرت علی علیہ السلام کو خدا گردانتا ہے (نقلِ کفر کفر نباشد) ←

دائم کہ ادب بضبطِ راز است — در پردۂ خامشی نیاز است

اما چہ کنم مے تو لا !!! — شد است برون فتد زمینا

ز اندیشۂ عافیت رہیدم — جنسِ غمِ آلے تو خریدم

فکرم چو بجستجو قدم زد — در دیر شد و در حرم زد

در دشتِ طلب بسے دویدم — داماں چو گرد چیدم

در آبلہ خارہا خلیدہ — صد لالہ تہ قدم دمیدہ

افتاد گرہ بروئے کارم — شرمندم دامنِ غبارم

پویاں پئے خضر سوئے منزل! — بر دوشِ خیال بستہ محمل

جویائے مے و شکستہ جامے — چوں صبح بباد چیدہ دامے

پیچیدہ بخود چوں موجِ دریا — آوارہ چو گردِ بادِ صحرا

ـــہ علی خدا نہیں، نورِ خدا ہے۔ دلالت کے لئے یہ حدیثِ رسولؐ کتبِ احادیث میں بکثرت ملتی ہے۔ "انا و علی من نورٍ واحد" میں اور علی ایک نور سے ہیں۔ اگر رسول اکرمؐ نور ہیں تو پھر سرکارِ امیر بھی حدیث کی رو سے نور ہیں۔ اور مظہر نورِ احدیت ہیں۔ (عمرانی)

واماندہ ز درد نارسیدن
در آبلہ شکستہ دامن !!!

عشق تو دلم ربود ناگاہ !!!!
از کارِ گرہ کشود ناگاہ

آگاہ ز ہستی و عدم ساخت
بت خانۂ عقل را حرم ساخت

چوں برق بخرمنم گزر کرد
از لذتِ سوختن خبر کرد

برباد متاعِ ہستیم داد !!
جامے ز مئے حقیقتم داد !

سرمست شدم ز پا فتادم
چوں عکس ز خود جدا فتادم

پیراہنِ ما دمی دریدم
چوں اشک ز چشمِ خود چکیدم

خاکم بفرازِ عرش بردی
زاں را کہ بیا دلم سپردی

واصل بکنارِ کشتیم شد
طوفانِ جمالِ زشتیم شد

جز عشق حکایتے ندارم !!
پروائے ملامتے ندارم !

از جلوۂ عام بے نیازم
سوزم، گریم، تپم، گدازم

اِنَّمَا فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ یُؤْذِیْ مَا اٰذَاھَا (حدیثِ رسولؐ)

: صحیح بخاری :

نورِ چشمِ رحمۃ للعلمینؐ

امامِ اولین و آخرینؑ

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز

از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

رموز بیخودی ص۱۶۱

تاریخ اسلام کے قاری سے یہ بات ہرگز پوشیدہ نہیں کہ حضرت مریمؑ صرف اسی ایک نسبت سے واجب الصد احترام اور عزیز ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہونے کا شرف رکھتی ہیں۔ لیکن، بتول عذرا، فاطمۃ الزہراؑ مخدومۂ کونین، مخدرہ طہارت و عصمت! تیری فضیلت و بزرگی کا کیا کہنا کہ تو ایک نہیں ان گنت فضیلتوں کی واحد مرکز ہے۔ تین نسبتیں تو ایسی ہیں جن کو کوئی دنیا کی عورت نہیں پہنچ سکتی۔ اسی لئے مریمؑ سے سہ گنا آپ ہمیں عزیز و محترم ہیں۔ پہلی نسبت تو یہ ہے:-

نورِ چشم رحمۃ للعالمینؐ

آں امام اولینؑ و آخرینؑ

رموز بیخودی ص۱۶۲

اس ملکہ طہارت و عصمت کی فضیلت و بزرگی اور منزلت کون بیان کر سکتا ہے کہ جو امام اولین، سید المرسلین خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین ہو۔ اللہ اللہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اس آنکھ کا نور ہیں جس کی تعریف کلام اللہ میں یہ ہے[1]   اسی سلسلہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے   کہ فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے۔ یہاں دل یا جگر کا ٹکڑا نہیں کہا۔ مقصد آنحضورؐ کا یہی تھا کہ میں نور ہوں، فاطمہؑ نورانیت کا ٹکڑا۔ میں نبیؐ ہوں، فاطمہؑ نبوت کا ٹکڑا، میں رسولؐ ہوں، فاطمہؑ رسالت کا ٹکڑا، میں ہادی ہوں فاطمہؑ ہدایت کا ٹکڑا، میں صادق ہوں فاطمہؑ صداقت کا ٹکڑا، میں امین ہوں فاطمہؑ امانت کا ٹکڑا، میں عابد ہوں فاطمہؑ عبادت کا ٹکڑا، میں طاہر ہوں فاطمہؑ طہارت کا ٹکڑا۔ غرضیکہ جو کچھ میں ہوں فاطمہؑ اس کا ٹکڑا ہے۔ اسی حدیث کے ضمن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے

[2]وروی الطبرانی باسناد صحیح علیٰ شرط الشیخین قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا ما رأیت احداً قط افضل من فاطمۃ غیر ابیہا

---

[1] وَمَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (النجم: ۸)   [2] الشرف المؤبد ص۱۰۶

کہ میں نے جناب فاطمہ زہرا سے سوائے ان کے والد (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کسی کو بھی افضل نہیں دیکھا۔

ابن حجر عسقلانی اسی روایت کو اس رخ سے پیش کرتے ہیں:۔

عن عمرو بن دینار قالت عائشۃ ما رأیت قط احد افضل من فاطمہ غیر ابیھا۔

امام مالک کہتے ہیں کہ فاطمہ حضور نبی اکرم کا ٹکڑا ہیں۔ حضور کے ٹکڑے سے کوئی افضل نہیں اور نہ میں کسی کو فضیلت جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا پر دیتا ہوں خواہ کوئی بھی ہو۔

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ تینوں قول فضیلت زہرا میں صحیح اور درست تر ہیں کہ بی بی فاطمہ سب سے افضل ہیں۔

کتب صحاح ستہ میں بعد از کلام باری تعالیٰ صحیح بخاری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی کے حاشیے پر یہ عبارت بھی پڑھی جاسکتی ہے کہ فاطمہ زہرا سیدۃ النساء اہل الجنۃ اور طیبہ و طاہرہ ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ آپ تمام عورتوں سے مطلقاً افضل ہیں حتیٰ کہ اپنی والدۂ مکرمہ و محترمہ جناب خدیجۃ الکبریٰ سے بھی۔ یہ تو پہلی نسبت کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ ورنہ فاطمہ کی بزرگی کا تعین کرنا امرِ محال و ناممکن ہے۔

دوسری نسبت جو بتول عذراء خاتونِ محشر کو جناب مریم سے بلند کرتی ہے وہ علامہ مرحوم کے درج ذیل شعر سے عیاں ہے۔ فرماتے ہیں:۔

بانوئے آں تاجدار ھل اتی !!

مرتضیٰ مشکل کشا، شیر خدا — رموز بیخودی ص۱۷۱

آپ بفضلِ ایزدی اس مردِ حق سروش کی رفیقِ حیات ہونے کا شرف رکھتی ہیں کہ جس کے ان گنت القابات ہیں اور لامحدود اعزازات ہیں جس کا نام نامی، اسم گرامی خدائے بزرگ و برتر کے اسماء مبارکہ میں سے ایک نام علی ہے۔ یہی وہ ہستی ہے کہ جس نے آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء تک ہر نبی کی مشکل میں مدد کی، آدم کی عالمِ خلوتیں

۱؎ الاصابہ فی المعرفۃ صحابیہ ج۸ ص۲۶۶

۲؎ فقال مالک فاطمۃ بضعۃ من النبی والافضل علی بضعۃ من رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم احدا

۳؎ حاوی للفتاوی للسیوطی ج ۲ ص۱۸۹

۴؎ حاشیہ بخاری شریف ج ۱ ص۵۳۲

نوح کی طوفان میں ، یونس کی شکم ماہی میں ، موسیٰ کی طور پر ، عیسیٰ کی شکل میں اور خاتم النبیین ، سید المرسلین ، امام آدلین و آخرین کو پانچ جلوؤں کے ساتھ رہا ۔ مولا علی نے جنگ خیبر میں اور جنگ احد میں " ذوالفقار " ایسی آسمانی تلوار لیکر شاہ لافتی کا گرانقدر اعزاز پایا - اسی طرح حق نے ھَلْ اَتیٰ کا تاج سورۂ دہر میں ان کلمات کے ساتھ پہنایا - ارشادِ خداوند قدوس ہے ۔

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا

ترجمہ

میرے خاص بندے ایسے ہیں جو پورا کرتے ہیں منّت کو اور ڈرتے اس دن سے کہ ہے سختی اس دن کی کھلی ہوئی ۔ سب کو پہنچے گی اور وہ کھلاتے ہیں خدا کی راہ میں محتاج کو ، یتیم کو اور اسیر کو اور کہتے ہیں کہ ہم خوشنودی حق تعالیٰ کے لئے کھلاتے ہیں ۔ ہم تم سے بدلہ و احسان کے خواہشمند نہیں ۔ اس لئے کہ ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے اس دن کے عذاب سے کہ (جو) بے حواس کر دے گا ۔

ویسے تو پورے کا پورا قرآن ہی اہل بیت کی شان میں رطب اللسان نظر آتا ہے ، مگر خاص کر یہ پورا سورہ جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب ، فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات حسنین شریفین و کریمین کی مدح سرائی کر رہا ہے ۔

اس ضمن میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حسن و حسین علیہما السلام بیمار ہوگئے ، آنحضورؐ پیارے نواسوں کی عیادت کے لئے آئے اور آپؐ نے جناب امیر سے فرمایا کہ بہتر ہوتا کہ اگر تم اپنے بچوں کی صحت کے واسطے نذر مانتے ۔ جناب امیرؑ ، جناب فاطمہؑ اور جناب فضہؑ نے سرکار رسالت مآب کا یہ فرمان سنتے ہی تین روزے منّت مان لئے ، جب دونوں شہزادے روبصحت ہوگئے تو نذر کے پورا کرنے کا وقت آیا ، گھر میں کچھ نہ تھا ۔ جناب امیرؑ نے شمعون یہودی سے تین " صاع جَو " قرض لئے ۔ جناب سیدہ نے ایک " صاع جَو " پیسا اور پانچ روٹیاں پکائیں ۔ شام کو جب افطار کا وقت آیا تو دروازے پر سائل نے آواز دی السلام علیکم یا اہلِ بیت محمدؐ میں ایک مسلمان مسکین

ہوں مجھے کھانا دو۔ خدا تمہیں جنّت کے خوان عطا فرمائے گا۔ یہ آواز سنتے ہی سب نے اپنے آگے کی روٹیاں سائل کو دے دیں۔ اور فقط پانی سے افطار کیا اور دوسرے روز پھر جناب سیّدہ نے پانچ روٹیاں پکائیں، روزہ افطار کا وقت آیا، کھانے بیٹھے تو دروازے پر کسی یتیم نے صدا بلند کی۔ سب نے اپنے اپنے آگے کی روٹیاں اس کو دے دیں۔ تیسرے روز پھر جو روزہ افطار کرنے بیٹھے حسب سابق پھر کسی اسیر نے آکر سوال کیا۔ تیسرے روز بھی سب نے یہی عمل کیا۔ چوتھے روز جناب امیرؑ نے حسنین شریفین کی انگلی پکڑی اور بارگہ رسالت میں حاضر ہوئے، جونہی رسول اکرمؐ کی نظر پڑی کہ بھوک سے کانپ رہے ہیں تو فرمایا میں تم لوگوں کو کس قدر تکلیف کی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ پھر خود اٹھے اور ان کے ساتھ جناب سیّدہ کے گھر تشریف لائے۔ ادھر فاطمۃ الزہرا محراب عبادت میں ہیں۔ پیٹھ پیٹ سے مل گئی آنکھیں دھنس گئی ہیں۔ آنحضورؐ کو بہت رنج ہوا کہ یکایک حضرت جبریلؑ امین نازل ہوئے۔ اور کہا لیجئے یا رسولؐ اللہ! آپؐ کو مبارک ہو کہ پروردگار عالم نے یہ سورہ (دہر) آپؐ کے اہل بیت کی شان میں نازل فرمائی ہے اور سورۂ دہر کی تلاوت فرمائی۔

(دیکھئے تفسیر کشاف جلد (۲) صد ۲۲۹ مطبوعہ مصر یہی روایت بیضاوی نے نقل کی ہے)

تیسری نسبت کی طرف بھی اقبال مرحوم کا یہ شعر نشاندہی کرتا ہے!

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق!!

مادرِ آں کارواں سالارِ عشق! — رموز بیخودی صہ۱۶۸

کون نہیں جانتا کہ آپ مادرِ حسنینؑ شریفین ہونے کا شرف بھی رکھتی ہیں۔ جن شہزادوں میں ایک شہزادہ حسن علیہ السلام عشقِ حقیقی کے مرکز اور دوسرا شہزادہ حسین علیہ السلام عاشقانِ صادق کے قافلہ سالار تھے۔ اب کون ہے جو بتولِ عذرا، فاطمۃ الزہرا کی ہمسری و برابری کا دعویٰ کرے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسب و نسب اور پاکیزگی و طہارت کی حیثیت سے کوئی بھی جناب سیّدہ اور حسنین شریفین و کریمین کی برابری نہیں کر سکتا۔

ایک اور مقام پر شاہ عبدالحق محدث دہلوی حدیث پاک فاطمۃ سیدۃ النساء الجنّۃ او نساء العٰلمین کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

لے اشعۃ اللمعات ج (۲) صہ۹۸

(ایک فارسی متن کا ترجمہ) یعنی یہ حدیث پاک دلالت کرتی ہے کہ جناب فاطمہؑ سیدہ تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ حتیٰ کہ مریمؑ و آسیہؑ، خدیجہؓ و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی اور بعض علماء جناب عائشہؓ کو جناب سیدہ پر اس وجہ سے فضیلت دیتے ہیں کہ آپ حرمِ رسولؐ ہیں۔ لہٰذا جنت میں رسول اکرمؐ کے ساتھ ہوں گی اور فاطمہؑ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ ہوں گی اور لازم ہے کہ مقامِ رسالت مآب حضرت علی علیہ السلام سے کہیں بالا و برتر ہے مگر آنحضورؐ خود فاطمہؑ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ ہم اور تم، علی اور حسن اور حسین جنت کے ایک ہی مقام و مکان میں رہیں گے

اقبال کے ممدوحین، مرکزِ پرکارِ عشق و قافلہ سالارِ عشق جناب امام حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔ حضورؐ نے گود میں اٹھا کر فرمایا کہ[1] مجھ سے محبت کرو، ان سے محبت کرو، ان کے ماں (فاطمہؑ) اور باپ (علیؑ) سے محبت کرو! یہی چاروں ہمارے ساتھ قیامت کے دن ایک مکان میں ہوں گے۔ یہی وہ ذواتِ مقدسہ و مطہرہ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیۂ تطہیر میں لفظ اہل بیت ارشاد فرمایا۔ بعض علماء و محققین نے آیۂ تطہیر[2] قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ کا مصداق انہیں قرار دیا ہے۔ یہی وہ رسولِ مقبولؐ کے قرابتدار ہیں۔ جن کی محبت ہم (مسلمانوں) پر فرض ہے اور یہی اجرِ رسالت ہے۔

آنکہ جاں در پیکرِ گیتی دمید

روزگارِ تازہ آئیں آفرید!!

رموزِ بیخودی ص

علامہ فرماتے ہیں، اے سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا آپ کی بزرگی کے لئے کیا یہی شرف کافی نہیں کہ آپ سرکارِ دوجہاں، باعثِ تخلیقِ کائنات (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی آنکھوں کا نور، دل کا سرور ہیں جن کے آنے سے پیکرِ گیتی میں جان آگئی اور دنیا کو تہذیب و تزئین کی دولت بے بہا مل گئی۔ آپ کے والدِ بزرگوار، رحمت پروردگار خیر البشر نے محکم و خوشگوار قوانین و ضوابطِ حیات بشر کو مرحمت فرمائے۔ وہ ضابطۂ حیات جو انسان کو دنیا میں عزت اور تکریم دے اور آخرت میں سرخروئی بخشے، اسی کا نام اسلام ہے۔ یہی

---

[1] اَنَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم اخذ بید حسن وحسین فقال من احبّنی واحب ھٰذین وآباھما وامھما کان معی فی درجتی یوم القیامۃ۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۲۔ ص ۲۶ ۔ صواعق محرقہ ص ۱۵۱)

[2] (الشوریٰ، پارہ: ۲۵)

ادیانِ عالم میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے۔ اسی دینِ الٰہی کے قائد و سربراہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ دخترِ نیک اختر ہیں۔ دوسری طرف بقول علامہ مرحوم کے

بادشاہِ کلبۂ ایوان او

یک حسام و یک زرہ سامان او — رموزِ بیخودی صفحہ ۱۷۷

جہاں تک خدا کی خدائی ہے، وہاں محمد مصطفیٰ کی مصطفائی اور علی شیرِ خدا کی بادشاہی ہے۔ لیکن اللہ اللہ مولا علیؑ کی بادشاہی تو ملاحظہ ہو۔ بظاہر تو نہ کوئی تخت ہے نہ تاج اور نہ ہی کوئی ملک ہے لیکن یہ بادشاہت سے علامہ مرحوم اس لئے تعبیر کر رہے ہیں کہ آپ کی دلوں پر حکمرانی مسلّمہ ہے۔ اگر کوئی اس بادشاہ (علیؑ) کے محل سرا میں داخل ہو کر دیکھے تو انگشت در دہاں رہ جائے گا کہ محل کی جگہ جھونپڑی سامانِ جاہ و حشم میں کل اثاثہ ایک تلوار اور ایک زرہ پر مشتمل تھا۔ ایسے بادشاہ کی ملکہ بننے کا شرف بھی جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا ہی کو نصیب ہوا۔ مخدومۂ کونین جگر گوشۂ رسول الثقلین امام قبلتین کی زندگی کا کیا کہنا کہ جہاں عقل کی رسائی نہیں، فکر کی پرواز مسدود ہے، زبان کو یارا نہیں، الفاظ میں وہ قد و قامت کہاں کہ بتولِ عذرا فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی رفعت کو چھو بھی سکیں

مزرعِ تسلیم را حاصل بتول

مادراں را اسوۂ کامل بتول — رموزِ بیخودی صفحہ ۱۷۸

شاعرِ مشرق فرماتے ہیں کہ اس میں کلام نہیں کہ مخدومۂ کونین، مخدرۂ طہارت و عصمت پیکرِ شرم و حیا، مخزنِ لطف و عطا، مرکزِ مہر و وفا، محورِ صدق و صفا، مصدرِ جود و سخا، سراپائے صبر و رضا جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ہی عفت کا گنجِ گراں مایہ، عصمت کا سرمایہ، کرم کا بحرِ بیکراں، عظمتوں کا آسماں، رفعتوں کا ارفع نشاں اور شہیدانِ راہِ خدا کی مادرِ مہرباں ہیں۔

لہ ارشادِ ربّ العزت ہوتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط یعنی تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک کہ اللہ کی راہ میں اپنی سب سے پیاری چیز نہ دو گے۔ یہ آیت اتری تو نبی اکرم کی دخترِ نیک اختر فاطمۃ الزہرا نے اپنے جہیز سے جو اچھی قمیص تھی وہ ایک سائل کو دے دی یہ تھا فاطمہؑ کا اندازِ سخاوت!

آپ ہی جذبۂ ایثار کی کھیتی کا ثمرہ و سرمایہ ہیں۔ جب تک جناب فاطمہؑ رسولِ خدا، محمد مصطفےٰ، بدر الدجیٰ، شمس الضحیٰ کے زیرِ سایہ رہیں، پدر بزرگوار (جناب رسول اکرمؐ) کے لئے باعث راحت قلب و نظر رہیں اور جب یہی بضعۃ الرسول، ریحانۃ النبیؐ، زینت کاشانۂ علی شیرِ جلی ہوئیں تو شوہر نامدار حیدرِ کرار کی رضا کو اوّل و آخر مقدم جانا، خود جناب امیر المومنینؑ جناب بتول عذرا کی رفاقت پر فخر و مباہات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَبِنْتُ مُحَمَّدٍ سَکَنِیْ وَعِرْسِیْ [1]

مَشُوْبٌ لَحْمُہَا بِدَمِیْ وَلَحْمِیْ — دیوانِ علی صہ ۱۷۱

اور بنتِ محمدؐ (فاطمہؑ) میری راحت اور اہلیہ ہیں، ان کا گوشت میرے خون اور گوشت سے مخلوط ہے۔
پھر اسی مقام پر ایک اور اعزاز کی نشاندہی یوں کرتے ہیں:۔

وَلِیَ الْفَخْرُ عَلَی النَّاسِ بِعِرْسِیْ وَبَنِیْہَا [2]

ثُمَّ فَخْرِیْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ اِذْ زَوَّجَنِیْہَا — دیوانِ علی صہ ۱۹۸

مجھ کو لوگوں پر دو حیثیت سے فخر حاصل ہے کہ ایک تو میری رفیقۂ حیات فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی ذات والاصفات ہے اور ان کے بیٹوں (حسنؑ و حسینؑ) کی وجہ سے بھی، دوسرے باعثِ فخر یہ بات ہے کہ رسولِ اکرمؐ کی بیٹی (فاطمہؑ) میرے نکاح میں آئیں، لیکن حیدرِ کرار، شیرِ کردگار کی ذات والاصفات، بتولِ عذرا فاطمۃ الزہراؑ کے لئے وجہِ افتخار رہی ہے جس کا اظہار دخترِ رسولِ مقبولؐ نے ہمیشہ کیا۔
ہاں تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ جناب فاطمہؑ کی سیرت و کردار امہات امتِ مسلمہ کے لئے وجہ تقلید ہیں۔ اسی میں مسلمان خاتون کی عزت اور عفت کا راز ہے۔ کیا کہنا جناب فاطمہؑ کی بزرگی کا کہ جس پہلو سے نظر ڈالیں، آپ عظیم نظر آتی ہیں۔ باپ (محمدؐ) جو باعثِ تخلیقِ کائنات، ماں (خدیجۃ الکبریٰؑ) وہ جو ملیکۃ العرب، شوہر علیؑ، وہ جو شجاعت کا جوہر، بیٹے (حسنؑ و حسینؑ) جو شہادت کا شرف ٹھہرے، بیٹیاں وہ

---

[1] صواعق محرقہ صہ ۱۴۲

[2] صواعق محرقہ صہ ۱۴۲

(زینب و کلثوم) جو محافظ اسلام اولاد وہ جو از روئے ارشادِ رسول اکرم اولنا محمدؐ و اوسطنا محمدؐ و آخرنا محمدؐ و کلنا محمدؐ کا مصداق ٹھہری۔ جہاں تک حقائق کا تعلق ہے وہ تو اسی بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اسوۂ خاتون قیامت مسلمان عورت کے لئے ایک ایسا گراں مایہ سرمایہ ہے کہ اگر آج بھی بقول شاعر مشرق

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر

کہ در آغوش شبیرے بگیری — ارمغان حجاز صفحہ ۱۳۲

اس گئے گزرے دور میں مسلم خاتون سیرت و کردارِ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کی گود سے اسلام کو حسنینؑ شریفین تو نہیں، ہاں! حسنین علیہم السلام کے ادنیٰ غلام میسر آسکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے شرط ہے یہ کہ اپنے تخلیقی فرائض سے کما حقہٗ واقف ہو، وہ شمع محفل نہ ہو، چراغ خانہ رہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

نوری و ہم آتشی فرماں برش

گم رضائش در رضائے شوہرش — رموز بیخودی صفحہ ۱۶۷

اے مسلمان خاتون کیا تجھے خبر نہیں کہ مخدومۂ کونین، مادرِ حسنین شریفین، پروردۂ آغوش رسولؐ مقبول جناب بتولؑ جس کے بچوں کی گہوارہ جنبانی ساکن عرش اپنے لئے باعث فخر و مباہات جانتے تھے، رضوانِ جنت جس کے در پر اَنَا خَیَّاطُ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ کی صدا بلند کرتا ہے، اسی عظمت و شوکت کی ملکہ اپنے شوہر نامدار حیدر کرارؑ کی رضا و خوشنودی کو اپنے لئے توشۂ آخرت تصور کرتی تھیں اور انہی کی رضا میں خود کو گم کئے ہوئے تھیں، اللہ نے اپنی اس کنیز خاص کو جہاں حسنؑ و حسینؑ ایسے عظیم فرزند عطا کئے وہاں فاطمہؑ ایسی زینبؑ و کلثومؑ بیٹیاں بھی عطا کیں۔ کیا کہنا بتول عذراؑ کی بزرگی کا کہ جس کے فرزند تا قیام قیامت مردوں کے لئے نمونۂ عمل اور بیٹیاں مستورات کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ پھر علامہ مرحوم فرماتے ہیں:۔

---

[1] مجمع الفضائل صفحہ ۱۳۰

[2] مجمع الفضائل صفحہ ۱۹۲ الوردیہ شریف شہید صفحہ ۲۶

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند

چشم ہوش از اسوۂ زہرا مبند رموز بیخودی صفحہ ۱۸۱

کہ دیکھ اے مسلمان عورت اگر تو صاحب ہوش خرد ہے اور تو جذبہ ایثار رکھتی ہے تو پھر تجھ پر لازم ہے۔ کہ تو جناب فاطمۃ الزہرا کے نقش قدم پر گامزن ہو۔ یہی تو چشم بینا کا تقاضا ہے اور عقل و خرد اسی کا نام ہے کہ اسوۂ جناب سیدہ پر سختی سے عمل پیرا ہونا چاہیے۔ یہاں اقبال جناب سیدہ کی زندگی کے ایک اور پہلو کو اس شعر میں یوں پیش کرتے ہیں

آں ادب پروردۂ صبر و رضا

آسیا گرداں و لب قرآں سرا رموز بیخودی صفحہ ۱۸۱

جہاں تاریخ اسلام جناب سیدہ کی بہت سی خصوصیات وصفات کی نشاندہی کرتی ہوئی ملتی ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مخدومہ طہارت وعصمت صبر و رضا کی ادب پروردہ بھی تھیں۔ اسی کی اعلیٰ مثال یہ ہے کہ چکی پیس رہی ہیں اور قرآن پاک ساتھ ساتھ پڑھتی جارہی ہیں۔ لیکن آج کی مسلم خاتون، دعوئے کنیزی زہرا میں تو پیش پیش اور عمل میں مفقود سے مفقود تر نظر آتی ہے۔ روایات کی رو سے پتہ چلتا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا حسنؑ و حسینؑ کو جھولے میں لٹا دیتیں اور خود مصروف عبادت ہو جاتیں۔ ایسی صورت میں اگر کوئی شہزادہ رونے لگتا تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل امین فوراً آکر گہوارہ جنبانی کا کام کرتے۔ جب آپ عبادت الٰہی سے سلام اللہ پھیر تیں تھیں تو کیا دیکھتیں کہ جھولا ہل رہا ہے۔ یہ تھا اعزاز فاطمہ۔ اب ایک اور پروردۂ صبر و رضا کا اعزاز ملاحظہ ہو جس کو اقبال مرحوم نے شعر کے دوسرے مصرعہ میں بیان کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے اور علامہ مرحوم نے ایک اہم واقعہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔

خاتون قیامت، مخدومہ کونین، مادر حسنینؑ جناب فاطمۃ الزہرا کا یہ معمول تھا کہ آپ اپنے گھریلو کام کاج میں مصروف ہوتی تھیں تو زباں مصروف تلاوت کلام الٰہی رہتی، بالعموم جب چکی پیستیں تو تلاوت قرآن فرمایا کرتی تھیں۔ اس حقیقت پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ ان کو رسول اکرمؐ نے کسی کام کے سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ انہوں نے واپس آکر دربار رسالت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ میں نے دیکھا کہ آپ کی بیٹی

(فاطمہ) نماز پڑھ رہی ہیں اور ان کی چکی خود بخود چل رہی ہے۔

ایک روایت تنبیہ الغافلین اور درۃ الناصحین میں یوں ہے کہ آپ کے ہاتھ چکی پیستے تھے، زبان سے قرآن پڑھتی تھیں، دل سے قرآن کی تفسیر فرماتی تھیں، پاؤں سے اپنے بچوں کا جھولا جھلاتی تھیں اور آنکھوں سے آنسو بہاتی تھیں۔ علامہ مرحوم کا کہنا یہ ہے کہ اسلام کو ایسی بلند کردار عورتوں کی ضرورت ہے جن کی گودیوں سے سرفروشان اسلام مل سکیں۔ لہٰذا فرماتے ہیں:۔

سیرت فرزندہا از امہات

جوہر صدق وصفا از امہات   رموز بیخودی ص۱۰۴

ماں! بے مثل و بے نظیر، بے بدل و بے عدیل، ایثار و خلوص، مہر و وفا کی انتہائی بلندیوں کا نام ہے۔ ماں ایک نعمت خداداد ہے۔ ماں کا وجود اولاد کے لئے کیف، سرور، قرار، پیار، رحم، کرم، تسکین اور راحت ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بچے کی تعلیم و تربیت کا آغاز ماں کی آغوش سے ہوتا ہے۔ اسی لئے حکماء کا قول ہے کہ بچے کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ جتنی اعلیٰ صلاحیتوں کی ماں ہوگی اتنی ہی اعلیٰ پیمانے پر بچوں کی نگہداشت کرسکے گی ایک فلاسفر کا قول ہے کہ عورت سے دنیا کی تمام تر رعنائیاں، سارا حسن و جمال، تمام لطافت و دلکشی اور سب کی سب خوبصورتی چھین لی جائے اور اس کے ساتھ صرف "لفظ ماں" کا وجود ہی رہ جائے تو بھی دنیا کے حسن و جمال اور رعنائی و دلکشی میں ذرہ برابر فرق نہ آئے گا۔

بچے کی پوری زندگی کی عمارت کا انحصار ماں کی اعلیٰ سیرت و کردار کا مرہون منت ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ بچے کی ابتدائی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ یہی وہ پہلی درس گاہ جہاں اس نرم و نازک شاخ کو ماں نہایت لطیف اور نفیس انداز میں صحیح رکھ سکتی ہے۔ یہی وہ درس گاہ ہے جہاں سے بچہ صحیح یا غلط راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلم خاتون کو چاہئے کہ وہ سیرت و کردار جناب سیدہؓ کو ملحوظ خاطر رکھے اور پھر اسلام کے عظیم ہیرو، سیدنا امام حسنؓ و سیدنا سیدالشہداء امام حسین علیہ السلام ایسی برگزیدہ ہستیاں کی زندگی سے بچے کی روح کو جلا بخشے تو یقیناً وہ اسوۂ سیدۃ النساء العالمین پر گامزن ہے اور ایسی ہی اولوالعزم ماؤں کو تاریخ حق و صداقت اور پوری انسانیت بلا امتیاز مذہب سلام پیش کرتی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی تہذیب کی رو میں آج کی مسلمان خاتون بہی چلی جارہی ہے۔ اور عقل کے اندھے اسے آزادیٔ نسواں سے تعبیر کئے جارہے ہیں۔ بقول ڈاکٹر عسکری بن احمد

---

۱ وکانت تطحن الشعیر بالید وتقرا القرآن باللسان وتفسیر بالقلب وتحرک المہد بالرجل وتبکی بالعین۔ (تنبیہ الغافلین اور درۃ الناصحین)

آزادیٔ نسواں نمائشِ حسن کی آخری منزل میں آکر عریاں ہوجاتی ہے۔ بے پردگی سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے، پردہ گیا، دوپٹہ گلے پڑا، چوٹی کٹی، بال کھلے، نیم عریانیت نہیں اور آگے، قمیص اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کو سرکتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ستر کے سارے تقاضوں کو خیرباد کہہ کر عریانیت (NUDISM) پر آکر دم لیتی ہے۔ اللہ ایسی آزادی سے محفوظ فرمائے۔"[1]

تا حسینے شاخِ تو بار آورد

موسمِ پیشیں بہ گلزار آورد

رموزِ بیخودی صفحہ ۱۸۰

علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ کبھی اے مسلمان خاتون یہ بھی سوچا ہے کہ تیرا مقام کیا ہے۔ اگر تو اپنے صحیح مقام سے باخبر ہو تو یقیناً تیری گود سے اسلام کو وہ فرزندانِ توحید میسر آسکتے ہیں۔ جن کی اس دورِ ناگفتہ بہ کو اشد ضرورت ہے۔ اور ایسے فرزندانِ توحید، سرفروشانِ اسلام تیرے دم قدم سے تب ہی تو میسر آسکتے ہیں کہ جب تو اپنے کردار و عمل کو اسوۂ جناب فاطمۃ الزہرا کے تابع کرے گی۔ ملتِ اسلامیہ کو تجھ سے حسنینؑ شریفین کے غلام درکار ہیں جو حق و باطل میں تمیز کر سکیں اور بہ وقت میدانِ جہاد میں سر بکف نظر آئیں اور شان یہ ہو کہ حق کی خاطر باطل کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے سرکار سید الشہداء امام حسینؑ کی طرح جام شہادت نوش کریں اور یہی وہ گرانقدر اعزاز ہے جو ایک مسلمان خاتون کے لئے طرۂ امتیاز رہا ہے اور رہے گا۔

گریہ ہائے اُو ز بالیں بے نیاز

گوہر افشاندے بدامانِ نماز

رموزِ بیخودی صفحہ ۱۸۳

جہاں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی زبان پر ہمہ وقت تلاوت کلامِ پاک جاری رہتی تھی وہاں آپ نے فرض نمازوں کے علاوہ کثرت سے نوافل بھی ادا کرتی تھیں اور عبادت کا یہ عالم تھا کہ پوری پوری رات رکوع و سجود، قیام و قعود میں گذر جاتی تھی۔ جب آپ مصلیٰ عبادت پر کھڑی ہوتیں تو جسم اطہر مثلِ بید لوز رہا ہوتا تھا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ اس ضمن میں درج ذیل روایات کتب میں ملتی ہیں۔

---

[1] اگر آزادیٔ نسواں کا یہی تصور ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے تو پھر بے غیرتی اور بے حیائی کس کو کہتے ہیں۔ (ع)

حسن بصری[1] کہتے ہیں کہ امتِ محمدیہ، ملتِ اسلامیہ میں فاطمہ سے زیادہ کسی نے عبادت نہیں کی، راتوں کو نماز میں اتنا کھڑی رہتی تھیں کہ پاؤں متورم ہو جاتے تھے۔

صاحب[2] علل الشرائع نے بھی جنابِ بتولِ عذرا کی عبادت گزاری کو سرکارِ امام حسن علیہ السلام کے قول سے یوں نقل کیا ہے۔ امام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدۂ معظمہ جناب فاطمہؑ کو شام سے صبح تک خدا کے حضور میں گریہ و زاری کرتے اور اس کے بعد نہایت عجز و انکساری کے ساتھ خدا کے حضور دعا مانگتے دیکھتا ہے۔

اشکِ او برچیدہ جبریلؑ از زمیں

ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں — رموز بیخودی ص۱۴۸

جنابِ فاطمۃ الزہرا قائم اللیل تھیں جیسا کہ علامہ صاحب نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے اور امام حسن علیہ السلام کا فرمان جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ مخدومہ کونین، مخدرۂ طہارت وعصمت کی عبادت و ریاضت پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ وہ اشک لمئے تابدار جو بضعۃ الرسولؐ کی آنکھوں سے ٹپکتے تھے وہ روح الامین (جبریل) شیشے جب بھر کر سرِ عرش بریں لے جاتے تھے اور پھر انہیں عرش پر شبنم کی صورت برساتے تھے، یہ شعر بھی مسلم خواتین کے لئے دعوتِ فکر ہے کہ فاطمہؑ ایسی برگزیدہ ہستی، اس بارگہِ احدیت وصمدیت میں یوں گریہ کناں رہتی ہو تو وہ (اللہ تعالیٰ) بزرگ و برتر، ارفع و اعلیٰ ہوگا۔

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست

پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰؐ است

ورنہ گردِ تربتش گردیدمے

سجدہ ہا بر خاکِ اُو پاشیدمے — رموز بیخودی ص۱۴۸

---

[1] اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۲۹، خاتون جنت مؤلفہ محمد ربیع ص۱۲۵، المناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۱۴۱

[2] صاحب علل الشرائع

علامہ مرحوم فرماتے ہیں "اگر میرے پاؤں میں شریعتِ محمدیہ کی زنجیر نہ ہوتی اور قانونِ الٰہی مانع نہ ہوتا تو اے بضعۃ الرسول، مخدومۂ کونین، مادرِ حسنین شریفین میں تیری قبرِ اطہر کا طواف سر کے بل کرتا، مگر کیا کروں؟ ایک طرف تو معصومۂ کونین تیری عظمت و بزرگی کا جنون سر پر سوار ہے اور دوسری طرف فرمانِ رسالت مآب کا پاس بھی رکھنا ضروری ہے ورنہ میں تو بارگہِ عصمت و طہارت کی خاک پر سجدۂ نیاز بجا لاتا، لیکن ڈرتا ہوں کہ کہیں میرا یہ فعل تعلیم احمد مختار، سید الابرار محمد مصطفےٰ کے منافی نہ سمجھا جائے۔

بہرِ محتاجے دِلش آں گونہ سوخت

با یہودے چادرِ خود را فروخت! رموزِ بیخودی صفحہ ۱۵۲

علامہ مرحوم، اس شعر میں ایک اہم واقعہ کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ آلِ محمدؐ کی جود و سخا تاریخِ اسلام کا اہم ترین و زریں باب ہے۔ حضرت فاطمہؑ کی محتاج نوازی اور سخاوت کا ایک اہم واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ بنی سلیم قبیلے سے ایک اعرابی سرکار رسالت مآب کے حضور حاضر ہوا۔ اور گستاخانہ لہجے میں ہمکلام ہوا۔ لیکن آنحضورؐ کا عفو و درگزر اور حسنِ اخلاق دیکھ کر اعرابی نے آنکھیں نیچی کر لیں اور صدق دل سے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ توحید و رسالت کے اقرار کر لینے کے بعد اس اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں انتہائی مفلس و قلاش نادار اور محتاج ہوں۔ میرے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ بچے بھوک سے بلک رہے ہیں۔ آنحضورؐ سرورِ کونین جدّ الحسنؑ والحسینؑ کا یہ سننا تھا کہ آپؐ نے سلیمان فارسیؓ کو نزدیک بلایا۔ اور کہا کہ جاؤ اس سائل کو ہماری بیٹی فاطمہؑ کے دروازے پر لے جاؤ۔ سلیمانؓ فارسی آگے آگے اور وہ اعرابی پیچھے پیچھے ہو لیا۔ دروازے پر پہنچ کر سلیمانؓ فارسی نے دستک دی۔ پردے کی اوٹ سے فاطمہؑ نے آمد کا سبب دریافت کیا۔ جناب سلیمانؓ فارسی نے تمام واقعہ من وعن بیان کر دیا۔ جناب فاطمہؑ جلدی سے اندر دوڑیں اور گھر میں صرف ایک ردا ہی نظر پڑی۔ وہی لا کر جناب سلیمانؓ فارسی کے سپرد کی اور کہا کہ جاؤ اسے شمعون یہودی کے ہاں دے کر۔ اس سے اس اعرابی کو غلہ اور دیگر ضروریاتِ زندگی لے دو۔ جناب سلیمان فارسی نے ایسا ہی کیا۔ سلطان مرزا دہلوی اپنی کتاب "سیرتِ فاطمہؑ" کے صفحہ ۱۳۵ پر یوں رقم طراز ہیں۔ "جناب فاطمہؑ نے اپنی ردا زید یہودی کے پاس گروی رکھ دی اور اس سے کچھ جو قرض لیے۔ جب زید یہودی اپنے گھر میں داخل ہوا تو سارا

لـه مناقب ابن شہر آشوب الجز الرابع صفحہ ۱۲

گھر نور سے بھرا ہوا پایا۔ اپنی بیوی سے پوچھا یہ نور کیسا ہے، جواب ملا کہ ہمارے گھر میں حضرت فاطمہ کی چادر ہے۔ پس وہ اس عورت اور اس کی عورت اور اس کے ہمسائے سے کل اسّی آدمی فوراً ایمان لے آئے۔

ذرا محمدؐ و آلِ محمدؐ کے کردار کو دیکھو کہ کس عمدگی سے بغیر کسی لشکر کشی کے کس طرح پیغامِ توحید دل و دماغ میں منتقل کرتے رہے۔ اس واقعہ میں رسالت مآب کے عفو و درگزر اور بتولِ عذرا کی سائل نوازی، محتاج پروری، رقیق القلبی اور سخاوت کی اعلیٰ مثال موجود ہے۔ علامہ مرحوم کا مندرجہ بالا شعر اسی اہم واقعہ سے مشتق ہے۔ حضرت فاطمہؑ کی سخاوت کا ایک اور مشہور واقعہ بھی کتب تاریخ و سِیَر میں ملتا ہے کہ جب کلام اللہ کی یہ آیت آئی لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ (یعنی تم ہرگز بھلائی کو نہیں پہنچو گے جب تک کہ خدا کی راہ میں اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرو)۔

یہ آیت اتری تو محمد عربیؐ کی بیٹی جناب فاطمہؑ نے اگلی صبح دروازے پر سائل کی صدا سن کر اپنے جہیز کی سب سے اعلیٰ قمیض حاجتمند کو دے دی اور کلام اللہ کی آیت کا عملی ثبوت دے کر بنتِ رسولؐ نے سخاوت کا مقام مزید بلند کر دیا۔ دنیا میں کوئی ایسی اور مثالی عورت پیش کر سکتے ہو۔ جو اپنے جہیز کی سب سے قیمتی اور اعلیٰ قسم کی چیز اللہ کی راہ میں دے دے، نہیں، یہ اعزاز صرف اور صرف جناب فاطمہ سلام اللہ ہی کو حاصل ہوا ہے۔

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے

گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ

بالِ جبریل صفحہ ۴۳

اس میں کلام نہیں، تاریخِ اسلام اس بات کی شاہد ہے۔ یہی شیخِ حرم جو اپنی عزت اور وقار کے بلند بانگ دعوے کرتا ہے، اسی نامراد نے دین کا لبادہ اوڑھ کر رہبری کے روپ میں رہزنی کی ہے۔ اسی نے اپنا گھر بھرنے اور شکم پروری

ل ابوذرؓ حضرت رسولِ اکرمؐ کے بزرگ صحابی گزرے ہیں۔

ل اویسؓ جنہیں اویس قرنی کہا جاتا ہے، آپ کا شمار تصوف کے عظیم مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ سرکارِ رسالت مآب کے زمانے میں تھے۔ مگر زیارت نہ کر سکے چونکہ غلبہ حال اور والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر باشی سدِّ راہ رہی۔ سرکارِ رسالت مآب نے اسی مرتبت اویسؓ قرنی کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ میری امت کی قیامت کے روز ربیعہ اور مضر کی بھیڑیوں کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ حضرت اویسؓ قرنی پر عشقِ رسالت مآب کا اس قدر اثر تھا کہ جب آپ کو یہ پتہ چلا کہ آنحضورؐ کے دندان مبارک شہید ہو گئے ہیں تو آپ نے اپنے سارے دانت توڑ دیئے۔ آپ نے سرکار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے لڑتے ہوئے جنگِ صفین میں جام شہادت نوش کیا۔ (عمرانی)

کی خاطر اپنے ضمیر تک کو داؤ پر لگا دیا ۔ اسی شیخ حرم نے مقدس ترین اقدارِ اسلامیہ کو پامال کیا ۔ اسی نے مذہب کی آڑ لے کر نہایت دیدہ دلیری سے حضرت ابوذرؓ ایسی شخصیت کی کملی اویس قرنی کی گودڑی اور جناب فاطمۃ الزہراؑ کی چادر تک بیچ ڈالی ہے ۔ علامہ موصوف بتانا یہ چاہتے ہیں کہ کم ظرف ، بے ضمیر ، ننگِ آدمیت اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ شیخِ حرم ہی قرار پاتا ہے جس نے ابوذر کا فقر و فاقہ ، اویس قرنی کی درویشی و دور اندیشی کا کھلے بندوں مذاق اڑایا ہے اور مخدرۂ طہارت و عصمت کے سر کی چادر تک کا خیال نہیں کیا ۔ اور پھر وہی شیخ حرم کا شیخ حرم ، دین و مذہب کا ٹھیکیدار بنا بیٹھا ہے ۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم ایسے ٹھیکیداران دین و مذہب کے چہروں سے نقاب اتار پھینکیں اور اس ذات شریف (شیخِ حرم) کا سختی سے ہر دور میں محاسبہ کرتے رہیں تو یقیناً اسلام کی یہ سب سے بڑی خدمت ہوگی اور یہی وہ جہاد ہے جس کا پیغام علامہ موصوف ہمیں دے گئے ہیں ۔

اگر پندے ز درویشے پذیری

ہزار امت بمیرد تو نہ میری !!

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر

کہ در آغوش شبیرے بگیری !!

ارمغانِ حجاز صہ ۱۳۲

علامہ صاحب اس شعر میں بھی دخترانِ ملتِ اسلامیہ سے مخاطب ہیں اور انہیں بحیثیت ایک ناصح کے نصیحت فرماتے ہیں کہ دیکھو اگر تم محمد عربی کا کلمہ پڑھتی ہو تو پھر نبی اکرمؐ کے بتلائے ہوئے راستے پر چلو اور اپنے لئے دخترِ رسالت مآبؐ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے اسوۂ حسنہ کو پیشِ نظر رکھو ۔ یہی وہ ملیکۂ مملکت عصمت و طہارت ، شہزادیٔ عفت و عظمت ، طیبہ و طاہرہ ، نیرہ ، منورہ عابدہ ، ساجدہ ، زاہدہ ، سیدہ معصومہ و مخدومۂ کونین ہیں جن کی گود سے حسنؑ و حسینؑ ایسے ریحانتین رسولؐ میسر آئے ۔ ہاں ! تیری گود سے بھی غلامانِ شبیرؑ و شبرؑ اسلام کو مل سکتے ہیں ۔ بشرطیکہ تو شرم و حیا کا پیکر بن جاتے اور زمانے کی ناپاک نظروں سے پوشیدہ ہو جائے ، تہذیب جدید سے دامن کشاں رہ ، شمع محفل نہ بن چراغِ خانہ ہو جا ۔ دیکھ تیرے لئے بضعۃ الرسول جناب بتولؑ کی مقدس سیرت مشعلِ راہ ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ کشتِ تسلیم و رضا کا حاصل کردار جناب سیدۃ النساء العالمین ہی ہے

تا نشیند آتشِ پیکار و کین

پشت پا زد بر سرِ تاج و نگین

علامہ اقبال

آں یکے شمع شبستان حرمؑ

حافظ جمعیت خیر الاممؐ

رموز بجوری

اگر شاعرِ مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال کے اس شعر کو نہایت محتاط فکر کے ساتھ تواریخِ عالم کی روشنی میں تعصب کی اندھی عینک اتار کر امعانِ نظر سے پڑھا جائے اور عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ قائدینِ اقوام و ملل کی زندگیوں کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ جنگ و جدال سے ہمیشہ گریز کرتے رہے۔ یہی چیز تمام تاجدارانِ سلطنتِ الٰہیہؑ کا نصب العین نظر آتی ہے۔ آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک سب کے سب امن و سلامتی اور صلح جوئی کی تعلیم دیتے رہے۔ لفظِ اسلام اپنے صوری و معنوی اعتبار سے امن و سلامتی، صلح جوئی اور خیر سے عبارت ہے۔ اسلام جذبۂ خیر سگالی اور بھائی چارے کی فضا پیدا کرتا ہے۔ اسی میں فلاحِ انسانی کا راز اور خیر الیسی نعمتِ بے بہا پوشیدہ ہے۔ ارشادِ خالقِ کائنات ہے "وَالصُّلْحُ خَیْرٌ"[1] صلح میں خیر ہے۔ جس کو قدرت خیر قرار دے وہ خیرِ محض ہے۔ لہٰذا صلح کے فی نفسہٖ خیر ہونے میں گنجائش کلام نہیں۔

خالقِ کائنات کے اس واضح ارشاد کا سب سے پہلے عملی ثبوت سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، لائقِ صلوات محمد عربیؐ نے کفارِ قریش سے حدیبیہ کے مقام پر باقاعدہ شرائط کے ساتھ صلح کر کے پیش کر دیا جس کو تاریخِ اسلام میں آج تک صلح حدیبیہ[2] کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں سرکارِ رسالت مآبؐ کے اسی مستحسن فعل کو اپناتے ہوئے حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ صلح کی۔ تاریخِ اسلام کے قاری سے یہ بات مخفی نہیں کہ اقدامِ صلحِ حسنؑ سے پہلے مسلمانوں کے کان لفظ "صلح" سے عہدِ رسالت میں آشنا ہو چکے تھے۔ تو پھر اقدامِ صلحِ

---

[1] القرآن الحکیم

[2] صلح حدیبیہ ۶ھ میں عمل میں آئی۔ حدیبیہ ایک مقام ہے جو مکہ مکرمہ سے ایک منزل پہلے واقع ہے۔

حق شناس کیوں گذرا اور بارِ سماعت کیوں ٹھہرا۔ جبکہ اقدامِ صلحِ حسنؑ کوئی نیا قدم نہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ محل تھا اور عامل بدلا ہوا تھا۔ مگر صاحب!

محلِ فکر ہے اب تک سوالِ صلحِ حسنؑ

نظر نہیں ہے ہمہ گیری مدعا کی طرف آفر لکھنوی

لیکن! یہ تاریخ ہے، خود کو دہراتی ہے۔ اگر آج کسی حقیقت ناآشنا، عقل کے اندھے کو اقدامِ صلحِ حسنؑ پر اعتراض ہے تو ہوا کرے، یہ کوئی نئی بات نہیں۔ شک کرنے والوں نے تو صلحِ حدیبیہ کو بھی مشکوک نظر سے دیکھا تھا، اور نعوذ باللہ محمدؐ عربی کے اس فعل کو جن کا ایمان کمزور اور متزلزل تھا، وہ **وما ینطق عن الھوٰی** کے مصداق نبیؐ پاک کی کمزوری سے تعبیر کرتے رہے۔ حالانکہ اگر کسی مقام پر رسولؐ نے کنکر پھینکے ہیں تو خالقِ کائنات نے اپنے حبیب کے اس فعل کو اپنا فعل قرار دیتے ہوئے، ارشاد فرمایا ہے:-

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى [1]

ترجمہ: اور نہیں پھینکی تو نے جو کہ پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اس واضح ارشادِ خداوندی سے صاف ظاہر ہے کہ فعلِ رسولؐ، نائبینِ رسولؐ کے لئے قطعی حجت ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں اقدامِ صلحِ حسنؑ پر اعتراض، فعلِ رسولؐ سے کھلم کھلا بغاوت کے مترادف ہے اور از روئے قرآن فرمانِ الٰہی سے سراسر انحراف تصور کیا جائے گا۔ خدارا اقدامِ صلحِ امام حسنؑ کو آئینِ الٰہی اور رسولِ اکرم کے اس فرمان کی روشنی میں پڑھیں اور پرکھیں، حضورؐ فرماتے ہیں۔ میرا یہ بیٹا (حسنؑ) سید ہے۔ خدا اس کے توسط سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔[2] مگر افسوس کہ مورخین اس سلسلہ میں ہمیشہ تعصب، بغض اور عناد سے کام لیتے رہے اور جس نے حقیقت کی کسوٹی پر پرکھا، اسے بقول اقبال مرحوم کہنا پڑا

---

[1] سورۂ انفال

[2] بخاری شریف میں حضرت ابوبکرہ سے مروی ہے کہ اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (کتاب الصلح)

آں کے شمعِ شبستانِ حرم

حافظِ جمعیت خیرالامم

اور یہ حقیقت ہے کہ امام حسنؑ کے اقدام صلح نے ایک خونناک تصادم سے کلمہ گویان محمدؐ، امت محمدیہ کو نہایت عمدگی سے محفوظ کرلیا۔ اور قرآن پاک کی عظمت کو چار چاند لگ گئے۔ علامہ مرحوم نے انہی تاریخی حقائق کی طرف ہماری توجہ منعطف کرنے کی سعی کی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ

منحصر صلحِ حسنؑ میں تھا مفادِ اسلام

یہ تمام تر اقدامات شمعِ شبستانِ حرم، سرکار امام حسنؑ نے محض خوشنودیٔ خدا، تاسیٔ رسالت مآب اور اسلام کی شیرازہ بندی کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لئے کئے تھے۔ اسی ضمن میں آنریبل جسٹس سر امیر علی صاحب اپنی شہرۂ آفاق کتاب[1] میں یوں رقم طراز ہیں:۔

> حضرت علیؑ کا یہ ہمیشہ نصب العین رہا کہ بلا وجہ جنگ و جدال اور خون ریزی نہ ہو اور جب بھی بعد رسولؐ آپ نے تلوار اٹھائی تو وہ بجا لئے مجبوری دفاع کے لئے تھی۔ امام حسنؑ نے مسلمانوں کا دنیا کی طرف میلان دیکھا تو پہلے افہام و تفہیم کا دروازہ کھولا، اپنے حقوق بتلائے۔ اور اپنی اطاعت کی طرف دعوت دی۔ لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ تو آپ نے صلح فرمائی۔

افسوس سرکار امام حسنؑ کی اس خاموشی کو کمزوری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مگر

ہم کہیں یہ جنگ خاموشی جوابِ جنگ ہوتی ہے

تاریخ اسلام کے قاری سے یہ بات مخفی نہیں کہ امام حسنؑ، پروردہ کنار بتولؑ، سوار دوشِ رسولؐ، جمال و کمال اور سیرت و کردار میں اپنے نانا محمد مصطفیٰ کی بولتی تصویر تھے۔ خلق و مروت، صلح جوئی آپ

---

[1] سپرٹ آف اسلام "SPIRIT OF ISLAM"

کو ورثہ میں ملی تھی تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کی موجودگی میں موت کی دیوی خونی چادر اوڑھ کر مدینے کے گلی کوچوں میں رقص کرتی ۔ اسی مفہوم کو تو علامہ مرحوم نے ایک شعر میں یوں ادا کیا ہے :-

تا نشیند آتشِ پیکار و کیں

پشت پا زد بر سرِ تاج و نگیں اسرار و رموز صفحہ ۱

ہزار ہا سلام اس پیغمبر امن و سلامتی پر اور درود لامحدود اس شہزادۂ گلگوں قبا حسن مجتبیٰ پر کہ جس نے اپنے پدر بزرگوار حیدرِ کرار کی طرح حکومت کو پرِ مگس کے برابر بھی وقعت نہ دی ۔ بلکہ تاج و تخت شاہی کو نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا ۔ جنگ و جدال کی آگ سے مسلمانوں کو محفوظ کر دیا ۔

تاریخ اسلام کے حصہ اوّل صفحہ ۳۰ پر امام حسن کا یہ فرمان بھی ملتا ہے ۔

"اے لوگو! یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہ کے مابین متنازعہ فیہ ہے ۔ یا وہ اس کے واقعی حقدار ہیں یا میں ہوں ۔ دونوں صورتوں میں ، میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خوں ریزی سے بچنے کے لئے اس سے دست بردار ہوتا ہوں ۔"

اسی مقام پر پہنچ کر علامہ نجم آفندی کا یہ شعر یاد آتا ہے :-

تو نے اس تختِ حکومت کو لگا دی ٹھوکر !

خونِ انساں ہی سدا جس کی بلندی سے گرا نجم آفندی

لیکن کیا کہنا اے تسلیم امامت کے دوسرے تاجدار ، دلبندِ حیدرِ کرار تیری حکمت و دانائی کے کہ تو نے مقام صلح میں رہ کر میمیری کی ہے ۔ جہاں آپ کی خاموشی میں رازِ الٰہی مضمر تھا وہیں یہ ایک انقلاب عظیم کی تمہید بھی تھا ۔ یہی خاموشی آگے چل کر آوازِ حسین بنی ۔ ہاں !

تھا سکوتِ عہدِ شبّر وجہ آوازِ حسین

یہ خموشی بھی ضروری تھی صدا کے واسطے

اور پھر آپ نے دیکھا کہ سلام اللہ علیہ کو حسنؑ کی خاموشی کربلا میں کیسے آوازِ حسین بن کر ابھری ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ

القرآن الحکیم

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسماعیلؑ

علامہ اقبالؒ

ہر کہ پیمان با ھُوَ الموجود بست

گردنش از بند ہر معبود رست		اسرار و رموز ص ۱۲۵

وہ کہ جس نے خالق کائنات سے عہد و پیمان باندھا اور اسے حاضر و ناظر جانا اسی کی گردن غیر از خدا کی گرفت سے نجات پا گئی۔ اس میں کلام نہیں کہ اقرار توحید کے بعد انسان کا تعلق غیر اللہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی رضا، رضائے الٰہی کی پابند ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہر وقت حصول منشائے ایزدی کے لئے سرگرم عمل رہتا ہے۔

مومن از عشق است و عشق از مومن است

عشق را ناممکن ما ممکن است		اسرار و رموز ص ۱۲۵

اقبالؔ کے ہاں عقل، عشق، خودی، فقر اور بندۂ مومن (مردِ مومن) وہ عنوانات ہیں جن کے گرد علامہ کا فلسفۂ فکر گردش کرتا ہے۔ یہی وہ موضوعات ہیں جن کی وجہ سے ان کا کلام، پیام اور نام زندہ و پائندہ ہے اور رہے گا۔ علامہ صاحب نے اس شعر میں وجودِ مومن کی بقا کا فلسفہ پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک عشقِ حقیقی مردِ مومن کی بقا کا ضامن ہے۔ اور عشق کو دوام و قیام بندہ مومن سے ہے۔ یعنی عشق اور مومن، لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لئے مصرعہ ثانی میں فرماتے ہیں کہ عشق میں ہر ناممکن بھی ممکن ہو جایا کرتا ہے۔ مگر شرطِ مومنیت اوّل ہے۔ کافر اور مومن کی پہچان علامہ صاحب کے اس شعر سے بخوبی کی جا سکتی ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

حقیقت بھی یہی ہے کہ کافر دنیا میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے برعکس مومن کی شان بقول علامہ مرحوم یہ ہے کہ وہ دنیا میں گم نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ وہ گہرا سمندر ہے کہ دنیائے دوں اس میں گم ہو جاتی ہے۔

عشق صید از زورِ بازو افگند

عقل مکار است و دامے می زند		اسرار و رموز ص ۱۲۵

یہ عزت تو خدائے بزرگ و برتر نے صرف عشق کو ہی بخشی ہے۔ کہ وہ اپنے قوت بازو سے شکار کرتا ہے۔

عقل سفاک است اُو سفاک تر

پاک تر چالاک تر بیباک تر — اسرار و رموز ص۱۲۵

عقل ظالم ہے، خون بہانے والی ہے اور وہ (عشق) اس سے کہیں بڑھ کر، مگر وہ سفاکی کے میدان میں زیادہ پاک صاف، زیادہ ہشیار اور بہت نڈر ہے۔ اسی لئے تو!

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

عقل تھی محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!!!

دیکھا آپ نے عشق کی پھرتی اور بے خوفی کو کہ عقل سوچتی ہی رہ گئی اور عشق ایک ہی جست میں تمام کٹھن مراحل طے کر گیا۔

آں کند تعمیر تا ویراں کند

ایں کند ویراں کہ آباداں کند — اسرار و رموز ص۱۲۶

وہ (عقل) جو کچھ بھی تعمیر کرتی ہے وہ نقش بے ثبات ثابت ہوتا ہے۔ اس کی تعمیر میں تباہی و بربادی کا عنصر ہوتا ہے۔ اور یہ (عشق) جو ویران کرتا جاتا ہے اس کی ویرانی کے پردے میں لازوال بستیاں جنم لیتی ہیں۔ اس کی ایک مثال واقعہ کربلا سے پیش کی جا سکتی ہے۔ کہ یزید نے جو عقل کا غلام تھا، عشق کے امام، حسین علیہ السلام سے برسرِ پیکار ہوا۔

نتیجہ صاف ظاہر، ضرورت کیا حوالوں کی

حسینؑ راہِ خدا میں قتل کر دیئے گئے، ظاہری فتح یزید کو ہوئی مگر بقائے دوام حسین علیہ السلام کے حصہ میں آئی۔ آپ لائقِ درود و سلام ٹھہرے۔ یزید تو یزید، یزید کا نام تک داخلِ دشنام ہو گیا۔ اور دنیا نے بچشم خود دیکھ لیا کہ یزید صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا اور حسینؑ علیہ السلام آج بھی زندہ ہے، پائندہ ہے۔ اور رہے گا۔ یزید کی تعمیر میں ہی خرابی مضمر تھی اور حسین کو آج بھی امامِ عاشقاں مانا جاتا ہے۔

عقل چوں باد است ارزاں در جہاں

عشق کمیاب و بہائے اُو گراں — اسرار و رموز ص۱۲۶

عقل ہوا کی طرح عام ہے اور ارزاں بھی۔ مگر عشق نہ تو ہوا کی طرح عام ہے اور نہ قیمتاً خرید کیا جا سکتا ہے۔ یہ جتنا کمیاب ہے اتنا ہی گراں بہا بھی ہے۔

عقل محکم از اساسِ چون و چند
عشق عریاں از لباسِ چون و چند — اسرار و رموز ص ۱۲۶

عقل چون و چند کی بنیاد سے مضبوط و مستحکم ہے۔ اور عشق چون و چند کے لباس عریاں دکھائی دیتا ہے۔ اسے چون و چند کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ اقبال کے اسی فکری فلسفے کو ان کے پیش رو مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ نے کہیں یوں بیان کیا ہے۔

شوق ہر رنگ میں رقیبِ سر و ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا! — غالبؔ

یہاں شوق بمعنی عشق استعمال ہوا ہے۔ قیس عامری، چونکہ رہ روِ منزلِ عشق تھا۔ اس لئے بے نیازِ سر و ساماں رہا۔ عشق ہر شے سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اور مستِ الست رہتا ہے۔ یاد رہے قیس کا عشق مجازی تھا مگر اقبال جب عشق کی بات چھیڑتا ہے وہ عشقِ حقیقی ہے۔

عقل مے گوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحانِ خویش کن — اسرار و رموز ص ۱۲۶

عقل کہتی ہے کہ خود کو پیش کر! مگر عشق کہتا ہے کہ اپنا امتحان کر۔

عقل گوید شاد شو آباد شو
عشق گوید بندۂ آزاد شو — اسرار و رموز ص ۱۲۶

عقل انسان کو خوش و خرم اور شاد و آباد رہنے کا مشورہ دیتی ہے لیکن عشق انسان کو انسان بننے اور آزاد رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

عشق را آرام جانِ حرّیت است
ناقہ اش را ساربانِ حرّیت است — اسرار و رموز ص ۱۲۶

عشق کے لئے وجہ سکون و آرام اگر کوئی چیز ہے تو وہ حریت ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ناقہ کا ساربان بھی حریت ہے۔

آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد
عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد
اسرار و رموز ص۱۲۶

کیا وہ بھی تو نے سنا کہ لڑائی کے وقت عشق نے ہوس پرور عقل کے ساتھ کیا کچھ کیا۔ آؤ تمہیں سنائیں!

آں امام عاشقاں پور بتولؓ
سرو آزادے ز بستان رسولؐ
اسرار و رموز ص۱۲۶

علامہ صاحب نے عقل و عشق کی گتھیاں سلجھانے کے بعد نہایت اچھے رخ سے گریز کرتے ہوئے اس شعر سے سرکار سید الشہداء امام عالی مقام حسین علیہ السلام کی مدح و ثنا کا سلسلہ شروع کیا ہے۔
وہ (حسینؑ) جو سرگروہِ عاشقانِ حق کے امام برحق ہیں وہی جو فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فرزند و علی المرتضیٰ کے جگر بند ہیں۔ ہاں! ہاں! وہی جو سرکار ختمی مرتبت حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گلشن کے آزاد سرو ہیں۔ گویا ریحان جان مصطفےٰ ہیں۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ
بال جبریل ص۹۳

حقیقت یہ ہے کہ شعر اپنے صوری و معنوی اعتبار سے عام فہم ہے۔ اور زبان و بیان کے لحاظ سے نہایت سیدھا، سادہ اور سلیس ہے۔ لیکن اگر اس کے پس منظر میں نہایت عمیق نظر سے جھانکا جائے پھر عقل کی کسوٹی اور فکر کی اساس پر، پرکھا جائے تو بلاشک و شبہ بیت اللہ کی کہانی یعنی "داستانِ حرم" نہایت ہی عجیب دکھائی دیتی ہے۔ مگر اپنی سادگی کے باوجود رنگین اور جاذبیت کے اعتبار سے آخری نقطۂ عروج پر نظر آتی ہے۔ دلچسپی کا یہ عالم کہ صدہا سال گزرنے کے باوجود آج بھی لوگ بڑے انہماک کے ساتھ خواب ابراہیمؑ، قربانی اسمٰعیلؑ اور اس کی تعبیر شہادت سرکار سید الشہداء کا ذکر سنتے ہیں۔

علامہ صاحب نے اس شعر میں تاریخ کے ایک اہم باب کو جو مسلسل و منظم ہے نظم کیا ہے۔ جس کی ابتدا خواب ابراہیمؑ، قربانی اسمٰعیلؑ سے ہے۔ اور اس داستان کی انتہا مظلوم کربلا، سید الشہداء امام حسین علیہ السلام پر آن

کرختم ہے ۔ قرآن پاک میں اس کی تفصیل سورۂ صٰفّٰت میں یوں بیان کی گئی ہے ۔

[1]
قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ
مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُـؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ
اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○

ترجمہ: تو ابراہیمؑ نے کہا بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں خود اپنے ہاتھ تمہیں ذبح کر رہا ہوں ۔ تو تم بھی غور کرو تمہاری کیا رائے ہے ۔ اسماعیلؑ نے کہا کہ ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے اس کو بے تامل کر گزریئے اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیے گا ۔

مولانا فرمان علی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ اس کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں :۔

انبیاء کو خدائی احکام چند طرح سے پہنچتے ہیں ۔ کبھی الہام سے ، کبھی آواز غیبی سے کبھی خواب سے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم خواب ہی میں ہوا تھا ۔ اور اسماعیلؑ کا سن اس وقت تیرہ برس کا تھا ۔ چونکہ نبی پیدائش سے ہی نبی ہوتا ہے ۔ حضرت اسماعیلؑ نے سمجھ لیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں خدائی پیغام پہنچا ہے ۔ اسی لئے باپ کو فرمایا ۔ یابت افعل ما تومر اور پھر قربانی کے وقت بھی پیغمبرانہ صبر و استقلال دکھلایا ۔

اسی مقام پر پہنچ کر تو شاعر مشرق نے کیا خوب کہا

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

علامہ یہاں چوک گئے ۔ نہ یہ فیضانِ نظر تھا اور نہ مکتب کی کرامت تھی بلکہ یہ تو نبی بیٹے اور نبی باپ کی پیغمبرانہ فراست و حکمت تھی ۔

---

[1] سورۂ صٰفّٰت ۳۷ (القرآن الحکیم)

جس داستان کی ابتداء خواب براہیم اور قربانی اسماعیل سے ہوئی تھی، اس کی انتہا، میدان کربلا، دشت نینوا میں ۶۱ ہجری کو امام عالیمقام حسین علیہ السلام نے اپنی قربانی سے پایۂ تکمیل کو پہنچائی اور فرمانِ الٰہی کو سچ کر دکھایا۔ انہی تاریخی حقائق کی روشنی میں علامہ صاحب نے "داستان حرم" کو غریب و سادہ و رنگیں قرار دیا اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ اسلام کا وہ سنہرا باب جس کی ابتدا جناب ابراہیم نے نہایت سادگی کے ساتھ قربانی اسماعیل سے کی تھی، اس کی انتہا انہی کی ذرّیت سے جناب امام حسین علیہ السلام نے اپنی قربانی سے پیش کر کے تاریخ اسلام کا رنگین باب کربلا کی خاک پر جلی حروف میں لکھ کر اسلام کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔ انہی حقائق کو آگے چل کر علامہ صاحب نے ایک شعر میں ایک اور رخ سے یوں پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر

معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر ! اسرار و رموز ص۱۲۶

اللہ اللہ وہ کلمۂ تحسین و آفرین ہے جو مرحبا، حبذا اور شاباش کے معنوں میں آتا ہے، اس کا لطف اہل زبان خوب اٹھاتے ہیں۔ اور یہ لفظ (اللہ اللہ) اس وقت اور بھی حسن و رعنائی میں بڑھ جاتا ہے جب شاعر اپنے کسی شعر کا آغاز لفظ اللہ اللہ سے کرتا ہے جیسا کہ علامہ صاحب نے اس شعر کے ابتدا میں استعمال کیا ہے۔

جناب ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب امیر المومنین، علی ابن ابی طالب ایک شب بسم اللہ کی تفسیر بیان کر رہے تھے۔ تمام اصحاب ہمہ تن گوش باب مدینۃ العلم کے فضل و کمال سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کہ رات بیت گئی، مگر تفسیر ناتمام رہی، آخر آپؑ نے فرمایا کہ اگر ہم اس کی تفسیر کلی طور پر بیان کریں۔ تو اس کا بوجھ ستر اونٹ نہیں اٹھا سکتے، اسی واقعے کو شیخ سلیمان قندوزی نقشبندی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب میں

"امیر المومنین فرماتے ہیں کہ جو کچھ کلام اللہ ہے وہ سورہ الحمد (فاتحہ) میں ہے۔ اور جو کچھ سورہ الحمد (فاتحہ) میں ہے وہ بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے اور جو بائے بسم اللہ

ہ ینابیع المودۃ

میں ہے وہ "ب" کے اس نقطے میں ہے جو اس کے نیچے ہے۔ "آور زیا"
کے نیچے کا وہ نقطہ میں (علیؑ) ہوں۔"

اللہ اللہ جہاں مصرعہ اولیٰ میں علامہ صاحب نے علی ابن ابی طالب کے ارشاد کو نظم کیا ہے وہیں اس شعر کے مصرعہ ثانی میں کلام اللہ کی اس آیت کی تشریح و توضیح نہایت اجمال کے ساتھ بہت ہی خوبصورتی سے نظم کی ہے جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب تین بار جبریل امین نے آکر چھری کو حلق اسماعیلؑ سے پلٹ دیا تو آواز قدرت آئی۔ اے ابراہیم تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اب ہم تم دونوں (باپ بیٹے) کو اعلیٰ مراتب سے سرفراز فرمائیں گے۔ اس لئے کہ ہم نیکی کرنے والوں کو جزائے خیر دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ یقیناً بڑا کڑا امتحان تھا اور ہم نے اسماعیلؑ کی قربانی کا فدیہ ایک ذبح عظیم سے بدل ڈالا ہے۔

افسوس کہ کم نظر مفسرین نے اس واضح ارشاد خداوندی وفدینٰہ بذبح عظیم سے مراد وہ موٹا تازہ دنبہ لیا ہے جو بہشت سے جناب اسماعیل کی جگہ آیا۔ مگر صاحب یہ انسان سے افضل نہیں چہ جائیکہ نبی و امام سے بڑھ جائے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا کہ قربانی اسماعیل سے اس بہشتی دنبے کی قربانی عظیم ہو جو جناب اسماعیل کی جگہ آیا۔ تو ماننا پڑے گا کہ ذبح عظیم کے مصداق حسین علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات ہے جو

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است

پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است — اسرار و رموز ص۱۲۷

حسینؑ حق کی خاطر، اپنے عزیزوں اور مٹھی بھر جانثاروں کے ساتھ باطل سے ٹکرا گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ یزید اپنی پوری طاقت کے ساتھ شراب و کباب اور شباب کے نشہ میں چور حق سے برسر پیکار رہا۔ اس نے اسلام کے خدوخال کو مسخ کرنے کی سعی لاحاصل کی، اس نے اقدار اسلامیہ کو پامال کرنے کی بھی جسارت کی، اس نے شریعت محمدیہ کا کھلے بندوں مذاق بھی اڑایا۔ ہمارے اس بیان پر واقعہ حرّہ بطور دلیل تاریخ میں آج بھی موجود ہے۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ توحید و رسالت کے خلاف علم بغاوت

۱؎ انا نقطہ تحت الباء

۲؎ یا ابراھیم قد صدقت الرویا انا کذالک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین وفدینٰہ بذبح عظیم ٥ (سورہ الصّفّت ۳۷)

بلند کرتا ہوا۔ طاقت کو حق کہتا ہے۔ اس کے برعکس جگر گوشۂ رسولؐ پروردۂ کنارِ بتولؑ بپے حفاظتِ حق آوازۂ حق بلند کرتا ہے۔ اور یزید کے اس نعرہ کو باطل قرار دیتا ہے کہ طاقت حق ہے۔ نہیں نہیں ہرگز طاقت حق نہیں بلکہ حق طاقت ہے۔ یہ منوانے کے لئے حسینؑ کفن بر دوش سرفروش ساتھیوں کے ساتھ اٹھے۔ اور باطل سے ٹکرا گئے۔

تاریخِ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ فتح و نصرت نے حسینؑ علیہ السلام کے قدم چومے اور شکست دائمی یزید نجس کا مقدر بن گئی۔ اللہ اللہ حسینؑ نے خاک و خون کا دریا پاٹ کر صفحۂ گیتی پر حرف الا اللہ کی وہ مستحکم بنیاد رکھ دی کہ جسے اب تا بہ قیامت کفر و الحاد و زندقہ کی منہ زور آندھی نہ ہلا سکتی ہے اور نہ ہی مٹا سکتی ہے۔ امام عالیمقام حسین علیہ السلام نے تاریخ اسلام کے اس اہم باب کا اختتام اپنی قربانی سے کر دیا جس کی ابتدا خوابِ ابراہیم اور قربانی جناب اسماعیلؑ سے ہوئی تھی۔ یہی وہ باب ہے جسے اقبال نے غریب و سادہ و رنگیں قرار دیا۔ تاریخ کے قاری سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس غریب و سادہ CHAPTER میں یہ بلا کی رنگینی، قربانی سبطِ رسولؐ امامؑ سے معرضِ وجود میں آئی۔ اسی لئے تو شاعرِ مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ کو کہنا پڑا۔

سرخروُ عشقِ غیور از خونِ او

شوخیٔ ایں مصرع از مضمونِ او اسرار و رموز ص۱۲۷

کہ حسینؑ (نمائندۂ حق) نے برائے حرمتِ حق سر دھڑ کی بازی لگا کر حق کا بول بالا اور باطل کا منہ ہمیشہ کے لئے کالا کر گیا۔ قسم ذاتِ احدیت کی عشقِ غیور کی آبرو کا محافظ وہی ہے۔

سر دے کے جس نے غیرتِ اسلام بچالی

اور آج اسلام اہلِ عالم کی نظروں میں معزز و موقر اسی لئے ٹھہرتا ہے کہ اس کی پیشانی پر جلی حروف میں یا حسینؑ لکھا ہے۔ اور یہی وہ نام ہے جو عشق کے مضمون کا عنوان قرار پاتا ہے۔ اسی سے عشقِ غیور کو سرخروئی کا تاج ملا اور انسانیت کو معراج نصیب ہوئی۔ یہی اقبال کے نزدیک عشق کے مضمون کی سرخئ شوخ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر امام عالیمقام اس دورِ پُر آشوب میں جب کہ باطل اپنی طاقت کے زعم میں حق کو ملیامیٹ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ آوازۂ حق بلند نہ کرتے تو اسلام کے نقوش دھندلا کر رہ جاتے ہیں، توحید کا سبق یکسر دل و دماغ سے محو ہو جاتا۔ اور محمدؐ رسول اللہ کہنے والا کوئی نہ ہوتا۔ حتیٰ کہ گلدستہ اذان سے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

کی صدائے بازگشت بھی کبھی سنائی نہ دیتی ۔ اس حقیقت کا نقشہ دورِ حاضر کا ممتاز مرثیہ گو شاعر، شاعرِ حسینیت حضرت قیصر بارہوی نے اپنے مخصوص اندازِ فکر سے یوں ان چار مصرعوں میں کھینچتا ہے ۔ ملاحظہ ہو !

اے کلمہ گو بتا کہ ہوا کارساز کون

گذرا ہے برچھیوں میں عبادت نواز کون

مسجد کے سامنے تجھے ماتم ہے ناگوار !

دیتے نہ سر حسینؑ تو پڑھتا نماز کون　　　قیصر بارہوی

اس میں شک نہیں کہ اگر حسینؑ اپنی اپنے عزیزوں اور یار و انصار کی قربانیاں راہِ خدا میں نہ دیتے تو یقیناً یہی ہوتا ۔ جس کی نشاندہی شاعرِ حسینیت نے چوتھے مصرعہ میں کی ہے ۔

یہ تو حسینؑ نے جہاں اپنی قربانی دے کر اللہ تعالیٰ کے وعدے وفدینٰہ بذبح عظیم کی گواہی دی ہے وہیں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس بلند بانگ دعوے الحسین منی وانا من الحسین کی صداقت کو الم نشرح کر دکھایا ۔

اگر سرکار سید الشہداء راہِ خدا میں قربانیاں پیش نہ کرتے تو کیا ہوتا ؟

؏　اسلام کا ماتم ہو جاتا

اور پھر کفر و الحاد و زندیقیت چنگھاڑتی دھاڑتی پھرتی اور وہ حضرت انسان جسکو حضورؐ ختمی مرتبت نے اندھیرے سے روشنی میں چلنے کا شعور اور کھلی فضا میں سانس لینے اور جینے کی صلاحیت بخشی تھی، پھر اسی قعرِ مذلت میں جا گرتا۔ جہاں سے نکلنا اس کے بس سے باہر ہوتا ۔ اور آخر کار یہی انسان کا مفقوم اس کے لئے زہر ہلاہل ہوتا ۔

زندہ حق از قوتِ شبیری است

باطل آخر داغِ حسرت میری است　　　اسرار و رموز صفحہ ۱۲۴

علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ حق ! آج زندہ و پائندہ اگر ہے تو یہ سرکار امام حسین علیہ السلام کی بدولت ہی تو ہے ۔ حسینؑ حق کی طاقتِ لازوال کا نام ہے ۔ جو مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ کفر و الحاد کی منہ زور آندھی میں اپنے لہو سے چراغِ حریت روشن کر کے انسان کو راہِ حقیقت دکھا گئے ۔ اور باطل (یزید) جو طاقت کو حق کا نام دیتا تھا اور طاقت ہی کے زعم میں تو اس نے حق کے نمائندے (حسینؑ) سے بیعت طلب کی تھی لیکن

حسینؑ نے تائید الٰہی، عزم راسخ اور یقین محکم کی بدولت

بیعت کے طلبگار سے بیعت لے لی

باطل (یزید) اسی لئے تو نامراد ٹھہرا کہ وہ طاقت کو ہی سب کچھ سمجھتا تھا اور یہی اس کی بھول تھی۔ جس نے اسے ذلیل و رسوا کیا۔ مگر اس کے برعکس حق کے نمائندے (حسینؑ) کو ایک شاعر یوں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

بس ایک بات جدھر سے گذر گئے شبیرؑ

نظر میں چڑھ گئے، دل میں اُتر گئے شبیرؑ — ظفر شارب

قسم خدا کی ہوا بھی یہی کہ یزید نحس اہل عالم کی نظروں سے گر گیا اور حسینؑ دلوں میں بس گئے۔

تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید

از رگ ارباب باطل خوں کشید

ادھر شب عاشور ڈھلی اور ادھر صبح عاشور کا رنگین باب کھلا۔ حسین نے نفی ماسوا کی تیغ براں کے چہرے سے نقاب الٹا ادھر تیغ حق لہرا کے 'بل کھاکے اُٹھی'! اُدھر باطل کی صفوں میں خوف وہراس کی لہر دوڑ گئی۔ باطل اب چاہتا یہ تھا کہ راہ فرار اختیار کی جائے۔ مگر اب یہ اس کے بس سے باہر تھا "لا" کی تیغ حق کی تائید میں باطل کے خلاف کھینچی، ایک نعرۂ تکبیر بلند ہوا اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ ابھی اللہ اکبر کی "ر" پوری طرح ادا بھی نہ ہوئی تھی کہ کفر والحاد و زندیقیت کی خوفناک دیوی چشم زدن میں زمین پر آن پڑی، باطل کے ہوش وحواس جاتے رہے۔ اور اس کا یہ گمان کہ بس طاقت ہی سب کچھ ہے، یہ خیال باطل، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حسینؑ نے باطل قرار دے دیا اور بتائید حق منوالیا کہ حق ہی طاقت کا اصل سرچشمہ ہے۔ یہی وہ فلسفہ ہے جو آج تک یزیدیت اور حسینیت کے مابین وجہ امتیاز چلا آرہا ہے۔ امام عالیمقام نے اپنے کردار سے ثابت کر دیا کہ حق کے بندے باطل کے سامنے اعلائے کلمۃ الحق کہتے ہوئے ہرگز نہیں گھبراتے۔ اور نہ ہی کبھی باطل کے سامنے جھکتے ہیں بلکہ ان کا سر تو جب جھکے گا تو وہ وحدہ لاشریک کے آگے ہی جھکے گا۔ جس کا عملی ثبوت حسین نے روز عاشور پیش کر دیا۔ اللہ اللہ حسین علیہ السلام نے کس خوبصورتی سے نشۂ نخوت و تکبر میں بدمست یزید نحس اور اس کے بہی خواہوں کے دلوں سے دھڑکن چھین لی۔ نبض حیات کو حرکت خاموش کر دی! اور شریانوں سے لہو سلب کر لیا۔ اسی مقام پر پہنچ کر تو شاعر مشرق کو کہنا پڑا

تا قیامت قطعِ استبداد کرد !

موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد !!! رموزِ بیخودی صـ ۱۳۶

اللہ اکبر! امام عالیمقام، سبطِ رسول انام، حسین علیہ السلام نے تیغ "لا" کی ایک ہی ضرب کاری سے قیامت تک کے لئے بازارِ ظلم و ستم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر دیا۔ استبدادیت کا قلع قمع کر ڈالا اور اسلام کے پژمردہ چمن کی آبیاری اپنے خون سے یوں کی کہ گلشنِ اسلام لہلہا اٹھا، بادِ بہاری اٹھکھیلیاں کرنے لگی، انسانیت نے کھلی فضا میں سانس لینا شروع کر دیا۔ گھٹن دور ہوئی، بلاشبہ حسینؑ نے راہِ حق و صداقت میں جان کی بازی لگا کر استبداد کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اب تا بہ قیامت باطل پنپ نہیں سکتا۔

نقشِ اِلّا اللہ بر صحرا نوشت

سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

جب "لا" کی تیغ سے اربابِ باطل کو فنا کر چکے تو نقشِ اِلّا اللہ کی مستحکم بنیاد رکھنے کے لئے، بڑھے اور اپنے خون سے جلی حروف میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، صفحۂ گیتی پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نقش کر گئے اور یہی وہ نقش ہے جو منزلِ عرفان و آگہی کا پتہ دیتا ہے، یہیں سے صراطِ مستقیم ملتی ہے۔ یہی خاکِ کربلا پر خونِ حسینؑ سے لکھا ہوا نقشِ اِلّا اللہ، اقبال کے نزدیک اس کی اور امتِ مسلمہ کی بخشش کا واحد ذریعہ ہے۔ حسینؑ نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جان کی بازی لگا دی مگر غیر از خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کیا۔ اور یہی مردانِ حق کا روزِ ازل سے شیوہ رہا ہے۔

بہرِ آں شہزادۂ خیر الملل

دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل

رموزِ بیخودی صـ ۱۳۶

شاعرِ مشرق کے اس شعر کو اگر تاریخِ اسلام کی روشنی میں نہایت عمیق نظر سے پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علامہ صاحب کے اس شعر کی پشت پر تاریخِ اسلام کے دو اہم واقعے موجود ہیں۔ جن کو معتبر محدثین نے یکے بعد دیگرے اپنے ہاں کتبِ احادیث میں تواتر سے نقل کیا ہے۔ پہلا واقعہ جو اس شعر میں علامہ موصوف نے نہایت عمدگی

سے نظم کیا ہے وہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کی آخری تاریخ ہے، عید کی آمد آمد ہے، مدینے کے در و بام پہ چڑھے، لوگ سرِ شام ہی سوئے آسمان نظریں جمائے کھڑے ہیں کہ اچانک عید کا چاند نمودار ہوا۔ مبارک مبارک کی گونج سے مدینے کی خاموش فضا بیدار ہوئی، بچے مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے، کہ صبح کو عید ہو گی ——— نئے نئے کپڑے پہنیں گے، بزرگوں کی انگلی تھام کر عید گاہ میں نماز عید کو جائیں گے۔ کچھ ایسے ہی تاثرات حسنین شریفین کے بھی تھے۔

عید کا چاند دیکھا، دوڑے دوڑے مادرِ گرامی، لائقِ سلامی کی خدمت میں حاضر ہوئے، سلام کیا،

جواب میں فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اَن گنت دعائیں دیں۔

امام حسینؑ نے نہایت پیار بھرے لہجے میں عرض کی،

مادرِ گرامی! صبح عید ہے۔

جناب فاطمہؑ ——— ہاں میرے لال کہو، کیا بات ہے۔

امام حسینؑ ——— صبح کو سب بچے نئے نئے کپڑے پہنیں گے۔ ——— تو کیا ہمیں نئے ——— کپڑے نہ پہناؤ گی۔

جناب فاطمہؑ ——— کیوں نہیں ——— ضرور پہناؤں گی۔

امام حسینؑ ——— تو ہمارے کپڑے ہیں کہاں؟

جناب فاطمہؑ ——— تمہارے کپڑے ——— درزی کے پاس ہیں۔

بس یہ سننا تھا کہ بچوں کو یقین آگیا ——— وہ اس لئے کہ ماں ——— صدیقۃ الکبریٰ ہے۔

ادھر کنیزِ خدا فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہونے کی دیر تھی، ادھر رضوانِ جنت کو حکم ہوا فوراً حسنؑ و حسینؑ کے لئے کپڑے تیار کرو اور درِ بتول پر حسنؑ و حسینؑ کے درزی کی حیثیت سے حاضری دو! تعمیل حکم ربِ جلیل میں ——— تاخیر کہاں ——— ادھر حکم ہوا ——— ادھر کپڑے تیار۔ رضوانِ جنت درزی بنا، اور فخر کے ساتھ شاداں شاداں ——— درِ بتول پر پہنچا، دستک دی، پوچھا گیا، کون ہے؟ جواب ملا[1] حسنؑ و حسین کا درزی ہوں۔ حسنین شریفین دوڑے دوڑے دروازے پر آئے، کپڑے لئے شاداں شاداں مادرِ گرامی کے پاس پہنچے۔ دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی پسند کا جوڑا انتخاب کیا۔ حسن نے سبز اور حسین نے سرخ جوڑا زیبِ تن

---

[1] انا خیاط الحسن والحسین

کیا ۔

جہاں پروردگار عالم کو حسنؑ و حسینؑ کی دلجوئی کا یہاں تک خیال ہوا تو یقینی امر ہے کہ اس کے حبیب اکرمؐ کو بھی اتنا پیار ہو ۔ دلیل کے طور پر رسالت مآب کا یہ بیان احادیث کی کتب میں ملتا ہے '

خداؐ اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ اسی واقعہ کا دوسرا اہم ٹکڑا وہ ہے جہاں رسول پاکؐ اپنے ان پیارے نواسوں کو دوش پر سوار کرکے ' اور وہ زلفیں بطور مہار پکڑا کر خراماں خراماں چلے ۔ راستے میں کسی صحابی نے دیکھا تو یاحسین نعم الجمل جملکؓ (یا حسین تمہاری سواری کتنی اچھی ہے !) حضورؐ نے فوراً جواب دیا نعم الراکبانؓ (سوار کو بھی تو دیکھو کیا عمدہ ہے)۔ آنحضرت کے یہ طریقے تھے حسین کو متعارف کرانے کے ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اسی شہزادہ خیر الرسل کے لئے ختم المرسلینؐ کے کندھے نعم الجمل بنے ۔

درمیانِ امتؔ آں کیواں جناب

ہمچو حرف قُل ھُوَ اللہ در کتاب رموز بیخودی صہ ۱۴۷

علامہ صاحب ' اس شعر سے حسین علیہ السلام کی باوقار شخصیت کا تعین کرتے ہوئے یہ بات باور کرانے کی سعی کررہے ہیں کو دیکھو جس طرح کتاب خدا ' (قرآن پاک) میں حرف قل ھو اللہ قرآن کریم کا مرکزی نقطہ ہے ۔ اسی طرح حسین علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات امت مسلمہ میں مرکزی حیثیت کی حامل ہے ۔ جسطرح سورۂ توحید سے کفر و شرک کی بیخ و بن اکھڑ جاتی ہے ۔ اسی طرح سرکار سید الشہداء بھی کفر و شرک کے قاطع ہیں جسطرح قرآن صامت میں سورۂ توحید ممتاز ہے اسی طرح قرآن ناطق سرکار امام حسین علیہ السلام کی شخصیت امت محمدی میں نمایاں و ممتاز دکھائی دیتی ہے ۔ سورۂ توحید قرآن پاک کی افادیت پر دلالت کرتی ہے اور حسینؑ کی ذات اسلام کی عظمت کا واضح نشان اور پوری انسانیت کے لئے منارۂ نور ہے

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید

این دو قوت از حیات آمد پدید رموز بیخودی صہ ۱۴۷

سیرۃ النبی جلد دوم صفحہ ۱

سورۂ قُل ھُوَ اللہ ہے کہ سورۂ توحید کہا جاتا ہے ۔

اس میں کلام نہیں کہ ابتدائے آفرینش ہی سے دو طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار نظر آتی ہیں۔ پہلی طاقت کا نام حق ہے اور دوسری کو باطل کہتے ہیں۔ حق، حق گوئی دیپاکی سے عبارت ہے اور جھوٹ وسفاکی سے باطل سے مشتق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ازل سے حق و باطل میں مسلسل ان بن چلی آرہی ہے اور یہ سلسلہ وہ ہے جو قیامت تک ختم نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ کہ حق باطل کی اور باطل حق کی ضد ہے۔ بقول حکماء ضدین کا یکجا ہونا امر محال ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔ جب ہم تاریخ انسانیت کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پہلا ٹکراؤ، جو حق اور باطل کے درمیان ہوا، حضرت آدم کے اس قصے میں بآسانی مل جاتا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو خلعت خلافت عطا کی اور ملائکہ کو حکم ہوا کہ جب میں اس میں روح پھونک دوں تو تم سب اس کو سجدہ بجالانا لہٰذا ایسا ہی ہوا الا ابلیس مگر ایک "شیطان رجیم" نے انکار کیا۔ یہ پہلا تصادم تھا جو حق و باطل کے درمیان ہوا۔ بعدازاں نسل آدم میں یہ سلسلہ بتدریج نیچے کی طرف اس ترتیب سے آتا چلا گیا کہ ہابیل اور قابیل آپس میں ٹکرائے۔ پھر نوحؑ کا اپنی قوم سے واسطہ پڑا۔ جناب ابراہیمؑ کا نمرود سے، جناب موسیٰؑ کا فرعون سے، جناب عیسیٰؑ کا قوم یہود سے، جناب ہاشم کا بنی امیہ سے، جناب عبدالمطلب کا حرب سے، یہاں تک کہ سید الانبیاء محمد مصطفیٰؐ کا ایک سے نہیں بلکہ تین سے واسطہ پڑا، یعنی ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان سے۔ اس کے بعد سرکار امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب کا زمانہ آیا تو ابوسفیان، معاویہ اور خوارج سے نبرد آزمائی رہی۔ آخرکار یہ سلسلہ امام عالیمقام حسین علیہ السلام تک پہنچا تو یزید ابن معاویہ اپنے باطل گروپ کی نمائندگی کرتے ہوئے حق کے نمائندے (امام حسینؑ) سے میدان کربلا میں نبرد آزما ہوا۔ باطل نے بھی کھل کر اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا اور یہ بات باور کرانے کی سعی لاحاصل کی کہ طاقت حق ہے، ادھر حسین علیہ السلام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پھر

بہر تعمیر لئے اصغرِ بے شیر کا خون

حق کی گرتی ہوئی دیوار کی جانب لپکے

سکندر سہراب

ہاں تو پھر چشمِ عالم نے دیکھا کہ طاقت کو حق کہنے والا اور اس کے بہی خواہ کیسے ذلیل وخوار ہوئے۔ یہاں تک کہ یزید کا نام بھی داخلِ دشنام ہوگا اور حق کو طاقت کہنے والا اور اس کے سرفروش ساتھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بقا پاگئے۔ علامہ موصوف کے شعر کی روشنی میں ہماری فکر یہاں تک پہنچتی ہے کہ حق و باطل کا ایک دوسرے سے ٹکراؤ ایک لازمی امر ہے۔ اور یہ وہ لامتناہی سلسلہ ہے جس کا آخری سرا روز قیامت سے جا ملتا ہے۔ تبھی تو علامہ صاحب نے یہ آفاقی پیغام اپنے آفاقی اشعار میں مختلف زاویوں سے پیش کیا۔ مثلاً کبھی یہ کہا:۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز !!

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

پھر اسی آفاقی پیغام کو یہ کہہ کر مسلمانوں کو ان کی تاریخ کے اہم ابواب کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے

وہی فطرتِ اسداللّٰہی ، وہی مرحبی ، وہی عنتری

یہی علامہ صاحب کا فکر و فلسفہ ، انہیں اپنے دور کے ، اپنے سے پہلے اور آئندہ آنے والے شاعروں سے منفرد اور یگانہ روزگار رکھتا ہے ۔ اور رکھے گا۔

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت

حریت را زہر اندر کام ریخت   رموزِ بیخودی ص ۱۴۷

خالقِ کائنات ، عادل و منصف ہے ۔ وہ قادرِ مطلق ہے ۔ منصب خلافت وہ حسین شے ہے کہ جس کا نام ہی سن کر ملائکہ کے منہ میں پانی آگیا تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ جب خالقِ کائنات نے یہ کہا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں تو بیساختہ ملائکہ کے منہ سے یہی الفاظ نکلے کہ کیا ایسے کو یہ منصب خلافت دے گا جو زمین پر فتنہ و فساد اور خونریزی بپا کرے ۔ جواب ملتا ہے ، خاموش ! تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں ۔ بہرکیف یہ حق حق تعالیٰ نے اپنے ہی پاس محفوظ رکھا کہ انبیاء و مرسلین کی طرح ان کے وصیین (یعنی خلفاء) بھی وہ خود منتخب کرے اور ایسا روزِ ازل سے دستورِ قدرت رہا اور رہے گا تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ ہر نبی و مرسل کے وصی کا انتخاب تو ذات سبحان خود کرے اور اپنے آخری پیغامبر سید البشر محمد مصطفیٰ کے جانشین وصی یا خلیفہ کا اختیار عوام کو دے ۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا ۔ یہ قانونِ قدرت

---

۱ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرہ پ) کہ یقیناً میں سطح زمین پر خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں ۔

۲ قالوا اتجعل فیہا من یفسد فیہا و یسفک الدماء فرشتوں نے جواب دیا کیا تو اس میں ایسے کو مقرر کرے گا جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے (سفاک کرے) (ترجمہ و تفسیر لوامع القرآن از ضیغم اسلام علامہ مرزا احمد علی اعلی اللہ مقامہٗ)

۳ قال انی اعلم مالا تعلمون ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک میں خوب جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

یہ خونِ حسین علیہ السلام کا صدقہ ہے، اور اسی کی تاثیر ہے کہ بے آب وگیاہ صحرا رشکِ جنت دکھائی دیتا ہے۔ جہاں حسینؑ زمینِ کربلا پر ابرِ رحمت بن کر برسے۔ وہاں آپ بلکتے ہوئے اسلام، دم توڑتی شریعت اور سسکتی ہوئی انسانیت کے درد کا درماں ثابت ہوئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اسی نفسِ مضمون کو نظیری نے اپنے مخصوص اندازِ فکر میں یوں پیش کیا۔

گریز از صفِ ماہر کہ مردِ غوغا نیست

کے کہ کشتہ نشد از قبیلہ ما نیست

لائقِ صد تحسین و آفریں ہیں وہ شعراء کرام جنہوں نے بارگاہِ سید الشہداء میں اپنے گلہائے عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کی

مدعائش سلطنت بودے اگر

خود نکردے با چنیں ساماں سفر — رموزِ بیخودی ص۱۲۵

افسوس کہ ناانصاف مؤرخ نہایت دیدہ دلیری سے حقائق کا منہ چڑاتا رہا ہے اور تاریخ کے قاری کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کرتا رہا ہے اور اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ امام حسینؑ نے (نقلِ کفر، کفر نباشد) نعوذ باللہ یزید پر لشکر کشی کی تھی۔ جس کے نتیجے میں واقعۂ کربلا پیش آیا۔ تاریخ اسلام کے حروف ابجد سے نابلد مؤرخ جب یہ کہتا ہے کہ کربلا کی جنگ ایک سیاسی جنگ تھی جسمیں ملک گیری کا تصور کارفرما تھا تو وہ تاریخی حقائق کی ٹانگ توڑ دیتا ہے۔ اور جب وہ یہ کہتا ہے کہ جنگ کربلا عرب کے دو شہزادوں میں حصولِ اقتدار کے لئے لڑی گئی۔ جسمیں ایک غالب آیا، دوسرا مغلوب ہوا۔ یہاں وہ تاریخی حقائق سے روگردانی کرتا ہے اور صحیح واقعات پر دبیز سے دبیز پردے ڈالنے کی سعی کرتا ہے۔ ایسے خود ساختہ تاریخ دانوں اور ایسی ہی تاریخ سازی کرنے والوں کے لئے علامہ علیہ الرحمہ کا یہ شعر ایک چیلنج ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ سراسر غلط ہے، جھوٹ ہے اور فریب ہے کہ حسین علیہ السلام نے حصولِ سلطنت کے یا ہوسِ اقتدار کے لئے گھر چھوڑا۔ نہیں نہیں یہ تو حسینؑ ناسخ رسالت مآب میں جھوٹوں پر لعنت کرنے کے لئے گھر سے نکلے تھے، جیسے نبی اکرم قومِ نصاریٰ کے مقابل اپنے اہلِ بیت کو لیکر نکلے تھے، اسی طرح

نکلے ہیں گھر سے سبطِ پیمبرؐ اصول سے

اگر حسین علیہ السلام کو ہوس ملک گیری، خواہش تاج و تخت یا حصول اقتدار کی ہوس ہوتی تو وہ اپنے اتنے مختصر کر ۷۲ نفوس قدسیہ کے ساتھ وطن سے ہجرت نہ فرماتے اور نہ ہی سراپردۂ عصمت مخدرات طاہرہ کو اپنے ہمراہ لیتے۔ کیا کسی ملک پر چڑھائی کرنے کے یہی طور طریقے ہوتے ہیں جو امام عالیمقام نے اختیار کئے، اگر امام حسین کے لشکر پر نظر ڈالی جائے، تو کہیں ۱۲۰ سال کا بوڑھا مجاہد ہے تو کہیں ششماہا علی اصغر ہے۔ ہاں! ہاں! اگر امام عالیمقام کو لشکر کشی کرنا ہی مقصود ہوتی تو پھر فوج کی ترتیب یہ نہ ہوتی۔ بلکہ وہ مکہ مکرمہ سے شجاعانِ عرب اور دلیران بنی ہاشم کا ایک لشکر جرار لیکر یزید سے نبرد آزما ہوتے۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس دکھائی دیتی ہے۔

حسینؑ مدینے سے نکلے تو یہ بشارت دیتے ہوئے کہ میں شہادتِ کبریٰ الفت کی جانب جا رہا ہوں۔ امامت کے تقاضوں سے نابلد روکنے والوں نے بڑھ کر روکا بھی تو جواب وہی تھی جو قدرت نے کبھی ملائکہ کو دیا تھا۔ کہ خاموش! تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔ مزاج آشنائے مشیت یہ کہتے ہوئے کہ مجھے ایفائے عہد کرنا ہے۔ مکے سے چلے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے چلے۔ واردِ کربلا ہوئے تو ہر منزل پر اپنے مختصر مگر مستحکم ساتھیوں کو واپس لوٹ جانے کا مشورہ دیا۔ یہاں تک کہ شب عاشورہ حسین علیہ السلام نے شمع گل کر کے فرمایا کہ جو جانا چاہے وہ اس اندھیرے کے پردے میں جان بچا کر نکل جائے خیر!

بجھا تو دیں شب عاشور مشعلیں لیکن
چراغ ذہن کی لو تیز کر گئے شبیرؑ
ظفر شارب

اندھیرے کے ماتوں کو ایسی روشن ضمیری کی باتوں سے کیا تعلق؟ نابلد مورخین کو کیا پڑی ہے کہ وہ واقعات کے اس رخ پر بھی نظر ڈالیں۔ بہر کیف حقائق کی روشنی میں اگر واقعہ کربلا کے پس منظر میں عمیق نظر سے جھانکا جائے، تو یہ حقیقت ہے کہ حسین علیہ السلام نے مدینہ چھوڑا، مکے پہنچے، حج کے لئے احرام باندھا مگر عمرہ سے بدل دیا، اور اپنی منزل کی سمت گامزن ہو گئے، وہ اس لئے کہ امام عالی مقام کی دوررس نظروں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اگر میں حج کے لئے یہاں ٹھہرا تو یقیناً قتل کر دیا جاؤنگا اور حرمت کعبہ کو نقصان پہنچے گا۔

اچھا ہی کیا مظلوم کہ تم کعبے سے نکل آئے ورنہ
یہ امت خیموں کے بدلے کعبے کو آگ لگا دیتی

لہٰذا، حرمت کعبہ کے پیش نظر حسین علیہ السلام نے یہاں سے ہجرت اختیار کی، عین اس وقت جب کہ

حاجی اپنی اپنی قربانیاں لے کر میدانِ منیٰ میں جاتے ہیں ، امام عالی مقام اپنی بیش بہا قربانیاں لے کر منا ئے کربلا کی طرف چل دیئے ۔ لیکن افسوس کہ مؤرخین تعصب کی اندھی عینک چڑھا کر حسینؑ کی ذات ستودہ صفات کو ہدف تنقید بناتے ہیں اور یزید کی حمایت کرتے کرتے نہ جانے کیا سے کیا کہہ جاتے ہیں ۔ لیکن اس کے باوجود!

یزید نام سے نفرت ہے اہلِ عالم کو

خدارا عقل کے ناخن لو ، اور تعصب سے بالاتر ہو کر سوچو !

عزمِ اُو چوں کوہساراں اُستوار

پائیدار و تُند سیر و کامگار ! رموزِ بیخودی ۱۲۸

امامؑ عالیمقام کا عزم و استقلال ایک اعلیٰ مثال ہے کہ ان کا عزم کوہِ گراں کے مانند ، ان کے پائے استقلال کو دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہیں کر سکتی ، ہاں ! ہاں پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتے ہیں ۔ مگر ان کا اپنے مؤقف سے سَر مو ہٹنا ، امرِ محال ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہے ۔ امام حسین ، بات کے دھنی ، فیصلے کے اٹل اور ارادے کے مضبوط و مستحکم ثابت ہوئے ، یہی وجہ تھی کہ جب ایک بار بیعتِ فاسق و فاجر سے انکار کیا تو وہ انکار ہی رہا ۔ اقرار میں نہ بدل سکا ۔ یہاں تک کہ ظلم و جبر اور پیاس کی سخت ترین اذیت تو برداشت کر لی مگر غیر از خدا کے سامنے سر نہیں جھکایا ۔ اس مقام پر علامہ مرحوم کا یہ شعر حوالے کے طور پر پیش کر دیا جائے تو بات ذرا اور واضح ہو جائیگی ! فرماتے ہیں :-

ماسوَا اللہ را مسلماں بندہ نیست

پیشِ فرعونے سَرش افگندہ نیست

یہاں بندۂ مسلم سے مراد علامہ صاحب کی ہم ایسے خاکی و خاطی بندے نہیں ہیں بلکہ یہ شعر امام عالیمقام کی عظمت و بزرگی اور اَنا پر دلالت کرتا ہے ۔ مسلمان ہونا !

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

حسین علیہ السلام کا اپنے مؤقف پر ڈٹ جانا اور حق کی راہ میں کٹ مرنا ان کی کامیابی و کامرانی کی بین دلیل

ہے اور یہی فوز عظیم ہے

دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعداد

دوستاں او بہ یزداں ہم عدد

رموز بیخودی صفحہ ۱۴۷

سرکار سیدالشہداؑ کے دشمنوں کی تعداد، حد و حساب سے باہر، مختصر یہ کہ وہ ریگ صحرا کی طرح لاتعداد اور حسینؑ کے سرفروش کفن بر دوش ساتھیوں کی کل نفری بہتر افراد پر مشتمل تھی، اگر ہم نام "یزداں" کو حرف ابجد کے حساب سے جمع کریں۔ تو اس کا حاصل جمع کربلا کے سرفروش پرستارانِ حق کے ہم عدد ہوگا، مطلب یہ کہ حروف "یزداں" کا حاصل بحساب ابجد ۷۲ بنتا ہے۔ مثلاً

"یزداں" ن ا د ز ی

۷۲ = ۵۰ + ۱ + ۴ + ۷ + ۱۰

تاریخ اسلام کے ابجد سے بھی نابلد مؤرخین کے لئے، علامہ علیہ الرحمہ نے ابجد کا یہ حساب پیش کیا ہے۔ کہ خدا پرست حسینؑ اسقدر خدا دوست تھا کہ آپ نے اپنے دوستوں کی تعداد بھی ابجدی حساب سے (۷۲) یزداں کے ہم عدد رکھی، جن کے چراغ ذہن کی لو واقعۂ کربلا نے تیز کر رکھی ہو وہی یہ کچھ دیکھ سمجھ سکتے ہیں اور ایسی حساب دانی سے تاریخ کے "توڑ مروڑ" کی دھجیاں اڑا سکتے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ حسین علیہ السّلام کا اقدام، حق کا پیغام، اسلام کے تحفظ، دین کی بقا اور توحید و رسالت کی آبرو ثابت ہوا۔

سرِ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود

یعنی آں اجمال را تفصیل بود

رموز بیخودی صفحہ ۱۴۸

امام عالی مقام حسین علیہ السّلام سرِ اسماعیلؑ و ابراہیمؑ تھے۔ یعنی اس اجمال کی تفصیل تھے۔ مطلب یہ کہ حسینؑ نے اپنے جدّ بزرگوار حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا اور وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ کی تشریح توضیح اور تفسیر نہایت ہی جلی حروف میں خاکِ کربلا پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے خون سے تحریر کر دی جب ہم جناب ابراہیمؑ اسماعیلؑ کے واقعہ کو بنظر عمیق مطالعہ کرتے ہیں اور ادھر سرکار امام حسینؑ علیہ السّلام کے جذبۂ ایثار و قربانی کا ذکر سنتے ہیں، یا پڑھتے ہیں۔ تو پتہ چلتا ہے کہ میدانِ کربلا میں سیّد الشہداؑ نے اپنے جدّ اعلیٰ سیّدنا حضرت ابراہیمؑ کا کردار ادا کیا اور آپ کے فرزند سعید جناب علی اکبرؑ نے تاسیٔ جناب اسماعیلؑ میں سرِ تسلیم خم کیا۔ اس شعر میں علامہ علیہ الرحمہ کا اشارہ جناب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے اس جرأت مندانہ اقدام کی طرف ہے جو انہوں نے عشقِ الٰہی میں مقام منیٰ پر ادا کیا۔ اس خواب کی عملی تعبیر

جگر گوشۂ رسولؐ، فرزند علیؑ و بتولؑ نے قربانی جناب علی اکبر سے پیش کر دی،

رمز قرآں از حسینؑ آموختیم
ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

رموز بیخودی صفحہ ۱۲۸

امام حسین علیہ السلام کی باوقار شخصیت اپنی نظیر آپ ہے جسکو ہر دور میں دنیا کے عظیم راہنماؤں اور قائدین اقوام وملل نے خراج تحسین پیش کیا۔ علاوہ ازیں مفکرین عالم، مفسرین با تمکین، علماء مجتہدین اور صوفیائے کرام، اولیائے عظام، مردانِ حق آگاہ، قلندرانِ باصفا نے اپنے اپنے مخصوص اندازِ فکر میں سید الشہداء کے حضور اپنے اپنے گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔ مفکرین عالم نے حسینؑ سے تفکر و تدبر کا درس لیا۔ مفسرین با تمکین نے حسن تفسیر سیکھا۔ علماء و مجتہدین نے ایمان کی جان، رسالت کی شان قرار دیا، صوفیاء کرام اور اولیاء عظام نے

شاہ ہست حسینؑ، بادشاہ ہست حسینؑ، دین ہست حسینؑ، دین پناہ ہست حسینؑ

کا ترانہ گلبار گنگنایا، مردانِ حق آگاہ نے حسین سے حق گوئی و بیباکی کا سبق سیکھا، قلندرانِ باصفا نے عشق حقیقی میں فنا ہونے کا تصور حسینؑ ہی سے لیا اور جب یہی عشق حقیقی اقبالؒ ایسے قلندر منش پر طاری ہوا تو اس نے عالم وجد میں یا حسینؑ یا حسینؑ کا وظیفہ شروع کر دیا۔ اسی کیف و مستی کے عالم میں اقبالؒ ایسے مفکر کو حسینؑ کمالِ فکر کی آخری منزل پہ دکھائی دینے لگے۔ بلاشبہ حسینؑ نوکِ نیزہ پر بولتا قرآن ہیں، انہی کے جذبۂ ایثار و قربانی، حُبِ ایمانی، یقینِ محکم، عمل پیہم اور عشق مکرم کا اعجاز ہے کہ آج بھی راسخ العقیدہ مسلمانانِ عالم کے دلوں میں عشق حقیقی کے شعلوں کی لپک اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک موجود ہے۔

شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت
سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت

رموز بیخودی صفحہ ۱۲۸

بنو امیہ نے کردار کا دامن ہاتھ سے ساتھ کر، تلوار کے زور سے سلطنتِ اسلامیہ کی حدود شام تک پھیلا کر اپنی شان و شوکت کے جھنڈے گاڑ دیئے، بنو عباس نے بنو امیہ کی تقلید میں بغداد کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ اپنا دبدبہ ذہنوں پہ تو مسلط کر لیا مگر دلوں پہ حکمرانی نہ کر سکے، اسی طرح اہل ہسپانیہ نے غرناطہ میں اپنے شاہانہ ٹھاٹ باٹ تو خوب دکھائے، مگر انجام سے بے خبر اُدھر اُموی دور ختم ہوا اور اِدھر پرچم جاہ و جلال سرنگوں، یہی حال بنو عباس کے پایۂ تخت کا ہوا، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ جہاں جہاں اسلام بزورِ تیغ پہنچا، وہاں وہاں سے نقوشِ اسلامیہ دھندلا گئے اور جہاں اسلام کردار کے بل پر قدم رنجہ ہوا۔

وہاں آج بھی مساجد میں اللہ اکبر کی صدا گونج رہی ہے۔ علامہ صاحب کا فکر و فلسفہ اس خیال کے سراسر خلاف دکھائی دیتا ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر یا طاقت سے چار دانگ عالم میں پھیلا ہے۔

تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز

تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

رموزِ بیخودی صفحہ ۱۲۸

آخر فتح ہمیشہ حق کی ہوا کرتی ہے تاریخ گواہ ہے کہ یزید نے بزعم کثرت الناس سے اور دولت وطاقت کے بل بوتے پر حق (حسینؓ) سے ٹکر لی۔ نتیجہ کیا ہوا؟ کہ حرفِ غلط کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صفحۂ گیتی سے مٹ گیا۔

مگر حسین علیہ السلام باقی ہے

حسینؓ کل بھی زندہ تھے، آج بھی زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ وہ اس لئے کہ حسین شمعِ حق کا پروانہ حق کی آواز پر پروانہ وار اٹھے اور باطل کی طاغوتی طاقت سے بنام یزداں ٹکرا گیا۔ اور روزِ عاشورہ چند لمحوں میں اپنے خون سے خاکِ صحرا پر وہ تاریخ انسانیت وحریت ثبت کر دی کہ جس کی نظیر ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ حسین علیہ السلام کی وہ صدائے بازگشت آج بھی سنائی دیتے ہے۔ ہمارے دل و دماغ کے تار آج بھی اس آوازۂ حق سے مسلسل ہل رہے ہیں۔ اللہ اللہ! حسینؓ نے نہایت عمدگی کے ساتھ خاک و خون کا دریا پاٹ کر سفینۂ حق کو کنارے لگا دیا۔ اور باطل (یزید) کے وہ تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے جن کے لئے اس نے تمام انسانی اقدار کو پائمال کیا۔ حق (حسینؓ) سے نبرد آزمائی کی۔ لیکن منہ کی کھائی۔ حسین فتح یاب ہوئے، یزید ناکام و نامراد رہا۔

سچ تو یہ ہے کہ کربلا کے غازیوں کا نعرۂ تکبیر، آج بھی ہمارے لئے جذبۂ تعمیر اور باعزت موت کی تدبیر اور جینے کا سلیقہ فراہم کرتا ہے۔ یہی وہ نعرہ ہے جو ایمان و ایقان کی ضمانت، رسالت کی شان اور توحید کی جان ہے۔

اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں

اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں

رموزِ بیخودی صفحہ ۱۲۸

جب سے شعر اور شاعر کا وجود ذی جود عالم وجود میں آیا ہے تب سے اب تک نہ جانے کتنے شعراء نے "بادِ صبا" سے پیغامبری یا نامہ بری کا کام لیا ہے۔ صرف "بادِ صبا" سے یہ کام ہمارے اردو شعراء ہی نے نہیں لیا بلکہ دنیا کی تمام ترقی یافتہ

دیگر ترقی یافتہ زبانوں میں شعر کہنے والے شعراء نے بھی اپنے اظہارِ ابلاغ کا طریقہ سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعرِ مشرق نے بھی بحیثیت شاعر کے اپنا یہ حق "بادِ صبا" پر محفوظ رکھتے ہوئے اپنے اس شعر میں بادِ صبا سے ملتجی ہوتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے صبا! اے دور افتادگاں کی قاصد ہمارے اشکوں کے موتی قبرِ امام حسین علیہ السلام پر پہنچا دے۔ ایک حقیقی عاشق زار محبِ حیدرِ کرار اور عزادارِ امامِ مظلوم کے پاس یہی (اشکوں کا) ایک تحفہ ہے جو اس شہنشاہ، بادشاہ اور دیں پناہ کی بارگاہ میں نذر کرنے کے لائق ہے۔

قلندر میلِ تقریرے ندارد

بجز ایں نکتۂ اکسیرے ندارد

ازاں کشتِ خرابِ حاصلے نیست

کہ آب از خونِ شبیرؑ ندارد ارمغانِ حجاز صفحہ ۲۱۰

قلندر خوبصورت الفاظ کے چکر میں نہیں پھنستا اور نہ ہی کسی کی شعلہ بیانی سے متاثر ہوتا ہے وہ تو!

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

کا قائل ہوتا ہے اور وہ اپنے دامنِ معرفت میں سوائے اس ایک نکتے کے کچھ بھی نہیں رکھتا۔ یہی نکتہ درحقیقت اکسیر ہے اور اسی نکتے کی بنا پر تو وہ یہ کہتا ہے کہ زمینِ شور کی کھیتی اس وقت تک پیداوار کے قابل نہیں ہو سکتی جب تک اسے خونِ سبطِ رسولؐ امام حسین علیہ السلام سے نہ سینچا جائے۔ علامہ صاحب ہمیں ہماری منزلِ گم کردہ کا پتہ دیتے ہیں۔ اور اسے حاصل کرنے کا آسان طریقہ صرف ذاتِ سید الشہداء کی پیروی ہے۔

تیغ بہرِ عزتِ دین است و بس

مقصدِ اُو حفظِ دین است و بس رموزِ بیخودی صفحہ ۱۲۸

تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ امن کے داعی اور صلح جوئی کی اعلیٰ مثال تھے۔ لیکن اگر کہیں تیغ براں بے نیام بھی کی تو وہ حفظِ دین" بقائے اسلام" ، تحفظِ ناموسِ رسالت کے لئے جس کی ایک اعلیٰ مثال پیش کی

جاتی ہے کہ حضرت علیؑ معروف جنگ ہیں اور اپنے مدمقابل میں سے ایک کو گرا لیتے ہیں اور اس کے سینے پر سوار ہو کر چاہتے ہیں کہ سر تن سے جدا کر دیں مگر عیّار و مکار دشمن عیاری پر اتر آیا۔ اس نے سرکار امیر المومنین کے چہرۂ اقدس پر لعاب دہن پھینک دیا۔ حضور نے فوراً زیر شدہ دشمن کو چھوڑ دیا۔ اصحاب رسولؐ نے سوال کیا یا علیؑ دشمن کو زیر کر کے چھوڑ کیوں دیا، جواب میں فرمایا وہ اس لئے کہ اس نے ایسی نازیبا حرکت کی تھی کہ مجھے فطرتاً غصہ آ گیا۔ اگر اس عالم میں میں اسے قتل کر ڈالتا تو یہ قتل خدا کے لئے نہ ہوتا۔ بلکہ میرا ذاتی غصہ بھی اس میں شامل ہو جاتا اور یہ قتل خالص لوجہ اللہ نہ رہتا۔ اسی لئے میں نے بجائے اس کا سر تن سے جدا کرنے کے اسے چھوڑ دیا۔ آلِ محمدؐ کا شمشیر بکف ہونا صرف سربلندی اسلام کیلئے تھا۔ اپنی سرافرازی و ناموری کا تصور بھی ان کے نزدیک باطل کے مترادف رہا۔ یہ وہ نفوسِ مطہرہ ہیں جن کی طہارت کی گواہی کلام الٰہی خود پیش کرتا ہے، یہ اذنِ الٰہی کے پابند اور!

اُن کی مرضی رضائے قدرت ہے

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست

با من میا کہ مسلک شبیرم آرزوست

پیامِ مشرق ص ۱۸۵

بحیثیت ایک انسان اور بالخصوص مسلمان ہونے کے یہ تمنا، تمنائے نیک ہے کہ مسلکِ شبیری یعنی حسینیت کو اپنایا جائے۔ اسی میں خوشنودی خدا و رسول کا راز مضمر ہے اور یہ وہ مسلک ہے کہ بیشک یہ انسان میں حق گوئی دیباکی اور جرأت مردانہ کی روح پھونک دیتا ہے۔ لیکن

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے

یعنی اس نیک آرزو کے ساتھ ساتھ انسان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ شہادت گاہ ہے اور امتحانِ محبت بڑا ہی کٹھن اور صبر آزما ہوتا ہے۔ اس منزل سے وہی انسان بخیر و خوبی گذر سکتا ہے جو موت کو عروس نو سمجھ کر گلے لگائے۔ اس کیلئے نیزہ و شمشیر و خنجر عید نظارہ سے کم نہیں ہوتے۔ اللہ اللہ علامہ صاحب کے اسی کلام بلاغت نظام نے مردہ جسموں میں نئی روح پھونک دی، دلوں کو سوز و گداز اور ولولۂ تازہ بخشا اور دماغوں کو سوچ کا نیا انداز دے دیا۔ اس بیان کی صداقت پر علامہ نجم آفندی کا یہ مصرعہ کافی ہوگا جو آپ نے امام حسین علیہ السلام کے متعلق کہا ہے

دماغ وضع کئے، دل بنادیئے تو نے

حقیقت واقعی ہے کہ حسینؑ نے ایک عہد آفریں انقلاب برپا کر کے، پوری تاریخ انسانیت کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اور حسین علیہ السلام نے آج سے تیرہ سو سال پہلے۔ باطل کے خلاف جو مستحسن اقدام اٹھایا تھا، اسے بلا تمیز رنگ و نسل اور ملک و ملت کے، پوری انسانیت خراج تحسین پیش کرتی ہے۔ اور اس مسلکِ شبیری اپنانے کی آرزو ہر اقبالی دل میں کروٹ لے رہی ہے۔ لیکن انہیں جان لینا چاہیئے کہ یہ تمنا خوب سے خوب تر کی تلاش میں خوب ہے۔ مگر یہ امتحان کی منزل ہے۔ اس میں یقینِ محکم، عمل پیہم اور نگاہ بلند ہی کام دیتی ہے

تب کہیں منزلِ عرفاں کا پتہ ملتا ہے

مسلمانو! اگر فلاحِ اُخروی چاہتے ہو تو شاعرِ مشرق کے اس پیغام سے سبق لو اور اپنی راہ کا تعین کر لو، تاکہ روز حشر خدا و رسول کو منہ دکھا سکو۔ علامہ موصوف یقیناً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مظلوم انسانیت کے درد کا درماں اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ حسین علیہ السلام کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ میرا ہمدم وہی ہو جس کی آرزو میری طرح مسلکِ شبیری ہو۔ اس مسلک کو اپنانے سے تیر و سنان اور خنجر و شمشیر کی آرزو پیدا کرنا پڑتی ہے۔

ریگِ عراق منتظر کشتِ حجاز تشنہ کام

خونِ حسین علیہ السلام بازدہ کوفہ و شام خویش را — زبورِ عجم ص۱۱۲

عراق (کربلا) کی ریت قدمبوسی امام عالی مقام سبطِ رسولؐ رسولؐ انام کی منتظر دکھائی دیتی ہے کہ وہ کونسی مبارک گھڑی ہوگی کہ جب حسین علیہ السلام یہاں قدم رنجہ ہونگے۔ ایک طرف تو ریگِ عراق کے انتظار کا یہ عالم، دوسری طرف سرزمین حجاز اس اعزاز سے محروم ہوئی جاتی ہے کہ حسینؑ وہاں سے ہجرت کرنے والے ہیں۔ امام حسینؑ کی جدائی سرزمین حجاز کے لئے باعثِ غم و اندوہ ہے۔ علامہ موصوف نے اپنے مخصوص شعری انداز میں حجاز کی کھیتی کو امام تشنہ کام کی جدائی میں تشنہ کام کہا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں علامہ موصوف ملتِ اسلامیہ کو دعوت فکر و تدبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں باعزت رہنا ہے تو پھر سید الشہداء کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینا ہوگی۔ کیونکہ کوفہ و شام آج بھی پرستارانِ حق اور سرفروشانِ اسلام سے خون طلب کر رہا ہے اور یہ فریضہ مسلمانانِ عالم کو اور بالخصوص حُسینیت کے پروانوں کو سر دھڑ کی بازی لگا کر ادا کرنا ہے۔ اور یہی تاسیٔ امام حسین علیہ السلام ہوگی۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ ہم پہلے اپنے نفسِ امارہ کو زیر کریں یعنی خواہشات نفسانیہ یعنی اپنے آپ کے کوفہ و شام سے نبرد آزما ہوں۔ یہ بھی حُسینیت کی ایک طرز ہے۔

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں

گرچہ ہیں تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

بال جبریل ص ۱۵۲

بقول علامہ موصوف کے یقیناً،

محسوس ہو رہی ہے ضرورت حسینؓ کی

وہ اس لئے کہ حق سے پھر باطل نبرد آزما ہونا چاہتا ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ علامہ صاحب نے محسوس کر لیا تھا کہ "قافلۂ حجاز" یعنی دعویداران اسلام میں، کلمہ گویان محمدؐ میں نام کے مسلمان تو بہت ہیں مگر کام کا کوئی نہیں جو کہ آگے بڑھ کر زمام قوم تھام لے اور اسے اس کی گم کردہ راہ پر ڈال دے اور کوئی بھی ایسا نہیں جو تاسئی سرکار سید الشہداء میں اثبات حق اور ابطال باطل کے لئے جان کی بازی لگا کر کشتی اسلام کو اس پار لگا دے۔ اگرچہ آج بھی اس ستیزہ گاہ جہاں میں بہ انداز کوفی و شامی وہ لوگ موجود ہیں جو حق سے ٹکرا رہے ہیں اور گیسوئے دجلہ و فرات کی آب و تاب وہی ہے جو محرم ۶۱ھ ہجری کو تھی لیکن بقول علامہ مرحوم کاروان حجاز میں حسینؑ سا کوئی نہیں۔ علامہ صاحب کے شعر سے بآسانی یہ پتہ چلتا ہے کہ

خون حسینؑ دعوت صد انقلاب تھا

یعنی باطل کے خلاف مسلمانوں کو ہر لحظہ شمشیر بکف، کفن بر دوش رہنا چاہیئے وہ اس لئے کہ

یہ دور اپنے براہیمؑ کی تلاش میں ہے

جس نیک جذبے کی ابتداء جناب ابراہیم علیہ السلام نے قربانی جناب اسماعیل علیہ السلام سے کی تھی اس کی انتہا سرکار سید الشہدأ نے اپنی، اپنے عزیزوں کی بے بہا قربانیاں پیش کر کے وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ کی تفسیر خاک کربلا پر اپنے لہو سے جلی حروف میں ثبت کر دی، یقیناً دجلہ و فرات کا طمطراق مسلمانوں کو دعوت صد انقلاب دے رہا ہے۔ لیکن کوئی نہیں۔ جو آگے بڑھ کر دجلہ و فرات کے پاؤں میں زنجیر ڈال دے اور وقت کے یزید کا سارا کس بل نکال دے

ازنگاہِ خواجۂ بدر و حنینؓ

فقر سلطاں وارثِ جذبِ حسینؑ

جاوید نامہ ص۲۰۱

جب ہم اپنی تاریخ پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کہیں کہیں ان مردانِ حق آگاہ، عاشقانِ خدا، کلمہ گویانِ محمد مصطفیٰؐ کا پتہ ضرور ملتا ہے۔ جنہوں نے اثباتِ حق اور باطل کے ابطال کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا کر پرچم اسلام کو بلند رکھا۔ اور اسلام کی ڈوبتی ناؤ کو پار لگانے کے کچھ ایسے بھی سرفروش مل جائیں گے جنہوں نے خاک وخون کے دریا کو پاٹ کر یہ فریضہ ادا کیا ہے۔ اس کی ایک اعلیٰ مثال، علامہ موصوف نے اپنے اس شعر میں شیرِ میسور سلطان فتح علی المعروف بہ سلطان ٹیپو کے حوالے سے پیش کی ہے۔

سلطان ٹیپو وہ ہے جو تاسئی سرکار امام حسین علیہ السلام میں نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے، انگریز دل کے خلاف اٹھا۔ حسبِ دستور اپنوں نے جی بھر کر مخالفت کی اور باطل طاقت (انگریز) کے ساتھ مل کر ٹیپو کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔ ان میں کچھ ننگِ دین جعفر تھے تو کچھ صادق ایسے ننگِ زماں، ننگِ وطن بھی تھے۔ مگر حق کے طرفدار، ٹیپو مرحوم کے پائے استقلال میں چہ معنی؟ حق کی راہ میں جان دے کر بھی ٹیپو کے منہ سے یہی الفاظ نکلے:۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ٹیپو شہید میں جذبۂ ایثار و قربانی اور شوقِ شہادت کی روح امام حسینؑ کے مثالی کردار نے پھونک دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب باطل کے خلاف تیغ بکف ہوا تو عارضی زندگی سے بے نیاز ہو کر کہتا ہے کہ

"گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی
زندگی کہیں بہتر ہے"

یہ سبق شیرِ میسور نے شیرِ خدا کے نورِ نظر، فاطمۃ الزہراؑ کے لختِ جگر، سرکار امام حسینؑ سے لیا تھا۔ حسین علیہ السلام آج سے ۱۳ سو سال قبل یہ آفاقی پیغام دے کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے کہ دیکھو!

ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔

پس جس قوم نے اس پیغام کی روشنی میں اپنے اسپ زندگی کو مہمیز کیا۔ وہی فرد اور ملت زندگی کے ہر شعبے میں کامیاب و کامران دکھائی دیتی ہے۔ وہی معاشرے میں اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ آج وہی فتح و نصرت کا نشان بھی ہے اور صاحبِ ذی شان بھی،

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر

مرگِ پورِ مرتضیٰ چیزے دگر

جاوید نامہ صفحہ ۲۱۸

شاعرِ مشرق نے اپنے آفاقی کلام و پیام میں بندۂ مومن کی مختلف حیثیتیں بتلائیں، اور گنوائی ہیں ۔ یعنی مردِ مومن کی پہلی صفت تو علامہ صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ وہ بے تیغ بھی ہو تو حق کی حمایت میں باطل سے ٹکرا جانے کی جرات رکھتا ہے ۔ دوسری صفت مومن کی انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ وہ آفاق میں گم نہیں ہوتا بلکہ آفاق اس میں گم ہوتے ہیں اور اس کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ موت سے نہیں ڈرتا ۔ بلکہ وہ ہر لحظہ وصالِ حقیقی کا خواہاں دکھائی دیتا ہے ۔ اس کے ہاں موت کا تصور حسین سے حسین تر ہوتا ہے ۔ موت مومن کے لئے معراجِ زندگی کا پیغام ہوتی ہے ۔ موت سے خوف و ہراس بندۂ مومن کے پاس! چہ معنی؟ وہ تو سرکار امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے اس فرمان کی روشنی میں آگے بڑھتا ہے کہ

"نہیں ڈرتا ابوطالب کا بیٹا موت سے چاہے موت
اس پر آن پڑے یا وہ موت پر جا پڑے"۔

اور پھر یہی پیغام مولائے کائنات، دانائے سُبُل، وصی ختم الرُسُل نے ایک مقام پر یوں دیا ۔

"کہ میں (علیؑ) موت سے یوں کھیلتا ہوں،
جیسے شیر خوار بچہ اپنی ماں کی چھاتیوں سے کھیلتا
ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ بندۂ خدا و رسولؐ اور محبِّ حیدرِ کرار کے نزدیک موت ایک حسین شے ہوتی ہے اس کے لئے موت قندِ من پسند ہوتی ہے لیکن دوسرے مصرعہ میں علامہ صاحب نے

مرگِ پورِ مرتضیٰ چیزے دگر

کہہ کر ایک بہت بڑے مسئلہ کو حل فرما دیا ہے ۔ کیا کہتے ہیں علماءِ زین بیچ اس مسئلہ کے جو طوطے کی طرح ایک ہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ نقلِ کفر، کفر نہ باشد" حضور نبی اکرم (نعوذ باللہ) ہم جیسے بشر تھے ۔ مگر صاحب علامہ صاحب تو آپ کے اس فلسفے کے خلاف ہیں ۔ وہ تو عام مردِ مومن کی موت و حیات سے "مرگِ پورِ مرتضیٰؑ" کو مختلف گردانتے ہیں ۔ اور پورِ مرتضیٰ سے مراد علامہ صاحب کی سرکار سید الشہداء، امامِ ہدیٰ، حسین علیہ السلام

کی ذات ستودہ صفات ہے۔

تو اس بحث سے معلوم یہ ہوا کہ مسلمان تو مسلمان رہا، یہاں تو بندۂ مومن جو مسلمان کی معراج متصور ہوتا ہے وہ بھی ان نوری بندوں کے مقابل پر نہیں آسکتا۔ ان کی تخلیق ہماری تخلیق سے جدا، ان کی موت ہماری موت سے بہت مختلف ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ ہماری موت میں اور آئمہ کی موت میں ویسا ہی فرق ہے جیسا کہ عام انسان یا بندۂ مومن کی تخلیق میں واضح فرق موجود ہے۔ مرگِ پورِ مرتضیٰؑ اثباتِ حق کے لئے تھی۔

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری

بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

بالِ جبریل ص۱۰۵

یہ وہ آفاقی شعر ہے، جو اپنے دامنِ معرفت میں ایک وسیع و بلیغ مضمون کا احاطہ کئے ہے۔ علامہ موصوف نے یہی آفاقی پیغام اپنے کلامِ بلاغت نظام میں مسلسل اس سے پیشتر بھی نبی اکرمؐ، علیؑ المرتضیٰ کے ابواب میں دیا ہے۔ کبھی یہ کہہ کر:-

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز !!

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اور پھر علی المرتضیٰ کے باب میں اس کا اعادہ اس رُخ نے کیا۔

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی، نہ حریفِ پنجہ فگن نئے !

وہی فطرتِ اسدُ اللّٰہی ؛ وہی مرحبی ؛ وہی عنتری

جب ہم حکیم الامت کے ان اشعار کو تاریخ کے آئینے میں پڑھتے۔ اور پرکھتے ہیں۔ تو حقیقتاً واقعی یہ ظاہر ہوتی ہے کہ نہ تو ستیزہ گاہ جہاں نئی ہے اور نہ ہی ستیزہ کار نیا ہے اور نہ ہی حریف پنجہ فگن نئے ہیں۔ بقول علامہ صاحب وہی اصول کارفرما ہے جو روزِ ازل سے عمل میں آیا تھا۔

یعنی روزِ اوّل بارگاہ ایزدی میں حکم الٰہی سے سرتابی کرنے پر ابلیس (شیطان رجیم) قرار پایا۔ نبیؐ اکرم کے دور میں اہلبیت شرارِ بولہبی بن کر چراغِ مصطفویؐ کے بجھانے کو بڑھی۔ لیکن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اس لئے کہ وہ چراغ کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔ اعلانِ رسالت مآب کے بعد امامت کا دَور شروع ہوا، تو شرارِ بولہبی نے مرحب و عنتری کی صورت بدل کر امام برحق سے پنجہ آزمائی شروع کر دی اور یہ کوئی نئی چیز نہ تھی، نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی تھی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے، بالآخر شرارِ بولہبی اور خوئے مرحبی و عنتری نے یزیدیت کا روپ بدل کر حسینیت سے نبرد آزما ہوئی۔ حق و باطل کے درمیان ایک خوفناک تصادم دشتِ نینوا، ارضِ کربلا میں ۶۱ھ ہجری کو رونما ہوا۔ نتیجۂ خیر حسبِ سابق حسینؓ کے حق میں نکلا اور شکست جو باطل کا ہمیشہ سے مقدر رہی ہے۔ یزید کے حصے میں آئی۔ ذاتِ احدیت حسین علیہ السلام کی مشکور ٹھہری اور یزید نحس ملعون و مطعون قرار پایا یہاں تک کہ نامراد کا نام تک داخلِ دشنام ہو گیا۔

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؑ بھی ہے عشق

معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

بالِ جبریل صد۱۵۳

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ علامہ صاحب کا فلسفہ و فکر تو عشق، کیف و مستی، خودی و بے خودی اور بندہ مومن کے گرد طواف کرتا ہے۔ اس شعر میں بھی عشق کی بات ہے۔ عشق ایک مسلسل امتحان کا نام ہے۔ نسلِ آدم میں سب سے پہلے حضرتِ آدمؑ کا امتحان ہوا۔ قصہ طویل ہے۔ مختصر یہ کہ آدمؑ کامیاب ہوئے۔ دستارِ فضیلت کے مستحق اور خلعتِ خلافت کے سزاوار قرار پائے۔ حضرت نوحؑ نے امتحانِ عشق طوفانِ بلاخیز میں کشتی اتار کر پار کیا۔ تو بامراد ہوئے۔ یونسؑ نے شکمِ ماہی میں امتحانِ عشق کی منازل طے کیں۔ حضرت زکریاؑ نے بوقتِ امتحانِ عشق زیرِ آرا مسکرا دیا۔ جناب ابراہیم خلیل اللہ نے یہ امتحان نارِ نمرود میں کود کر پاس کیا۔ موسیٰؑ نے یہ امتحان کوہِ طور پہ جا کر، عیسیٰؑ نے صلیب پر چڑھ کر یہی امتحان دیا۔ اور آخری نبیؐ نے تو اپنی پوری زندگی اسی امتحان میں گذار دی، علی المرتضیٰ نے تو مسجد کوفہ میں ابن ملجم کا خنجر لگنے اور ذوالقرنین بننے پہ صاف کہہ دیا فزت برب الکعبہ (رب کعبہ کی قسم میں اپنے مشن میں کامیاب رہا)۔ امام حسنؑ نے یہ امتحان زہرِ ہلاہل کو بصورتِ قند پی کر پاس کیا اور پنجتن پاک کی آخری فرد امام حسین علیہ السلام نے یہ امتحان سرِ نوکِ سناں یوں دیا کہ نبیوں کو حیران کر دیا۔ اور بالآخر علامہ علیہ الرحمہ کو کہنا پڑا کہ خلیل اللہ کے عشق اور خواجہ بدر و حنین کے عشق کی طرح کا عشق صبرِ حسینؑ میں پایا گیا۔

اِک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری

میراثِ مسلمانی سرمایۂ شبیری!! بال جبریل ص۲۱۳

علامہ صاحب کے شعر کی رو سے "فقر" کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فقر وہ ہے جو انسان کو ضمیر فروشی سکھاتا ہے اور فقر کی دوسری قسم وہ ہے جو انسان کو باضمیر بنا کر جذبۂ شبیری عطا کرتا ہے۔ اوّل الذکر فقر میں انسان انسانیت کی منزل سے گر جاتا ہے۔ اس کا معاشرے یا مذہب میں اور خاص کر اسلام میں کوئی خاص مقام نہیں رہتا۔ بلکہ ایسا فقر انسانیت کے چہرے پر بدنما داغ ہوا کرتا ہے۔ اور فقر شبیری وہ ہے جس میں تمکنت جہانبانی اور دلوں پر حکمرانی کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔ اور یہی وہ فقر ہے جو مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت ہے۔ اور گم گشتہ میراث ہے۔ اور یہی وہ سرمایۂ بے بہا ہے جس پر مسلمان جتنا بھی فخر و مباہات کرے کم ہے۔ فقرِ شبیری میں امیری ہے۔ یہی سرمایہ شبیری میراثِ مسلمانی ہے۔ مسلمان کی مسلمانی یہی ہے کہ وہ سرمایۂ شبیری میراث میں پائے۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری!

کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری!!! ارمغان حجاز

شاعرِ مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال بزرگانِ دین، اولیاء کرام کے بتائے ہوئے اصول زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ سمجھتے تھے اور ہمیشہ اقوال بزرگانِ دین کو اچھی نظر سے دیکھتے تھے، مگر ان کے مزارات پر بیٹھنے والے نام نہاد صوفیوں، پیروں اور سجادہ نشینوں کے رویہ سے ساری عمر نالاں رہے۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ موصوف فقرِ خانقاہی اور رہبانیت کے خلاف آوازۂ حق بلند کرتے ہوئے، مسلمانانِ عالم کو اسوۂ شبیری پر گامزن ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اسوۂ شبیری یقینِ محکم، عمل پیہم سے عبارت ہے۔ اس میں جمود نہیں بلکہ جہد ہے۔ اس کے برعکس صوفیت و رہبانیت میں جہد سے احتراز، عمل سے بیگانگی امرِ لازمی ہے۔ حالانکہ زندگی جہدِ مسلسل، عمل پیہم اور یقینِ محکم کا نام ہے۔ جہد سے گریز قوموں کی موت ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ موصوف ہمیشہ ایسے تصوف کو زہر ہلاہل گردانتے رہے۔ جو قوم سے جرأت رندانہ چھین لے اور عمل سے بیگانہ کر دے۔

حقیقت یہ ہے کہ تقدیر پرستی کی وبا، اسلام میں خانقاہوں سے شروع ہوئی جو دیکھتے ہی دیکھتے پوری ملت اسلامیہ میں سرایت کر گئی۔ یہ وہ زہر ہلاہل تھا جسے تمر قند سمجھ کر نادانوں نے بصد شوق پی تو لیا مگر اس

کے نتیجے پر نظر نہ کی۔ ہوا یہ کہ قوم میں تارک الدنیا ہونے کا رجحان بڑھتا چلا گیا۔ اور یہ سلسلہ آج بھی، تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ہمارے نزدیک جسقدر نقصان اِسلام اور شریعتِ محمدؐیہ کو اس نام نہاد تصوّف سے پہنچا وہ شاید ہی کسی اور چیز سے پہنچا ہو۔ یہ اسلام کے عالمگیر پیغام اور زرّیں اصولوں کے متوازی ایک سوچا سمجھا منفی روّیہ تھا جس نے سیدھے سادے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو انہوں نے اسلام کی بجائے خانقاہوں کی چار دیواری میں جائے اماں تلاش کی۔ جس کی وجہ سے زندگی کی ہماہمی ان سے رخصت ہوئی۔ موت نے بڑھ کر لیا اور وہ جمود کے شکار ہوگئے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ زندگی خانقاہوں پر بھبوت مل کر بیٹھ جانا یا اللہ ہو، اللہ ہو کا ورد کرنے کا نام نہیں۔ اس کے لئے عمل نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ

؎ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

علامہ مرحوم کے اس مصرعہ میں جنّت اور جہنّم کا انحصار عمل پر ہے۔ دلیل کے لئے سرکارِ رسالت مآبؐ کا یہ فرمان پیش کر دیا جائے تو موقف اور مضبوط ہو جائے گا۔ سرکارِ دوجہاںؐ اپنی چہیتی بیٹی فاطمۃ الزہراؓ سے فرماتے ہیں "فاطمہ! یاد رکھو، آخرت میں اعمالِ صالحہ ساتھ دیں گے۔ یہ مت خیال کرنا کہ تم محمدؐ کی بیٹی ہو"۔ آنحضورؐ فرما تو فاطمہ سلام اللہ علیہا کو رہے تھے مگر بالواسطہ کان میں اپنی امت کے ڈال رہے تھے۔ اللہ اکبر، اعمالِ صالح سے زندگی کیف زا، جنّت فضا بن جاتی ہے اور کردار کے فقدان سے یہی زندگی دنیا میں لعنت اور آخرت میں جہنّم کا ایندھن بنتی ہے۔ اٹھ اور اے مسلمان اپنے اعمال کا محاسبہ کر، جمود چھوڑ، جہد کو اپنا۔ کیونکہ زندگی حرکتِ مسلسل کا نام ہے۔ خانقاہوں سے باہر آ اور رسمِ شبیری ادا کر کہ یہی ہے ایک تیرے مرضِ کہن کا چارہ۔ اگر خدانخواستہ اب بھی تو نہ سنبھلا اور عزمِ شبیریؓ سے کام نہ لیا تو پھر یاد رکھ یہ خانقاہی فقر جسے تو باعثِ فخر سمجھتا ہے۔ دنیائے دوں میں اندوہ و دلگیری کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

نوائے[1] کہ ہے سازِ تقدیرِ ملت

نوائے کہ ہے ضربِ شبیرؓ ملت[2]

روزنامہ انقلاب

---

[1] [2] } یہ شعر روزنامہ انقلاب (لاہور) سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ اشعار علامہ مرحوم نے اس پرچے کے خصوصی نمبر "شبیرؓ نمبر" کے لئے تھا۔

بندۂ مومن کی صفات میں سے ایک صفت علامہ مرحوم نے اپنے شعر میں یہ بھی بیان کی ہے کہ اس کی آواز تو آوازِ قدرت سے مشابہ ہو۔ یعنی تقدیر کے عین مطابق ہو۔ جہاں اس کی نوا سازِ تقدیر سے نکلی ہوئی صدا کی خصوصیت رکھتی ہوگی وہاں اس کی ضرب یقیناً ضربِ کاری اور دشمن پر بھاری ثابت ہوگی اور وہ مشیّتِ ایزدی کے عین مطابق ہوگی۔ ایسی نوا اور ایسی ضرب تو نوائے شبیری اور ضربِ شبیری کے سوا ہو نہیں سکتی۔

اگر بندہ ایں نوائے زند

چو یزداں جہاں آفرینی کند

روزنامہ انقلاب

اگر بندۂ مومن ایک وقت ایسا مقام حاصل کر لیتا ہے جہاں وہ سازِ تقدیر سے ہم نوا آواز بلند کرتا ہے تو اس کی آواز میں ایسی اثر آفرینی کارفرما ہو جاتی ہے جس سے وہ دنیا پر حکمرانی کرتا ہے۔ یعنی انسان کے دل و دماغ پر حسینؑ ابن علیؑ کی طرح اس کی عظمت کے انمٹ نقوش ثبت ہو جاتے ہیں اور یہ منزل بندہ مومن کو اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ اسوۂ شبیری پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ ایک مقام پر علامہ فرماتے ہیں۔

در نوائے زندگی سوز از حسینؑ

اہلِ حق حریّت آموز از حسینؑ

رموزِ بیخودی ص۸۶

جہاں زندگی کو آوازِ جاں گداز، دلوں کو ولولۂ تازہ، حسین علیہ السلام کے دم سے ملا ہے وہیں اہلِ حق کو ایک اور نعمت بے بہا بھی خدا کے بزرگ و برتر نے مرحمت فرمائی، جو انسان کے حسن کا سبب اور انسانیت کے ماتھے کا جھومر بنی اور جسے "حریّت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سرکار سید الشہداء امام حسین علیہ السلام آزادیٔ افکار، حریّتِ ضمیر کے ایک عظیم علمبردار ہیں۔ آپ نے حریت کے لئے وہ بے مثال قربانیاں راہِ خدا میں پیش کیں جس کی نظیر ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ اہلِ حق نے حسینؑ ہی سے حریّت اور آزادی کا سبق سیکھا ہے۔

نمازِ عشقِ حسینؑ حجاز ہے گویا

یہی نمازِ خدا کی نماز ہے گویا

عبادات میں سب سے بڑی عبادت اور ارفع و اعلیٰ مقام کی حامل "نماز" ہے۔ علامہ موصوف

نے اس شعر میں نماز کی فضیلت اور عظمت بیان کی ہے اور "نماز" کہتے کسے ہیں، اس کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے لئے ایک معیار قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ نماز تو عشق کا درس دیتی ہے۔ اور یہ درس سوائے حسینؑ کے کوئی اور نہیں دے سکتا۔ گویا نماز پڑھنے سے پہلے عشقِ حسینؑ کا ہونا امر لازم ہوا۔ ورنہ نماز اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ نماز مومن کی معراج جبھی ہو سکتی ہے جبکہ اس کے رگ و پے میں عشقِ حسین سرایت کر جائے۔ دوسرے مصرعے میں علامہ صاحب نے خود ہی فیصلہ دے دیا کہ بس اگر نماز کوئی نماز ہے تو وہ "عشقِ حسین" ہے اور یہی افضل ترین عبادت ہے اس کے بغیر نماز کا تصور بے معانی اور لایعنی ہوگا۔

جس طرح مجھ کو شہیدؑ کربلا سے پیار ہے

حق تعالیٰ کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے!! باقیاتِ اقبال صفحہ ۵۶

ہر ذی شعور کو سرکار امام حسینؑ علیہ السلام سے ویسے ہی عقیدت و محبت ہے جسکا اظہار مفکر روزگار۔ شاعرِ اہلبیت تبار حکیم الامت ڈاکٹر سر محمد اقبال علیہ الرحمہ نے اپنے اس شعر میں کیا ہے۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے سرکار سید الشہداء امام ہدیٰ، نورِ دیدۂ مرتضیٰؑ، لختِ دلِ فاطمہ سے ویسے ہی پیار ہے جیسے خداوند متعال کو یتیموں کی دعا سے ہوتا ہے۔ یتیم کے لب سے نکلی ہوئی دعا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ بلکہ اس کی دعا کے خیر مقدم کو دراجابت بارگاہِ ایزدی ہمیشہ وا رہتا ہے۔

رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں میں

کیا درِ مقصد نہ دیں گے ساقیٔ کوثر مجھے؟!!!

اللہ اللہ کس خوبصورت انداز میں علامہ موصوف نے اپنا دلی مدعا بیان کیا ہے۔ پہلے تو پیار، پھر اس کے مرکز کی خبر اور مثال کے لئے یتیم کی دعا کو سامنے رکھا اور اب اس شعر میں اپنا دلی مدعا بیان کرتے ہیں تاجدارِ ھَلْ اَتیٰ، مشکل کشا، شیر خدا، حضرت علی المرتضیٰؑ کی بارگاہ میں، اور اس دعوٰی کے ساتھ کہ میں (اقبال) عزادارِ سید الشہداء ہوں ان کے غم میں اشک فشاں، ماتم کناں ہوں وہ اس لئے کہ

ماتم شہیدِ راہ خدا کا ثواب ہے

یہ سنتِ جناب رسالتؐ مآب ہے

اختر مرحوم

اور حقیقت یہ ہے کہ اقبال سُنّتِ رسالتؐ مآب اور تاسیِٔ ائمہ اطہار ہی کو اپنے لئے ذریعۂ نجات سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شعر کے مصرعۂ ثانی میں ساقی کوثر سے دُرِ مقصود کے طلبگار دکھائی دیتے ہیں۔

کبھی میں قتل ہوا کربلا کے میداں میں
کبھی کبھی ہے ستم پر بھی آفریں میں نے

سرود رفتہ ص

سرگزشت آدم کا فلسفہ نہایت عمدگی سے دو مصرعوں میں بیان کر کے، آنے والی نسلوں کو ایک فکر دے گئے۔ ہم تو اس شعر سے اتنا سمجھ سکے ہیں۔ تذکرۂ کرب وبلا کے بغیر تاریخ انسانیت نامکمل تھی، اس واقعہ کے بعد انسان میں جینے کا شعور پیدا ہوا۔ اور حق پر مرنے کی تڑپ دکھائی دینے لگی۔

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں
بانگِ درا صفحہ ۲۲

کرۂ ارض پر بسنے والی کلیم اقوام وملل چاہے وہ کسی بھی مذہب سے وابستگی رکھتی ہوں، کسی نہ کسی رنگ اور ڈھنگ میں کسی کے آنے کی منتظر دکھائی دیتی ہیں۔ غیر مسلموں میں سے پہلے اہلِ ہنود کو ہی لے لیجئے، انہیں آج بھی کرشن جی مہاراج کے آنے کا انتظار ہے۔ اسی طرح سکھوں کے ہاں "کلنکی اوتار" کا انتظار ہو رہا ہے۔ خود سکھ مذہب کے بانی "گورو جی" نے اپنے ہاں "گرنتھ صاحب" میں لکھا ہے کہ آخری زمانے میں ظاہر ہونے والا راہبر مہدی۔میر ہوگا۔یہی "اوتار" کلنکوں (یعنی جرموں گناہوں) کو دور کرے گا۔ اسی کی پیروی میں فلاح ونجات پوشیدہ ہوگی۔ "گورو جی مہاراج" کے اس بیان پر مہرِ تصدیق بابا گورو نانک جی نے ان الفاظ کے ساتھ ثبت فرمائی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ مہدی میر، سادات سے ہوں گے اور دورِ آخر کے سردار و سرور اور تاج امامت کے وارث ہوں گے۔

مجوسیت کے راہبر زردشت نے بھی ظہورِ مہدی کی خبر دی ہے، بہرکیف تمام مذاہب عالم یہودی عیسائی، مجوسی، ہندو، سکھ سب کے سب اپنے اپنے انداز میں مہدی برحق، حقیقتِ منتظر کو لباسِ مجاز میں دیکھنے میں خواہاں دکھائی دیتے ہیں۔ صرف ناموں میں فرق ہے، وہ بھی ویسے جیسے مذہب میں فرق ہے۔ مگر اس بحث سے قطع نظر یہ تو تسلیم شدہ بات ہے کہ ہر مذہب مہدئ دوراں کے انتظار میں دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہے۔ اگر کلام اللہ سے قبل کی کتب آسمانی میں غور کیا جائے تو ان میں بھی جگہ جگہ ایک مدبرِ عالم اور مصلحِ کائنات کی خبر ملتی ہے۔

زبورِ داؤد[1] میں جو توریت و انجیل کا جزو کہلاتی ہے۔ اس میں بھی اہل جہاں کو ایک مصلح کی خوشخبری دی گئی ہے جو سمندر سے سمندر تک دنیائے دوں کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ اور اُمم عالم اس کے زیرنگیں ہوں گی۔ اس کا وجود، ذی جود اہلِ عالم کے لئے باعث خیر و برکت ہوگا۔

اسی طرح حقیقتِ منتظر کی خبر توریت ان میں الفاظ دیتی ہے کہ ایک مصلح بزرگ آئے گا جب کہ دنیا سے امن و اماں ناپید ہوجائے گا۔ لوگ اس سے امان چاہیں گے۔ اسی کتاب کے تیسویں باب میں ایک ایسے عادل و منصف بادشاہ کا ذکرِ خیر بھی ملتا ہے۔ جو روئے زمین کو عدل و انصاف سے پر کردے گا[2]، اور یہی روئے زمین کا مالک ہوگا۔

اسی حقیقتِ منتظر کی خبر نہایت شُد و مد کے ساتھ قرآن پاک میں بھی ملتی ہے۔ اس ضمن میں کلام اللہ کی حسب ذیل آیات بینات ملاحظہ ہوں[3]

- هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ
- وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ
- وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
- هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ
- قُل لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ

اسی حقیقتِ منتظر کی نشاندہی ابن عربی[4] اور عبدالکریم جیلی[5]، اپنی اپنی کتاب میں جس ہستی کو خالق کا عظیم شاہکار قرار دیا۔ اس کی آمد کا پتہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ہستی پوری آب و تاب کے ساتھ عالم شہود میں جلوہ گر ہوگی۔

ہاں تو ہم حقیقتِ منتظر کے سلسلہ میں مذاہب عالم کے حوالے سے بات کر رہے ہیں، تو اس ضمن میں عیسائیوں

---

[1] زبور داؤد (طبع لندن)

[2] کتاب ارمیائی توریت صد ۱۰۱۱۳ (طبع لندن)

[3] ان آیات کی وضاحت کے سلسلہ میں تفسیر رازی، تفسیر کشاف، تفسیر مجمع البیان دیکھئے

[4] حوالے کے لئے دیکھئے کتاب فصوص الحکم (ابن عربی)

[5] ۔ ۔ ۔ الانسان الکامل (جیلی)

کو عیسیٰ ابن مریم کا انتظار ہے اور ضرورت سے کہیں زیادہ اس وقت مسلمانانِ عالم اور بالخصوص شیعانِ حیدرِ کرّار کو اس مہدی برحق، صاحب الامر، امام العصر، مہدیٔ موعود کے آنے کا شدّت سے انتظار ہے جس کے لئے خطۂ زمین پہ ایک عرصے سے دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہیں اور فلک چہارم پر عیسیٰ ابن مریم ان کے منتظر دکھائی دیتے ہیں۔ غرضیکہ انبیاء سے لے کر جن و انس سبھی اسی حقیقتِ منتظر کو لباسِ مجاز میں دیکھنے کے متمنی دکھائی دیتے ہیں جسے خالقِ کائنات، ذاتِ واجب الوجود نے چشمِ عالم سے پوشیدہ رکھا۔ یہی پردۂ غیب ہے۔

اقلیمِ امامت کے اس آخری تاجدار، رحمتِ پروردگار، رونقِ لیل و نہار، زینتِ ارض و سما، امامِ ہدیٰ کے سلسلہ میں اقلیمِ امامت کے تاجدارِ اوّل، دانائے سبل، مولائے کل علی ابن ابی طالب ارشاد فرماتے ہیں:-

"کہ جب وہ آئے گا تو دین کا "یعسوب" اپنی جگہ قرار پائے گا[1]، اور اس طرح سے سمٹ کر اس طرح بڑھیں گے کہ جیسے موسمِ خزاں کے "قزعے" جمع ہوتے ہیں"۔

امیر المومنین کے اس قول کی وضاحت میں علامہ سید رضی علیہ الرحمہ یوں رقم طراز ہیں:-

"الیعسوب" السید العظیم المالک الامور الناس

یعسوب سے مراد وہ بلند مرتبہ سردار ہے جو لوگوں کے معاملات کا مالک

یومئذ "مواقزع" "قطع الغیم التی لا ماء فیہا۔

ہوگا۔ "قزع" ابر کا وہ ٹکڑا کہلاتا ہے جو پانی سے خالی ہو۔

معلوم یہ ہوا کہ الیعسوب سے مراد "حقیقتِ منتظر" مہدیٔ برحق ہے۔ خود علیٰ علّام اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرماتا ہے:-

یَوْمَ نَدْعُوا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ[2]

ہم قیامت کے دن ہر فرد بشر کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

---

[1] نہج البلاغہ (کلام امیر)

[2] پ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل (القرآن الحکیم)

اس آیۂ مبارکہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر زمانے میں امام مفترض الطاعۃ حامل و صاحب القرآن کا ہونا ضروری ہے ورنہ آیت تشنہ رہ جائے گی اور حجت خدا سے کسی لمحے بھی دنیا کا خالی رہنا، نعوذ باللہ صداقت قرآن کے منافی ہے۔ لہٰذا خالق کائنات نے اپنے کلام کی صداقت کے مدِّنظر، اپنی آخری حجت خلائق کی نظروں سے اِلیٰ یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْم کو پوشیدہ کر رکھا ہے۔ اور اسی حجّتِ حق کی معرفت قیامت تک کے لئے ضروری ہے۔ کتب احادیث میں آیا ہے کہ رسُولِ اکرم نے فرمایا کہ اگر ایام دنیا سے ایک روز بھی باقی رہے تو خداوندِ عالم اس روز کو طویل کر دے گا۔ یہاں تک کہ اس روز میری اہل بیت میں سے ایک فرد مبعوث ہو کہ جس کا نام میرے نام سے مشابہ ہوگا اور[1] وہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہو گی۔[2]

خالقِ کائنات کے ارشاد کی روشنی میں جب حضور ختمی مرتبت کی یہ حدیث پڑھتے ہیں تو اور بھی اثبات وجود معرفت امام وقت واضح ہو جاتے ہیں۔ حدیث رسالت مآب ہے

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ[3] اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً الْجَاهِلِيَّةَ ——— (الحدیث)

جس نے نہیں پہچانا اپنے وقت کے امام کو اور وہ اسی لاعلمی میں مرگیا تو گویا وہ جہالت کی موت مرا

خالقِ کائنات خوب جاننے والا ہے کہ حضرت انسان حیل و حجت کرنے میں طاق ہے، لہٰذا، اس نے حجت کی گنجائش ہی ختم کر دی اور اپنی آخری حجت، مہدی برحق کو قیامت تک کے لئے محفوظ و مامون کر لیا۔

حقیقتِ منتظر کا آنا ضروری ہے اور وہ آئیں گے جسکا ساری دنیا کو انتظار ہے، فرق صرف ناموں میں ہے سکھ انہیں کلنکی اوتار، گورونانک جی مہدی میر، ہنود، کرشن جی مہاراج کا نام دیتے ہیں اور مسلمانانِ عالم انہیں ہادیٔ دوراں، مہدی برحق، صاحب الامر، امام العصر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اقبال سوارِ اشہب دوراں کا نام دیتا ہے تو کبھی نگاہ زلزلۂ عالم افکار سے تعبیر کرتا ہے اور کبھی مہدی برحق کو قوموں کی حیات کا مرکزی نقطہ گردانتا ہے۔ اور عالم وارفتگی میں اس حقیقتِ منتظر کو بے نقاب دیکھنے کا خواہاں دکھائی دیتا ہے اور کبھی یہ کہتا سنائی دیتا ہے۔

---

[1] حوالے کے لئے مسند ابی داؤد، صحیح ترمذی دیکھئے۔

[2] یملاء الارض عدلاً و قسطاً کما ملئت ظلماً و جوراً

[3] اس حدیث شریف میں لَمْ يَعْرِفْ ہے لَمْ يَعْلَمْ نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محض جاننا کافی نہیں ہے بلکہ پہچاننا (معرفت) نہایت ضروری ہے۔

ترستی ہے نگاہ نارسا جس کے نظارے کو

وہ رونق انجمن کی ہے انہیں خلوت گزینوں میں ؎ بانگ درا صفحہ ۱

علامہ صاحب کے اس شعر سے یہ خیال باطل ہو جاتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام مہدی نے پیدا ہونا ہے لیکن یہاں تو پتہ یہ دیا جا رہا ہے کہ جس کی دید کو مدت مدید سے نگاہیں بیقرار ہیں وہ رونق دنیا دین یہیں ہم کہیں پوشیدہ ہے۔ اس کی معرفت انسان کامل ہونے کی دلیل ہے۔ بقول علامہ مرحوم،

کسے کو دید عالم را امام است ؎

من و تو ناتمام یم او تمام است زبور عجم صفحہ ۲۲۲

اقبال علیہ الرحمہ کے نزدیک وہی انسان، انسانِ کامل کہلانے کا حقدار ہے جو اپنے وقت کے امام کی پہچان کرتا ہے۔ اور اس کے برعکس دوسرے مکمل انسان نہیں۔ اسی لئے تو انہیں مشورہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اگر اورا نیابی در طلب خیز!

اگر یابی بدامانش در آویز!! زبور عجم صفحہ ۲۲۳

اگر صاحب دوراں، مہدی برحق کی معرفت حاصل نہیں تو کر، اور اگر ایسے نہیں پایا تو جستجو کر ورنہ از روئے حدیث رسالت مآب جہالت کی موت تیرا مقدر ہوگی۔ لہٰذا ایسی موت سے بچ۔ وقت کے امام کو تلاش کر اور جب پالے تو پھر اس کے دامن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وابستہ ہو جا۔ اسی میں خیر ہے۔

حاضریم و دل بغایت خستہ ایم ؎

پس زینداں و آں وارستہ ایم ؎

اقبال علیہ الرحمہ، اپنے اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے ایمان کا یقین امام وقت کو یوں دلاتے ہیں کہ صاحب العصر، ہم آپ کے حضور، حاضر ہیں، آپ کی غیبت پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ

ہے کہ ہم نے اپنے دل کو این و آں کے جھگڑے سے محفوظ کر لیا ہے، کوئی دنیا کی طاقت اب ہمیں اس راہ میں ہٹا نہیں سکتی، اس لئے کہ آپ کی غیبت پر ہمارا پختہ یقین ہے۔ یہی یقین، دین کی اصل ہے۔ اس میں فلاحِ اُخروی کا راز پوشیدہ ہے۔ اسی میں دین و دنیا کی سعادت پنہاں ہے۔ اور آخر میں یوں ملتجی ہوتے ہیں۔

میرے آقا یہ جہان زیر و زبر ہونے کو ہے

جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ارمغانِ حجاز ص۲۳۳

یا امامِ زمانہ آپ بخوبی واقف ہیں، زمانے کی بے راہروی نقطۂ عروج پر ہے، ہر طرف ایک ہُو کا عالم ہے۔ ہر سمت ظلم و ستم کا بازار گرم ہے۔ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں اور حد ہو گئی کہ باپ بیٹے سے نالاں، بیٹا باپ سے شاکی، ماں نے اسوۂ فاطمۃ الزہرا کو نظر انداز کر دیا، بیٹی نے پردے کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ بھائی بھائی کے خون کے پیاسے دکھائی دیتا ہے۔ وہ انسان جس کو تو نے اشرف المخلوقات قرار دیا تھا، آج حیوانیت سے بھی پرے دکھائی دیتا ہے۔

یا امامِ منتظر! مہدیٔ برحق، ہادیٔ دوراں! پردۂ غیبت سے باہر آجائیے۔ ورنہ آقا یہ دنیا تہ و بالا ہونے والی ہے۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اگر آپ کا وجودِ ذی جود اس دھرتی پر نہ ہوتا تو کبھی کی قیامت آگئی ہوتی۔ یہ تو فقط آپ کی سیادت کے باعث قائم و دائم ہے۔

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا

اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا

مثنوی اسرارِ خودی

وہ کون ہے جس کو علامہ اقبال مرحوم "شہسوار اسپ دوراں" کہہ رہا ہے۔ اور وہ کون ہے جسکو

ل اس شعر کی تشریح سید محبوب زیدی مدظلہ العالی نے اپنی کتاب "اقبال اور حُبِ ائمۂ اطہار" میں بیان کی ہے۔ اور اس کے مفہوم کو انہوں نے اپنی سمجھ کے مطابق سرکار رسالت مآب پر قیاس کیا ہے۔ حالانکہ علامہ موصوف کا یہ مطلب نہیں بہرکیف اپنی اپنی رائے ہے۔ دوسرے زیدی صاحب نے اپنے ہاں "باب مہدی" ترتیب ہی نہیں دیا۔ حالانکہ عنوان کی رُو سے ائمۂ اطہار ہیں۔ امام آخر صاحب العصر والزماں بھی ہیں۔ (عمرانی)

امکان کی آنکھوں کا نور کہہ کر آواز دے رہا ہے ۔ علامہ مرحوم کی مراد یہاں پر اس شعر سے معدنِ رسالت کے گوہرِ تابدار، برجِ امامت کے آخری تاجدار، مطلعِ انوار، رونقِ لیل و نہار، وارثِ ذوالفقار، زینتِ ارض و سما، ہمنامِ محبوبِ خدا، آرزوئے مرتضیٰؑ، جانِ جنابِ فاطمۃ الزہراؑ، قائم مقامِ جنابِ رسولؐ خدا، امام حسن عسکری علیہ السلام، امام ابن امام، قائم آلِ محمدؐ، ہادیٔ دینِ مبین، صاحب العصر والزماں، لنگرِ زمین و آسماں حضرت امام مہدی علیہ السلام جن کے آنے کا انتظار عرش پر عیسیٰ کو ہے فرش پہ خضرؑ کو ہے اور اہلِ دنیا جس کی دید کے منتظر دکھائی دیتے ہیں گر

ہے فرق اتنا ہی آمد پہ کس عقیدوں کا ؟؟!

کھڑے ہیں دید کو اپنے، پرائے بیٹھے ہیں

اس شعر کے ذیل میں کیوں نہ کہہ دیں کہ ہندو ہوں یا بدھ مت کے پیرو، پارسی ہوں یا مجوسی، سکھ ہوں یا عیسائی، مسلمانانِ عالم میں سنی ہوں یا شیعہ، سب کے سب کسی کے انتظار میں دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہیں۔ ہندو کہتے ہیں کلکی اوتار آنے والا ہے۔ انجیل والے یعنی عیسائیوں کا عقیدہ عیسیٰ آسمان سے اتریں گے۔ ہمارے سُنی العقیدہ مسلمان کہتے ہیں کہ اس مہدی برحق جس کو مہدی موعود کہا جاتا ہے کا ظہور ہوگا۔ بہرکیف کسی نہ کسی طرح قائل ضرور ہیں مگر اصلیت کیا ہے؟ وہی جو خدا اور رسولؐ نے فرمایا۔ عیسٰے قیامت کی نشانی ہے (قرآن) ضرور آئیں گے اور آخری فرزند رسولؐ کے ظہور کے بعد ان کے پیچھے نماز ادا کر کے غلبۂ اسلام (بروئے قرآن) کو مکمل طور پر ثابت کریں گے۔ از روئے قرآن و حدیثِ رسولؐ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ غائب ہیں اور صرف ظاہر ہونا ہے۔ ان کی غیبت پر اتنا ہی پختہ یقین ہے۔ جتنا از روئے قرآن ایک متقی کو غائب پر ہونا چاہیئے۔ یہی وہ مہدیؑ برحق، امامِ زمانہ ہیں جن پر شبِ قدر، سورۂ قدر کی رُو سے بحکم ربّ العزت تنزل الملائکۃ والروح فیہا باذن ربہم من کل امر سلام ھی حتیٰ مطلع الفجر (یعنی فرشتگانِ الٰہی اور جناب روح الامین ہر امر کے لئے نازل ہوتے ہیں اور آپ کو سلام کہتے ہیں۔ یہ سلسلہ طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے) آئندہ سال کے لئے تمام امور کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ذرا غور تو فرمائیے کہ وہ کون ذی شرف ہستی ہے۔ جس پر شبِ قدر فرشتے سلامِ خدا اور ہر امر کے لئے احکام حاصل کرنے کے لئے نازل ہوتے ہیں جو امرِ الٰہیہ کو جاری کرتا ہے۔ یہی صاحب الامر ہے۔ یقیناً کوئی اس عالمِ آب و گل میں ضرور موجود ہے۔

قدم سے مہدیٔ دیں کے زمیں قائم ہے پانی پر !؟

قرارِ کشتیٔ دُنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

کیا اس سائنسی دور کا کوئی مفکّر، فلاسفر اور علم و آگہی کا سب سے بڑا دعوی دار یا دورِ حاضر کا مُلّا بتا سکتا ہے کہ فرشتگانِ الٰہی شب قدر کس پر نازل ہوتے ہیں اور وہ کون ہے جس کو سال بھر کے احکامِ الٰہی سپرد کئے جاتے ہیں۔ اگر کسی کو دعویٰ ہے تو سامنے آئے اور دلائل پیش کرے۔ نہیں، ہرگز کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اور جو کرے گا کاذب ہوگا اور جنہوں نے کیا ان کا حال آپ نے دیکھا نہیں تو سنا اور پڑھا ضرور ہوگا۔

ہم حیران ہیں اپنے ان مسلمان بھائیوں پر جن کا عقیدہ ہے کہ ابھی پیدا ہونا ہے۔ تو بھئی بتلاؤ کہ "شب قدر" جس کی تم بھی بہت قدر کرتے ہو اس رات فرشتے کس سے گفتگو کرتے ہیں، کس سے احکام پروردگار لے کر جاتے ہیں۔ جبکہ تمہارے عقیدے کے مطابق وہ وجودِ مسعود ابھی عالمِ وجود میں آیا ہی نہیں۔ مگر فرشتے آتے ضرور ہیں۔ قرآن حکیم کہہ رہا ہے تو یقیناً ماننا پڑے گا کہ وہ راہ راست پر ہیں جن کو آنے کا انتظار ہے اور اس کے انتظار میں حضرت خضر علیہ السلام کے دوش بدوش سرو قد کھڑے ہیں۔ اس لئے کہ آئیں تو استقبال کریں اور دوسرے بھائی بیٹھے ہیں اور اگر یہی عالم رہا تو یقیناً بیٹھے کے بیٹھے رہ جائیں گے۔

تُو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے

حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے (آمین)

ہماری دعا ہے کہ جس طرح ہم معرفت امام زمانہ رکھتے ہیں خدا ہمارے دوسرے کلمہ گو بھائیوں کو بھی یہ توفیق دے کہ وہ اپنے زمانے کے امام، امام برحق کی معرفت حاصل کرلیں۔ قرآن میں ہے یوم ندعو کل اناس باما مھم روزِ محشر ہر فرد و بشر اپنے اپنے امام کے ساتھ محشور ہوگا۔ جس کی معرفت عقلاً بھی لازمی ہے۔ ورنہ[1] انجام از روئے حدیثِ رسولؐ بخیر نہ ہوگا۔ لہٰذا کوشش کریں وہ لوگ جنہیں معرفتِ امام برحق نہیں۔ جس امام زمانہ کی معرفت اتنی ضروری ہے۔ وہ ہادیٔ دینِ مبین مہدیٔ برحق امام آخر ۱۵ شعبان المعظم کو معتمد عباسی کے دور میں امام حسن عسکری علیہ السلام کے صلب اطہر سے جناب نرجس خاتون کے بطن سے تولد ہوئے۔ آپ ناف بریدہ

---

[1] من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ (حدیثِ رسول الثقلین متفق علیہ)

ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ آپ کے داہنے بازو پہ "جاءَ الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" لکھا ہوا تھا۔ یعنی حق نمودار ہوا باطل فرار ہوا۔ باطل فرار ہونے اور مٹنے کے لئے ہی ہے۔ ۲۶۰ھ کو معتمد عباسی دشمنِ آلِ محمدؐ نے برجِ امامت کے گیارہویں تاجدار امام حسن عسکری علیہ السلام کو شہید کر ڈالا۔ آپ (حضرت امام زمانہ) نے اپنے پدر بزرگوار کی نمازِ جنازہ خود پڑھائی اور اپنے دادا حضرت امام علی نقیؑ کے پہلو میں دفن کیا۔ معتمد عباسی نے پوری کوشش کی کہ اس شمع رشد و ہدایت کو بھی گل کر دے مگر

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

پروردگارِ عالم نے ضروری سمجھا کہ اس کو پردۂ غیبت میں وقتِ معلوم تک محفوظ کر لیا جائے تاکہ زمانہ حجت الٰہی سے خالی نہ رہے اور اللہ تعالےٰ کا وعدۂ غلبہ اسلام پورا ہو۔

حضرت امامؑ زمانہ کی درازیٔ عمر کا راز ایک یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ پروردگار عالم نے اپنے حبیبؐ کو تمام کمالات و معجزات سے نوازا تھا جو انبیاء ماسلف کو عطا کئے تھے۔ اس میں طولِ حیات اور شہادتِ عظمیٰ ایسے اعزازات رہ گئے تھے۔ طولِ حیات کو امام زمانہ مہدیٔ برحق ہمنامِ محمدؐ، آخری محمدؐ[1] نے پورا کر دیا اور شہادتِ جلی کے اعزاز کو امام حسین علیہ السلام، مظلوم کربلا، شہید نینوا، فرزند مرتضیٰؑ، برادر حسنؑ مجتبیٰ، جان فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے صحرائے بے آب و گیاہ میں تین روز بھوک اور پیاس کے عالم میں اپنی اور اپنے جگر پاروں کی قربانیاں دے کر خاتم النبیین، شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین، محبوبِ خدا، تاجدارِ بطحیٰ، سرتاج انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو نعمتِ و اعزازِ شہادت سے بھی نواز دیا۔ اسی لئے زبانِ وحی ترجمان نے فرمایا تھا الحُسینُ مِنّی وَاَنَا مِنَ الحُسین۔

(حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں)

پروردگارِ عالم اپنی کتاب قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ ہم روزِ قیامت ہر فرد و بشر کو اس کے امام و پیشوا کے ساتھ بلائیں گے۔ اور بشر کا حشر و نشر اس کے زمانے کے امام کے ساتھ ہوگا۔

علاماتِ ظہور:

(۱) حدیثِ رسولؐ ہے کہ امام مہدیؑ کے ظہور سے پہلے عورتیں حکومت کریں گی۔ عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ

---

[1] اوّلنا محمدؐ اوسطنا محمدؐ آخرنا محمدؐ وکلنا محمدؐ (حدیثِ رسولؐ) ہمارا پہلا بھی محمدؐ ہے، درمیانہ بھی محمدؐ، آخری بھی محمدؐ اور کل کے کل محمدؐ ہیں۔

روزی کمائیں گی۔ (حدیثِ رسولؐ)

(۲) کنز العمال صفحہ ۲۶۶ پر تحریر ہے کہ عورتیں منبر پر تقریریں کیا کریں گی۔ (خطبہ حضرت علیؑ)

(۳) حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ راوی منصور، کہ جب تم دیکھو کہ لہو و لعب کی جگہیں بنائی گئی ہیں اور وہاں لوگ کھلے بندوں آتے جاتے ہیں۔ اور کسی کو روکنے کی جرأت نہیں، اور صاحبان اقتدار کھانے پینے کی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کر رہے ہیں اور شراب سے علاج کیا جانے لگے تو جان لینا کہ رحمتِ خدا اپنے محسنین کے قریب ہے (یعنی ظہورِ امام قریب ہے)

(۴) عورتوں کے سر کے بال اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے۔ (الزام الناصب صفحہ ۱۸۲ بحوالہ روضہ کافی)

(۵) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ عورتیں کپڑے پہنے ہونگی اس کے باوجود عریاں ہوں گی اور بن سنور کر گھر سے نکلا کریں گی۔ (بحار الانوار جلد ۹)

(۶) علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ مغرب کے لمبے بالوں والے نوجوان اپنا شغل ناچ گانا بنالیں گے جن سے مغرب سے لے کر مشرق تک بہت لوگ متاثر ہوں گے (تو سمجھنا کہ ظہور امام قریب ہے) (ربیع الابرار پرانا قلمی نسخہ مکتبہ شوستری نجف اشرف)

(۷) ظہورِ امام سے پہلے کے حالات پر امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں کہ لوگ "غنا" (گانے بجانے کے آلات) جیبوں میں رکھ کر پھرا کریں گے۔ (بحار الانوار)

اور بہت سی علامات ہیں جو قبل از ظہورِ امام ظاہر ہوں گی۔

ناظرین محترم! حضرت صاحب العصر والزماں عاشور کے روز دسویں محرم کو مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ میں رکن و قیام کے دوران ظاہر ہوں گے۔ جبرائیل امین ساتھ ہوں گے اور آواز دے رہے ہوں گے آؤ بیعتِ خدا کرو۔ لوگ اطرافِ عالم سے کھینچ کر پہنچ جائیں گے اور دستِ امامؑ زمانہ پر بیعت کریں گے۔ جب امامؑ زمانہ کا ظاہری دورِ حکومت ہوگا تو نبی اکرمؐ فرماتے ہیں کہ وہ[1] زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔ علامہ اقبالؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں

---

[1] یملاء الارض عدلا وقسطا کما ملئت ظلما وجورا (حدیثِ رسولؐ مقبول)

ریخت از جورِ خزاں برگِ شجر

چوں بہاراں از ریاضِ ما گذر!

رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو!

در سوادِ دیدہ ہا آباد شو!

آ اور دنیا کے شور و غوغا کی رونق ہو جا اور ہماری آنکھ کی سیاہ پتلی میں مسکن پذیر ہو جا۔ علامہ موصوف اس شعر میں مہدیٔ آخر الزماں کے حضور ملتجی ہیں وہ اس لئے کہ دنیائے دوں فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن چکی ہے ہر طرف شور و غل، افراتفری، نفسا نفسی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے جسکا نقشہ دورِ حاضر کا ممتاز شاعر یوں کھینچتا ہے :-

ہر ایک فرد ہے بےچین، ہر بشر بے کل[1]

قدم قدم پہ اجل ہے، گلی گلی مقتل

جو ان بلاؤں کو ٹالے اُسے تلاش کرو

یقیناً اس دورِ پر آشوب میں انسان کو سانس لینا دوبھر ہو چکا ہے۔ دُنیا سے حقیقی رونق کا نام و نشان ناپید ہو چکا ہے۔ ہاں ہاں! بقول علامہ مرحوم اگر امامِ زمانہ پردۂ غیبت سے عالمِ ظاہر میں جلوہ گر ہو جائیں تو یقیناً رونقِ دنیائے دوں پھر سے پلٹ آئے اور

---

[1] منظوم سجدے (کلام ڈاکٹر مسعود رضا خاکی ایم اے پی ایچ ڈی) ناشر "دلستان" اسلام پورہ کرشن نگر۔ لاہور

شورشِ اقوام را خاموش کن

نغمۂ خود را بہشت آواز کن !!!

اقوامِ عالم سے خلفشار، آپس کی رسہ کشی اور بغض وعناد کی آگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے۔ اگر حجتِ خدا، امام ہدیٰ، صاحب العصر آن کر نغمۂ اخوت ومحبت اپنی آواز میں سنا دیں۔ ہم اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ پوری دنیا میں بےچینی و بدامنی کا دور دورہ ہے۔ وہ کیوں ؟ اس لئے کہ آج تک دنیائے انسانیت کسی مخلص و دیندار کی مضبوط اور مستحکم قیادت میسر نہیں آئی اور اس دور کا مہدیٔ برحق، بحکمِ الٰہی پردۂ غیبت میں وقتِ معلوم کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کاروانِ انسانیت بغیر کسی راہبر کے راہ میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ اور قومیں تباہی و بربادی کی راہ پہ گامزن دکھائی دیتی ہیں۔

اگر اس عالمِ ہاؤ ہو میں قوموں کے آپس کے اختلافات کوئی ختم کر سکتا ہے تو وہ رہبرِ کامل ہی کر سکتا ہے۔ جسے "مہدیٔ برحق" کہا جاتا ہے۔ بس اس کے پردۂ غیبت سے باہر آنے کی دیر ہے کہ یہی دنیا جو دکھوں کی آماجگاہ دکھائی دیتی ہے یقیناً بہاروں کا مسکن نظر آنے لگے گی۔ خود آقائے نامدار، احمدِ مختار فرماتے ہیں کہ اگر قیامت کے آنے میں ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو بھی پروردگارِ عالم میری اہلِ بیت سے ایک ایسی فرد کو بھیجے گا جو دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا[۱]۔ بقول علامہ سہیل بنارسی مدظلہ العالی

اُن کی رجعت بہار لائے گی

وقت آئے گا گل لٹانے کا !!

جن کی رجعت بہار لائے گی، علامہ مرحوم اس فردِ اکمل نگاہِ زلزلۂ عالمِ افکار کا نام دیتا ہے۔

خیز و قانونِ اخوت ساز دہ ؛

جامِ صہبائے محبت باز دہ

---

[۱] الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً ۔ کتبِ صحاح ستہ

[۲] ماخذ رسالہ "معارفِ اسلام" جلد ۲۴ شمارہ ۸ ۔ صاحب الزمان نمبر ۱۳۹۶ ہجری ۔ اگست ۱۹۷۶ء۔

علامہ موصوف اس شعر میں بھی بحضورِ امام آخرالزماں ملتجی ہیں کہ وہ اٹھیں اور قانونِ اخوت کی نوک پلک سنوار دیں اور پلائے محبت کے جام بھر دیں یعنی مطلب یہ کہ آج کے اس دورِ پرآشوب میں انسان، انسان کے خون کا پیاسا ہے اور بھائی بھائی کا دشمن دکھائی دیتا ہے، دماغوں میں رعونت اور دلوں میں شعلۂ بغض و عناد روشن ہے۔ اس عالم میں فقط آپ ہی کی ہستی ہے جو انسان میں پیار کی جوت جگا سکتی ہے۔ اور بھائی چارے کی فضا برقرار کر سکتی ہے۔ دماغوں سے رعونت، دلوں سے بغض و حسد کی آگ صرف آپ ہی کی ذاتِ ستودہ صفات ٹھنڈا کر سکتی ہے۔ صرف دیر اس بات کی ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے جامِ صہبائے محبت مرحمت فرما دیجئے گا۔

بازدر عالم بیار ایامِ صلح

جنگجویاں را بدہ پیغامِ صلح

آج دنیا کا وہی عالم ہے جو حضور ختمی مرتبت کے آنے سے پہلے تھا، یعنی ایک عجیب کیفیت تھی، ہر سو بدامنی، بے چینی کا دور دورہ تھا، بات بات پر جھگڑا، جگہ جگہ تصادم جس کا نقشہ مولانا حالی پانی پتی نے اپنی شہرۂ آفاق "مسدس" میں کھینچا ہے۔ مثلاً

کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یونہی گویا رہتی تھی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

بعینہٖ یہی حالت آج کے دور کی ہے، اگر اس دورِ ناگفتہ بہ میں سرکارِ رسالت مآب کی آمد نہایت ضروری تھی تو اس دور کے لئے بھی حجتِ خدا کا ہونا اور اس کا آنا، لازم ہے، اگر اس دور میں حضور ختمی مرتبت

ایک مدت سے بھٹکتے ہوئے انسانوں کو
ایک مرکز پہ بلانے کے لئے آپ آئے!

تو بقول علامہ مرحوم آج

دُنیا کو ہے اُس مہدئ بر حق کی ضرورت

ہو جس کی نگاہ زلزلۂ عالمِ افکار !!!!

اس دور کے لئے ، نبیوں کے سرتاج ، احمدِ مختار کو خالقِ کائنات نے بھیج کر سلسلۂ نبوت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا اور اس عالمِ ہادہو کے لئے امامت کی آخری کڑی ، حجتِ پروردگار ، قائم آلِ محمدؐ ، مہدی آخر الزماں کی ضرورت برحق ہے تاکہ امن وسلامتی اور صلح جوئی کی فضا قائم ہو۔

سکون وامن کا اب انحصار ہے اُن پر

نظر زمانے کی اب بار بار ہے اُن پر

قیامت آنے سے پہلے خدا کا وعدہ ہے

خلوصِ دل سے شۂ خاص وعام کو ڈھونڈو خاکی

تاکہ یہ جنگ وجدال کا سلسلہ ختم ہو ۔ اللہ جلد وہ دن لائے کہ صاحب العصر پردۂ غیبت سے باہر آئیں ، بس ان کے آنے کی دیر ہے کہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں گے ، ان کی نگاہ زلزلۂ عالمِ افکار ہو گی

نوعِ انساں مزرع تو حاصلے

کاروانِ زندگی را منزلے

علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ بنی نوعِ انسان کی کھیتی کا حاصل آپ کی ذاتِ بابرکات ہے اور کاروانِ حیات کے میر وسرخیل آپ ہی ہیں ۔ جب تک آپ ظہور نہیں فرمائیں گے ۔ کاروانِ حیات یونہی بھٹکتا پھرے گا ، وہ اس لئے کہ اسے اس میر ورہبر کی نہایت ضرورت ہے کہ جس کی نگاہ بلند ، سخن دلنواز ہو ، اور وہ آپ کی ذات ہے۔ آپ کی رہنمائی کے بغیر قافلہ حیات اپنی منزل نہیں پا سکتا ، لہٰذا ضروری ہے کہ

خلوصِ دل سے شۂ خاص وعام کو ڈھونڈیں

اور اگر ہم اس سلسلہ میں کوتاہی برتیں گے تو پھر سراسر نقصان ہے ، وہ اس لئے کہ نبی اکرمؐ فرماتے ہیں

کہ جس نے اپنے وقت کے امام کو نہیں پہچانا اور وہ اسی لاعلمی میں مرگیا تو وہ جہالت کی موت مرا۔ لہذا چاہیے کہ خلوصِ دل سے امامِ زمانہ، مہدیِ دوراں کی معرفت حاصل کریں تاکہ جہالت کی موت سے بچ جائیں۔

ریخت از جورِ خزاں برگِ شجر!!!

چو بہاراں بر ریاضِ ما گذر

علامہ صاحب فرماتے ہیں یا صاحب العصر! یقین جانیئے کہ خزاں کے ظلم وستم نے شجرِ زندگی کے برگ وبار بہت بے دردی سے جھاڑ دیئے ہیں۔ اے کاش کہ آپ ہماری زندگی کے باغ میں بھی مانندِ بہار تشریف لائیں۔ تو یقیناً زندگی پرکیف اور شجرِ زندگی کو نئے گل و برگ میسر آئیں۔ آپ کی غیبت نے اور بے راہ روؤں کی رہبری نے انسان کو منزل سے دور بہت دور کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کا تناور درخت خزاں کی زد میں ہے اور دنیا سے بہار رخصت ہو چکی ہے۔ شجرِ زندگی کے پژمردہ برگ وبار آپ ہی کے منتظر ہیں۔ خدا کے لئے پردۂ غیبت کو چھوڑ دیجئے۔ ریاضِ دہر میں آئیں، بڑا اندھیرا ہے۔ اور اس اندھیرے سے اب تو دم گھٹنے لگا ہے اب انتظار کا ہر لمحہ ایک قیامت ہے۔ غم کے ماروں پر کرم ہیں:

اے منتظر اے پردہ نشیں اٹھا بت دے
کب تک ترے پردے سے نہ گھبرائے محبت ظہور رجاد جوی

علامہ موصوف اپنی (یعنی مسلمانانِ عالم) کی غفلت، لاپرواہی، دین سے دوری، اسلام سے بیزاری اور نوجوان نسل کی بے راہ روی سے ہمیشہ نالاں رہے۔ اس شعر میں آپ طفل وپیر وجواں کے ان سجدوں

لہ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ (حدیثِ رسولؐ)

کو بے کیف و بے سرور سمجھتے ہیں جو بغیر معرفتِ امامِ زمانہ اندھا دھند کئے جاتے ہیں ۔ لہٰذا، عبادتِ الٰہی اور اس کے حضور سجدہ ریزہ کے لئے ضروری ہے کہ پہلے صحیح معنوں میں مسلکِ شبّیری، حُبِّ علی، پیروی محمد مصطفٰے اور معرفتِ امامِ ہدیٰ یعنی معرفتِ امامِ زمانہ حاصل ہو تب تو عبادت، عبادت ہے ورنہ بقول علامہ مرحوم یہ سراسر ریا ہے ۔ اسی پر ندامت ہے ۔

از وجودِ تو سرافرازیم ما

پس بہ سوزِ ایں جہاں سوزیم ما

ہم (مسلمانِ عالم) آپ کے وجودِ ذی جود کی موجودگی کے باعث ہی تو سرافراز و محترم ہیں ۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم دنیا کے سوز میں جلتے ہیں ۔ مطلب یہ کہ دنیا کی یہ حالتِ ناگفتہ بہ کو دیکھ کر جتنا ہمیں دلی دکھ ہوتا ہے وہ ہم ہی جانتے ہیں اور آپ سے پوشیدہ نہیں ۔ ان دکھوں کا واحد علاج اور غموں کا اصلی مداوا صرف آپ ہی کی ذات ہے اور آپ کے وجود سے انکار کلام اللہ کے اس ارشاد کے سراسر منافی ہوگا ۔ خالقِ کائنات کا ارشاد ہے ۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ
هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

شبِ قدر میں فرشتے اور روح القدس باذنِ الٰہی جملہ امور کے لئے فجر کے طلوع ہونے تک نازل ہوتے ہیں ۔

معلوم یہ ہوا کہ حجتِ خدا دنیا میں موجود ہے جس کی طرف احکامِ الٰہیہ لیکر شبِ قدر ملائکہ آتے ہیں ۔ یقیناً کوئی صاحب الامر بھی ہوگا ۔ اب اس کا تعین کیجئے اور بتلائیے کہ وہ کون ہے جس کی طرف شبِ قدر میں ملائکہ آتے ہیں ۔ اور اس پر جملہ امورِ خداوندی نازل ہوتے ہیں ۔ اگر آپ ایسی ہستی پیش کر سکتے ہیں تو بسم اللہ ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ کلام اللہ کا یہ سورہ صاحب العصر کی عظمت و بزرگی پر دلالت کرتا ہے ۔ اگر کلام الٰہی کی صداقت پر یقین ہے تو پھر یقین جانو کہ جس کی جانب احکاماتِ الٰہیہ آتے ہیں وہ نمائندۂ الٰہی ضرور زمین پر موجود ہے ۔

جلالِ کبریائی در قبائش

جمالِ زندگی اندر سجودش

علامہ صاحب مہدی آخر الزماں کی جہاں اور بہت سی صفات، اپنے مختلف اشعار میں بیان کرتے ہیں

وہیں آپ امام مہدیؑ کی نماز، ان کے رکوع وسجود، قیام وقعود کی صفات بھی نہایت عالمانہ، مفکرانہ اور فلسفیانہ انداز میں بیان کرتے ہیں، اس شعر کے مصرعہ اولیٰ میں سرکار قائم آلِ محمدؐ کے قیام کو جلالِ ذوالجلال والاکرام سے تعبیر کرتے ہیں اور مصرعہ ثانی میں آپ کے سجدہ کی بزرگی بیان کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جس عبدِ خدا کی نماز ایسی ہو کہ حالتِ قیام میں جلالِ خداوندی برسے اور حالتِ سجدہ میں بندگی اپنے عروج پر دکھائی دے تو وہ قادرِ مطلق کیسا ہوگا جس کی عبادت ایسی بزرگ و برتر ہستی یوں کرتی ہے۔

چہ پرسی از نمازِ عاشقانہ

رکوعش چوں سجودش محرمانہ

علامہ فرماتے ہیں کہ اے واعظِ ناداں! مجھ سے پوچھتا ہے کہ عاشقوں کی نماز کیسی ہوتی ہے، میں تو اتنا جانتا ہوں کہ علماء سوا اور مجتہدینِ اعلام کا فیصلہ ہے کہ عباداتِ الٰہیہ میں سب سے افضل عبادت، نماز ہے اور نماز میں سب سے افضل سجدہ ہوتا ہے لیکن کیا کہنا امام آخرالزماں کی نماز کا کہ وہ حالتِ رکوع میں بھی رازہائے محرمانہ سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور خدائے بزرگ برتر کے اتنا ہی قریب ہوتے ہیں جتنا ایک عابدِ شب زندہ دار حالتِ سجدہ میں خالق کونین کے قریب ہوتا ہے۔ رکوع و قیام و سجود کی فضیلت بیان کرنے کے بعد علامہ صاحب مہدی برحق کی کہی ہوئی تکبیر کی فضیلت ایک شعر میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

تب و تاب یک اللہ اکبرش

نگنجد در نمازِ پنجگانہ

اس عبدِ خدا، امام ہدیٰ، مہدی آخرالزماں کی نماز میں کہی ہوئی ایک تکبیر (اللہ اکبر) عوام الناس کی نمازِ پنجگانہ سے کہیں افضل و اعلیٰ ہے۔

قوموں کی حیات اس تخیل پہ ہے موقوف

یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو

مجذوبِ فرنگی نے بہ اندازِ فرنگی،

مہدیؑ کے تخیل سے کیا زندہ وطن کو

علامہ فرماتے ہیں کہ یہ صرف مسلمانانِ عالم ہی پر بات ختم نہیں ہو جاتی، کہ وہ مہدیؑ آخر الزماں کے منتظر دکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ تو پوری انسانیت چاہے وہ کسی بھی مذہب و ملت، ملک و وطن سے تعلق رکھتی ہو اسے امام ہدیٰ مہدیؑ برحق کی شدت سے منتظر دکھائی دیتی ہے اور اقوام عالم کا مرکزی نقطۂ فکر اسی کے گرد گردش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مجذوب، فرنگی نے نہایت فرنگیانہ چال سے اپنے ملک و وطن کو بقا سے ہمکنار کر لیا۔ اور پھر اسی مقام پر علامہ موصوف کفِ افسوس ملتے ہوئے فرماتے ہوئے

اے وہ کہ تو مہدیؑ کے تخیل سے ہے بیزار

تو نہ کر آہوئے مشکیں سے ختن کو

اور اے فرزندِ اسلام تو ہے کہ امام مہدی کے ذکر سے بیزار، ذرا سوچ تو سہی کہ تو کدھر جا رہا ہے۔ نکر کے آہو کو ختن کی راہ پہ ڈال، یعنی امام برحق کی تلاش کر ورنہ جہالت کی موت مرے گا۔

جب علامہ صاحب ان مقاماتِ آہ و فغاں سے گذر جاتے ہیں تو پھر یہ مردِ قلندر بہ اندازِ قلندرانہ گفتگو کرتا ہے تو یوں کہتا ہے

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہوگا!

سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا

گذر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے

بنے گا سارا جہاں میخانہ، ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

لہ یہ اشعار بانگِ درا کے ص۲۹۹ اور ص۱۵۱ سے اخذ کئے گئے ہیں۔ (عراقی)

سُنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آکر

جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا

سُنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

حالاتِ زمانہ اور ضرورتِ امامِ زمانہ کے پیشِ نظر علامہ ایسے صاحبِ نظر نے یہ اشعار بھی کہے :-

دگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی

دلِ ہر ذرّہ میں غوغائے رستاخیز ہے ساقی

متاعِ دین و دانش لُٹ گئی اللہ والوں کی

یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا

کہ پیدائی تیری اب تک حجاب آمیز ہے ساقی

ضرورتِ امام اس لئے ضروری ہے کہ ان کے بغیر اصلاحِ انسانیت ممکن نہیں اسی لئے تو مفکرِ یگانہ، داناد بینا حکیم الامت شاعرِ مشرق نے کہا تھا:

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے اک حرفِ محرمانہ

قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا مشتاق ہے زمانہ

شفق نہیں مغربی اُفق پر، یہ جوئے خوں ہے، یہ جوئے خوں ہے

طلوعِ فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے

وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ

حصائظم